



۷۸۶

۹۲–۱۱۰

یا صاحب الزماں ادرکنی



لبیک یا حُسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

SABEEL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.co.cc
sabeelesakina@gmail.com

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کر سکتے ھیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

مظلومۂ کربلا

یعنی سیرت جناب زینب سلام اللہ علیہا

سید محمد حسین جعفری



سنہ اشاعت: جنوری ۱۹۹۹ء
مطبوعہ: اے۔ بی۔ سی آفسیٹ پریس دہلی

مصنف ---------- سید محمد حسین جعفری

کتبہ ---------- جعفر زیدی

قیمت ---------- ۵۵/ =

ملنے کا پتہ:-
عباسؑ بک ایجنسی، درگاہ حضرت عباسؑ، رستم نگر، لکھنؤ



فہرستِ مضامین

عرضِ ناشر

یہ امر ہمارے لئے باعثِ تشکر و امتنان ہے کہ تائید ایزدی کی بدولت ہم ایک ایسی اہم کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جو آج سے تقریباً چالیس سال قبل منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو کر علمائے عظام اور مومنین کرام سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔ یہ اُس بطلۂ کربلا، عقیلۂ القریش، عالمۂ غیر معلمہ، شریکۃ الحسین جناب زینبؑ صلوٰۃ اللہ علیہا کی سیرت پر مشتمل مستند اور مبسوط کتاب ہے جس نے پنجتن پاک کے غم مناکر "امّ المصائب" کا لقب پایا۔ بچپن میں نانا اور ماں کا شفیق سایہ سر سے اٹھا۔ باپ کو مسجد کوفہ میں زہر آلود تلوار سے شہید ہوتے دیکھا۔ بھائی حسنؑ کے جگر کے ٹکڑے طشت میں گرتے دیکھے نانا کا روضہ چھوٹا۔ وطن کو خیر آباد کہا۔ حسینؑ مظلوم کے ساتھ سانحہ کربلا میں شریک ہو کر غم کو درد کی موجوں میں آگے بڑھایا۔ اعزہ و اقربا، اولاد اور بھائی کو شہید ہوتے دیکھا۔ خیام جلے۔ دیار بہ دیار رسن بستہ تشہیر ہوئیں۔ دربار یزیدی میں خطبوں سے حقائق کو اجاگر کیا۔ زندان میں مقید ہوئیں۔ ان سب حالات و مصائب اور امتحانات میں ثابت قدمی، صبر و استقلال اور عظمت و جلال کا وہ عظیم الشان مظاہرہ کیا جو نبی مرسل یا امام معصوم سے ہی ممکن ہے۔

یہ کتاب ان سارے واقعات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جو اس عظیم ہستی نے اپنے حوصلہ، جرأت اور بے مثال قیادت سے تاریخ کے صفحات پر نقش کئے ہیں۔ مولف جناب سید محمد حسین جعفری اعلی اللہ مقامہ نے اردو زبان میں اتنی مستند اور جامع کتاب تالیف کی ہے کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود اپنی گوناگوں

خصوصیات اور منفرد پیرائے اظہار کی وجہ سے آج بھی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ قابل مولف نے ہر واقعہ کے متعلق عقلی و استدلالی بحث کر کے تمام حالات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور ہر واقعہ کا تفصیلاً جائزہ لیا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ کتاب سیرتِ زینبؑ (مظلومۂ کربلا) جناب زینبؑ صلوٰۃ اللہ علیہا کی سوانح پر صحیح ترین اور مستند کتاب ہے (سورہ فاتحہ برائے سید محمد حسن جعفری مرحوم)

یہ کتاب جو ۱۹۴۵ء میں طبع ہوئی تھی "سیرت زینبؑ" کے عنوان سے منظر عام پر آئی تھی۔ مگر اس دوران چونکہ اس نام سے کئی مشہور کتب بازار میں آچکی ہیں۔ اس لئے ہم نے مجبوراً باہمی مشورہ کے بعد اس کتاب کا نام "مظلومۂ کربلا" رکھا ہے اس کے علاوہ ان تمام کتب کے بارے میں جو آج تک سیرتِ جناب زینبؑ پر شائع ہو چکی ہیں اور ہمارے علم میں ہیں ان کی فہرست حسب ذیل ہے تاکہ ہمارے محترم قارئین اس بات سے بخوبی آگاہ ہو جائیں کہ اس ہستی کے بارے میں کتنا کام ہو چکا ہے اور کن کن کی گرانقدر تالیفات منظر عام پر آچکی ہیں۔

۱۔ السیّدہ زینبؑ ۔ از امیر ابوالعباس احمد دین طوفان دمشقی متوفی سنہ ۲۷۰ھ
۲۔ الرسالہ" الزینبیۃ" ۔ از شمس الدین ابوالخیری سخاوی مصری۔
۳۔ المجاجہ الزینبیۃ فی السلالۃ الزینبیہ" از علامہ جلال الدین سیوطی۔
۴۔ طراز المذہب مرزا عباس قلی۔
۵۔ خصائص زینبیہ۔ سید نور الدین محمد جعفر بن عبداللہ موسوی۔
۶۔ سلسلۃ الذہب فی فضائل حضرت زینبؑ ۔ خان بہادر مظفر علی خاں صاحب رئیس جانسٹھ ضلع مظفر نگر۔
۷۔ کتاب الدر الفاخرہ شرح خطبہ زینبؑ الطاہرہ ۔ آقا جمال الدین دین

شیخ ابوتراب شیرازی۔

۸۔ تاریخ ام المصائب سیدتنا زینبؑ۔ شیخ محمد بن ملا اسماعیل۔

۹۔ کتاب شرح خطبہ حضرت زینبؑ۔ مرزا حیدر قلی خان سردار کابلی۔

۱۰۔ شرح الخطبۃ الزینبیہ۔ مولوی بادی بنالی۔

۱۱۔ السیدہ زینبؑ۔ محمد علی احمد مصری۔

۱۲۔ سیدہ زینبؑ۔ محمود بیلادی مصری۔

۱۳۔ السیدہ زینبؑ۔ حسن قاسم مصری۔

۱۴۔ زینبؑ کبریٰ علامہ شیخ جعفر نقوی۔

۱۵۔ زینبؑ کربلا پروفیسر آغا اشہر صاحب ایم۔ اے۔

۱۶۔ سیدہ زینبؑ (انگریزی) محمد علی سالمین۔

۱۷۔ ثانی زہراؑ۔ صادق حسین۔ بی اے۔

۱۸۔ بطلۃ کربلا (کربلا کی شیر دل خاتون) عائشہ بنت الشاطی مصری۔

۱۹۔ خاتون کربلا کا کردار۔ مہتاب جعفر رضا۔

۲۰۔ خاتون کربلا۔ صالحہ عابد حسین (کتابچہ)۔

۲۱۔ صدیقہ صغریٰ۔ مولانا اسد علی الہ آبادی (کتابچہ)۔

۲۲۔ سیدہ کی بیٹی۔ رازق الخیری۔

۲۳۔ سیرت زینبؑ۔ سید احمد حسین ترمذی۔

۲۴۔ سوانح حضرت زینبؑ۔ علی جعفری (کتابچہ)۔

۲۵۔ سیرت زینبؑ شیعہ لاہور محرم نمبر ۱۳۸۱ھ۔

۲۶۔ سوانح حیات حضرت زینبؑ کبریٰ۔ آغا مہدی صاحب کراچی۔

۲۷۔ "سرفراز" لکھنؤ زینبؑ نمبر۔

۲۸۔ سیرت حضرت صدیقہ صغریٰ جناب زینبؑ۔ از سید اظہار حسین عرش گوپال پوری۔

۲۹: ترجمان کربلا زینبؑ بنتِ علیؑ۔ مؤلف: ایوب نقوی

۳۰: زندگانی حضرت زینبؑ۔ آیت اللہ دستِ غیب

۳۱: نمونہ صبر جناب زینبؑ۔ تالیف: اکبر اسدی مہدی رضائی

۳۲: حضرت زینبؑ کبریٰ کے خطبے۔ از: علامہ سید ابن حسن نجفی

۳۳: حیات طیبہ حضرت زینب سلام اللہ۔ آیت اللہ دست غیب

۳۴: مظلومۂ کربلا۔ سید عالم شاہ کاظمی

۳۵: زینبؑ زینبؑ ہے۔ ازم صادق

خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری اس پرخلوص کوشش کو شرفِ قبولیت بخشے اور شہزادی زینبؑ ہماری شفاعت کی ضامن بن سکیں۔ میں تمام مومنینِ کرام سے مودبانہ درخواست کروں گا کہ وہ اس گرانقدر پیش کش کے بارے میں اپنے تاثرات سے ضرور نوازیں۔ تاکہ حوصلہ افزائی پر اسی طرح کی دیگر اہم تصانیف آپ تک پہونچا سکوں۔ آخر میں میں جناب سید رضا رضوی اور سید قیصر حسین مشہدی صاحب کا انتہائی مشکور ہوں جن کی پرخلوص معاونت کی بناء پر اس کتاب کی اشاعت پایۂ تکمیل تک پہنچی۔

اے۔ ایچ رضوی



مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفْضَلِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰھْلِ بَیْتِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ الْمَظْلُوْمِیْنَ ۔

ایک عرصہ سے ہماری تمنا تھی کہ جناب صدیقہ صغریٰ زینب الکبریٰ علیہا السّلام کی سوانح عمری لکھیں لیکن یہ کام آسان نہ تھا اور انسان بالطبع سہل پسند واقع ہوا ہے اس کی طبیعت مشکل کاموں سے بھاگتی ہے۔ ارادے متزلزل ہو جاتے ہیں۔ عزم باقی نہیں رہتا۔ یہی حال ہمارا ہوا کہ رہ رہ کر خیال تو آتا تھا کہ اس کام کا بیڑا اُٹھالیں لیکن ہر دفعہ مشکلات اور دشواریوں کا تصور ہمت پست کر دیتا تھا۔

سچ ہے کہ کل شی مرھون باوقاتہا یعنی ہر چیز اور ہر کام کے لیے ایک وقت ہوتا ہے۔ جب وقت آجاتا ہے تو منجانب اللہ خود بخود اس کی تکمیل کے اسباب فراہم ہو جاتے ہیں اور وہ کام ہو کر رہتا ہے۔

اسی سال ماہِ محرم میں جب ہم کتاب "اقوالِ اہل بیتؑ نبی مختارؐ در ترجمۂ جلد اوّل بحار الانوار" کی تکمیل میں مصروف تھے تو ایک روز نواب سیّد علیخاں سلمہ

اللہ تعالیٰ جاگیردار سے جو ہمارے چچیرے بھائی ہیں اور اُمورِ دینی سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں ملاقات ہوئی اور اثنائے گفتگو میں موصوف عزیز نے خواہش ظاہر کی کہ ہم اُردو میں جناب زینب علیہا السّلام کی ایک جامع سوانح عمری لکھیں تاکہ اُردو داں حضرات و خواتین اس سے مستفید ہوں۔ پہلے سے دل میں خیال تو تھا ہی اُن کی تحریک نے تازیانہ کا کام کیا اور ہم نے مصمم ارادہ کر لیا کہ "بحار الانوار" کے ترجمہ کی طباعت ختم ہوتے ہی جناب معصومہؑ کی سوانح عمری کی تالیف کا کام شروع کر دیں گے چنانچہ خدا کے فضل اور جناب مظلومہؑ کی تائید سے ایسا ہی ہوا۔

جناب زینب علیہا السّلام کی سیرت و سوانح عمری کی تالیف کے لیے کافی معلومات حاصل کرنا مجھ جیسے نااہل کے لیے ضروری تھا۔ اس ضرورت کی بھی بڑی حد تک نواب سید علیخاں سلمہ نے اس طرح تکمیل کر دی کہ اُن کے ذاتی کتب خانہ میں جناب معصومہؑ کے متعلق جتنی کتابیں تھیں اُنھوں نے ہمارے حوالے کر دیں۔ ہم نے بھی چند اور کتب فراہم کیے اور اُن کا مطالعہ کیا اور اُن سب کتابوں کی مدد سے اس کتاب کی تالیف عمل میں آئی۔

حضرات اہل بیت طاہرین علیہم السّلام کے حالات اور سوانح عمری کی ایسی ترتیب و تالیف جو آج کل کے تاریخ و سیرت نویسی کے اصول کے مطابق ہو بہت مشکل ہے۔

ان مقدس ہستیوں کے متعلق جو کچھ بھی معلومات ہم کو حاصل ہو سکتے ہیں ان کے تین ذرائع ہیں یعنی اسلامی تواریخ۔ کتبِ حدیث و اخبار اور کتبِ مقاتل۔

(۱) اسلامی تواریخ

ابتدا میں اہلِ عرب نے اپنی زبان یعنی عربی میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخیں لکھیں اس کے بعد ایرانی مسلمانوں نے عربی اور

فارسی میں متقدمین کی کتب سے مواد حاصل کر کے تواریخ مرتب کیں۔

کہا جاتا ہے کہ تاریخ نویسی کی ابتدا بنی اُمیہ کے دورِ حکومت میں ہوئی۔

ابتداءً جو تواریخ لکھی گئیں وہ دو قسم کی ہیں بعض تو احادیث اور روایات کا مجموعہ ہیں جن میں تاریخی واقعات کے متعلق جو کچھ راویوں نے بیان کیا لکھ لیا گیا چاہے وہ راوی کیسے ہی علم و قابلیت کے ہوں۔ بعض تواریخ قبائلِ عرب اور ان کے سرداروں کے قصے، کہانیوں اور کارگذاریوں کا مجموعہ ہیں جو تاریخ سے زیادہ افسانوں کی شان رکھتے ہیں کچھ زمانے کے بعد محققین پیدا ہوئے جنہوں نے بڑی دلچسپی اور جانفشانی سے چند ایسی کتابیں لکھیں جو حقیقتاً تواریخ کہی جانے کی مستحق ہوئیں لیکن ان تواریخ کو بھی موجودہ اصول کے لحاظ سے جانچا جائے تو ناقص ثابت ہوتی ہیں۔

مسٹر سیمن آکلے پروفیسر عربی جامعہ کیمبرج (المتوفی ۱۷۲۰ء) اپنی کتاب "ہسٹری آف سیاراسن" کے مقدمہ میں عربوں کی لکھی ہوئی تواریخ کے متعلق کہتے ہیں:۔

"عربوں نے بڑی محنت و جانفشانی سے یونانی زبان سیکھی۔ یونانی ادب اور فلسفہ پر کافی عبور حاصل کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی اگر یہ لوگ یونانی مورخین کی تصانیف و تالیفات کا اور اُن کے تاریخ نویسی کے اصول کا بھی جد وجہد اور دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کرتے تو آج ہم ایسے عربی مورخین پاتے جن کا شمار اچھے اور صحیح اصول پر تاریخ لکھنے والوں میں ہو سکتا تھا۔۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔"

پھر ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"میرے دل میں علومِ مشرقیہ کی اس قدر عزت و وقعت ہے کہ میں عربی مورخین کی مذمت کرنا نہیں چاہتا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اُنہوں نے تاریخ نویسی کا غلط طریقہ اختیار کر کے ہم کو اس مسرت اور فائدہ سے محروم کر دیا جو ہم کو

ان کی لکھی ہوئی تاریخوں سے حاصل ہو سکتا تھا۔ مورخ کے فرائض اور حدود کیا ہوتے ہیں اُنہوں نے کما حقہٗ نہ سمجھا اس لیے ان فرائض اور حدود کو نظر انداز کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن میں کے بعض مورخین نے اہم تاریخی واقعات کے ساتھ چھوٹی چھوٹی غیر اہم باتیں بکثرت لکھ ڈالیں۔ پھر بعض مورخین نے تاریخی واقعات کو بیان کرنے میں ایسی عبارت انگیزی اور انشا پردازی کی کہ اُن کی تاریخیں اچھی خاصی ادق ادبی کتابیں ہو گئیں۔ اُنہوں نے تاریخی واقعات کی تحقیق و تنقید کے عوض اپنی ادبی مہارت و قابلیت اور زورِ قلم کا مظاہرہ کیا۔ بعض مورخین نے معمولی روزمرہ کے واقعات کو اپنی ادبی قابلیت کی وجہ سے اس قدر بڑھا چڑھا کر بیان کیا کہ بادی النظر میں وہ بڑے اہم تاریخی واقعات نظر آنے لگے۔ ان سب اسقام کی وجہ سے ہمارے لیے اُن کی لکھی ہوئی تاریخوں کا مطالعہ کرنا اور اُن سے صحیح تاریخی واقعات کا اخذ کرنا بہت مشکل ہو گیا۔"

پروفیسر آکلے عربی مورخین کی ایک خوبی بھی بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ "عربی مورخین کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ اُنہوں نے واقعات کو جیسا اپنے اسلاف یعنی آباد اجداد سے سُنا من و عن بلا کم و کاست ویسا ہی لکھ دیا۔ اس میں کسی قسم کی تصنّع یا غلط بیانی سے کام نہیں لیا۔

مشہور و معروف مورخ گبن بھی عربی مورخین کے متعلق وہی رائے رکھتے ہیں جو پروفیسر آکلے کی ہے اور تقریباً وہی بات کہی ہے جو پروفیسر صاحب ان سے بہت قبل کہہ گئے تھے۔ یہ لکھتے ہیں:۔

"بعض عربی مورخین نے اپنی کتابوں میں صرف تاریخی واقعات یکے بعد دیگر خشک طریقہ پر بیان کر دیے ہیں، جو کچھ اُنہوں نے اپنے بزرگوں سے سُنا لکھ دیا۔ بعض مورخین نے تاریخی واقعات کی تحقیق و تنقید کو اہمیت دینے کے

عوض فصاحت و بلاغت سے کام لیا اور اپنی تواریخ کو ادبی کتابیں بنا دیں تاکہ اپنی ادبی قابلیت کی داد لیں اور پڑھنے والوں سے خراجِ تحسین حاصل کریں۔"

ہمارے اُستاد پروفیسر مارگولیت جو جامعہ آکسفورڈ میں ایک عرصہ تک عربی کے پروفیسر رہ چکے تھے اور جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے پروفیسر آکلے اور گبن کے ہم خیال تھے۔ اپنی کتاب "محمڈنزم" میں لکھتے ہیں:۔

" اگرچہ عرب کے بہترین مورّخین کبھی قابلیت اور عظمت میں یونان۔ روم اور لبعد کے یوروپین مورّخین کے مقابلہ میں پست نظر آتے ہیں۔ بر ایں ہم ان کی صاف گوئی اور واقعات کو اصلی رنگ میں بلا کسی قطع و بُرید کے بتا دینا قابلِ تعریف ہے۔"

مسٹر فلپ۔ کے۔ ہٹی پروفیسر عربی جامعہ پرنسٹن امریکا نے اپنی تالیف "تاریخ عرب" میں عربی مورخین پر تبصرہ کیا ہے۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"عرب کے فلسفہ اور طب میں یونانیوں کا اثر نمایاں ہے لیکن تاریخ نویسی میں اُنہوں نے ایرانیوں کا رنگ اختیار کیا۔ واقعات کو پیش کرنے کا وہی قدیم اسلامی حدیث نویسی کا طریقہ جاری رکھا یعنی ہر ایک واقعہ راویوں کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں شخص سے سُنا اور آخر راوی وہ ہوتا ہے جس نے واقعہ کو بچشمِ خود دیکھا ہو اور وقوعِ واقعہ کے وقت موجود رہا ہو۔۔۔۔

۔۔۔۔ اس طریقہ کے اختیار کرنے کی وجہ عربی مورّخین نے راویوں کے سلسلے اسناد اور دن و تاریخ واقعہ کی تحقیق و تفتیش کو تو بہت اہمیت دی لیکن اصل واقعہ کی تحقیق پر کہ آیا وہ ممکن الوقوع ہے یا جس طرح بیان کیا گیا ویسا ہی واقع ہوا ہوگا کوئی توجہ نہیں کی بلکہ جو کچھ راویوں نے کہہ دیا لکھ دیا۔ ان مورّخین نے اپنی عقل فہم اور قوتِ تمیزی سے کام لے کر واقعات کے متعلق تحقیق و تشریح و تنقید نہیں کی۔"

عرب کے مورّخین کے متعلق مغرب کے محققین کی جو آرا ہیں وہ ہماری رائے میں درست ہیں۔ ہم کو بڑی حد تک اُن سے اتفاق ہے۔

عربی تواریخ کے بعد جب ہم فارسی تاریخوں پر نظر ڈالتے ہیں تو اور زیادہ مایوسی کا سامنا ہوتا ہے۔ ان میں واقعات تو عربی تواریخ سے لیے گئے ہیں لیکن اُن کے بیان کرنے میں اِس قدر عبارت انگیزی اور انشا پردازی کی گئی ہے کہ بعض فارسی تاریخوں نے داستان اور افسانہ کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔

یہاں تک تو بحیثیت مجموعی اسلامی تواریخ کا حال بیان کیا گیا ان میں جب ہم آلِ محمدؐ۔ اہلِ بیتِ طاہرینؑ کے حالات اور واقعات کا تفحص کرتے ہیں تو ہماری مشکلات میں بے حد اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اوّلاً تو اکثر مسلمان مورّخین نے آلِ محمدؐ کے حالات اور واقعات لکھنے میں بُخل سے کام لیا۔ تاریخوں کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مورّخین نے زیادہ تر بادشاہوں کے حالات درج کیے جو حکمران تھے اور آلِ محمدؐ کے حالات اور واقعاتِ زندگی کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ ضمناً اِدھر اُدھر کچھ لکھ دیا۔ ان بزرگواروں کے متعلق بعض اہم اور مشہور واقعات کا ذکر کیا بھی تو مجملاً کیا اور پھر کافی تحقیق و تفتیش کی زحمت گوارا نہیں کی۔ مثلاً واقعہ کربلا کو پیش کیا جاتا ہے مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ تاریخ اسلام کا ایک عظیم اور اہم ترین واقعہ ہے لیکن اکابر مورّخین نے اس واقعہ کو ضمناً اور اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر آلِ محمدؐ کے متعلق مسلمان مورّخین نے یہ طریقہ عمل کیوں اختیار کیا؟ اس کے بظاہر دو وجوہ تھے۔ ایک یہ کہ اکثر مورّخین کا تعلق ایسے مکتبِ خیال کے لوگوں سے تھا جو آلِ محمدؐ سے کوئی محبت نہ رکھتے تھے اور ان بزرگواروں سے اُن کو کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ ظاہر ہے کہ جب کسی شخص سے

محبت اور تعلق نہ ہو تو کیوں اُس کے متعلق کچھ کہنے اور لکھنے کی تکلیف و زحمت برداشت کرے گا۔

آلِ محمدؐ سے یہ بے اعتنائی، لاپرواہی اور بے تعلقی اس لیے ظہور پذیر ہوئی کہ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد اسلامی دنیا میں جو انقلاب ہوا یعنی اسلام کی قیادت اُن کے گھر سے نکل کر دوسروں میں منتقل ہو گئی تو یہ ان مقدس ہستیوں کی تباہی اور ہلاکت کا باعث ہوئی۔ نہ صرف یہ بزرگوار یکے بعد دیگرے تلوار، زہر، قیدِ تنہائی کے ذریعہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے بلکہ صدیوں تک مسلسل اور منظم کوششیں کی گئیں کہ اُن کے حالات، اُن کے علوم، اُن کے فضائل اور مراتب بھی مٹا دیے جائیں اور لوگوں کے دلوں سے بھلا دیے جائیں۔ پس ان تمام کارروائیوں کا نتیجہ وہی برآمد ہوا جو ناگزیر تھا کہ مسلمانوں میں سوائے چند باایمان نفوس کے باقی سب ان بزرگواروں کے حالات، کمالات، فضائل و مراتب سے ناواقف ہو گئے اور یہ مورّخین بھی اسی زمرہ میں شامل ہیں۔

ثانیاً یہ کہ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد اسلام کی یا مملکت اسلامی کی قیادت اور سرداری ایسے افراد کے سپرد ہوتی گئی جو آلِ محمدؐ کی عداوت و مخالفت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ان قائدین اور حکمرانوں کو ایک دقیقہ کے لیے بھی گوارا نہ ہوتا تھا کہ کہیں آلِ محمدؐ کا نام بھی لیا جائے یا اُن کا ذکرِ خیر ہو۔ زمانہ کا یہ رنگ ہو گیا تھا کہ اگر کوئی صاحبِ ایمان ان بزرگواروں کا نام نیکی کے ساتھ لیتا یا اُن کے فضائل بیان کرتا تو اس کی سزا محبس اور تلوار ہوتی یعنی قید اور قتل کیا جاتا۔ اس شدید احتساب کی موجودگی میں ان مورّخین کو جو پہلے سے ان مقدس ہستیوں سے کوئی خاص دلچسپی اور محبّت نہیں رکھتے تھے کیا پڑی تھی کہ اپنی جان اور مال کو خطرہ میں ڈال کر اُن کے حقیقی حالات اور واقعات شرح و بسط

کے ساتھ لکھتے۔ بس اتنا ہی لکھا جتنا کہ حکومتِ وقت نے اجازت دی اور جس کا ترک ناگزیر تھا۔

باوجود اس احتساب اور روک تھام کے خدا نے کچھ ایسے افراد بھی پیدا فرما دیے جنہوں نے صاحبانِ اقتدار اور حکّامِ وقت کے تعزیراتی احکام کو ٹھکرا دیا۔ اُن کی مطلق پرواہ نہ کی اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر ان اولیاء اللہ، اوصیاء رسول اللہؐ کے حالات، کمالات اور فضائل دل کھول کر لکھ دیے لیکن افسوس کہ اُن کے اکثر ملفوظات، تالیفات اور تصانیف ہم تک نہ پہونچنے پائے۔ اُن میں اکثر کتب کو تو حکّامِ جور نے باضابطہ اور منظّم طور پر تلف کرا دیے بعض لوگوں کے یہاں چند کتابیں جو بچ گئیں ان کو حکّامِ جور کے خوف سے ان لوگوں نے اس طرح چھپایا اور مخفی کر دیا کہ یہ تلف اور غائب ہو گئیں۔ دنیا انھیں پھر نہ دیکھ سکی مثلاً جب ہم ابن ندیم (المتوفی ۳۸۵ھ ہجری) کی کتاب "الفہرست" پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میں ایسی متعدد کتب کے نام پاتے ہیں جو دوستان اور جاں نثارانِ اہلِ بیتؑ نے ان کے حالاتِ زندگی، فضائل و مصائب کے متعلق لکھے تھے۔ ان کتب میں سے دو فیصد (۲٪) بھی باقی نہ رہے مفقود و معدوم ہو گئے۔

المختصر اسلامی تواریخ سے اہلِ بیت علیہم السّلام کے متعلق خاطر خواہ کافی اور صحیح معلومات ہم کو نہیں ملتے۔

(۲) حدیث و اخبار

دوسرا ذریعہ معلومات کا حدیث و اخبار ہے لیکن ان کی حالت بھی قابلِ اطمینان نہیں۔ رسول اللہؐ کے زمانہ میں ہی مسلمان جھوٹی حدیثیں بنانے اور شائع کرنے لگے تھے۔ چنانچہ جب اس کی اطلاع آنحضرتؐ کو ہوئی تو آپ نے عتاب فرمایا اور ایسا کرنے سے لوگوں کو سختی کے ساتھ منع فرمایا۔

بحار الانوار جلد اول میں حدیث ہے :۔

عن ابی جعفر الثانیؑ فی مناظرتہ مع یحییٰ بن اکثم انہ قال قال رسول اللہؐ فی حجۃ الوداع قد کثرت علیّ الکذابۃ و استکثر من کذب علیّ متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار۔ الخ

(ترجمہ) یحییٰ بن اکثم سے مناظرہ کرتے ہوئے امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ رسول اللہؐ نے حجۃ الوداع میں فرمایا کہ میری طرف بہت سی جھوٹی حدیثیں منسوب کی جا رہی ہیں اور کثرت سے کی جا رہی ہیں۔ جو شخص میرے متعلق عمداً جھوٹ کہے گا (یعنی جھوٹی حدیثیں بیان کرے گا) اس کا مقام جہنم ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے امیر المومنین علی علیہ السلام کی ایک کتاب میں دیکھا کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ میرے متعلق ویسی ہی جھوٹی باتیں کہی جائیں گی جیسی کہ انبیاء ماسبق کے متعلق کہی گئیں۔

رسول اللہؐ کی وفات کے بعد جھوٹی اور موضوعہ حدیثوں کا سلسلہ اس شدت سے جاری ہوا کہ اس کے انسداد کے لیے سخت کارروائی کرنی پڑی۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے ابوہریرہ کو درّے لگائے۔

خلفاء راشدین کے بعد جب حکومت خاندان بنی امیہ میں منتقل ہوئی تو ان حکمرانوں نے جھوٹی حدیثیں وضع کرانے کا سلسلہ قائم کیا جس کے بانی امیر معاویہ تھے۔ انہوں نے رقم کثیر صرف کر کے حضرات شیخین اور اپنے فضائل میں اور جناب امیر علیہ السلام اور اہل بیتؑ کی منقصت میں جو احادیث بنوائیں اس کے ذکر سے تواریخ اور کتب، حدیث و اخبار بھری پڑی ہیں۔ ہم نے کتاب " اقوالِ اہل بیت نبی مختار در ترجمہ جلد اول بحار الانوار" کے مقدمہ میں شرح و بسط کے ساتھ اس حدیث

سازی کا ذکر کیا ہے۔ ان جھوٹی حدیثوں کا سلسلہ بنی امیہ پر ختم نہیں ہوا بلکہ بنی عباس کے دورِ حکومت میں بھی قائم رہا۔

پروفیسر فلپ ہٹی " تاریخ عرب" میں لکھتے ہیں :۔

" مسلمان عربوں کے دو فریق میں جب کبھی کوئی مذہبی، سیاسی یا سماجی نزاع واقع ہوئی تھی تو ہر ایک فریق اپنی تائید میں رسول اللہؐ کی حدیثیں پیش کرتا تھا چاہے وہ حدیثیں صحیح ہوں یا موضوعہ اور جھوٹی۔ علیؑ اور ابوبکرؓ کی سیاسی مخالفت، علیؑ اور معاویہ کا جھگڑا، بنی عباس اور بنی امیہ کی باہمی عداوت متعدد جھوٹی حدیثوں کے بننے کا باعث ہوئی۔ اس کے علاوہ علماء کی کثیر تعداد کے لیے یہ دولت کمانے اور روپیہ پیدا کرنے کا ذریعہ بن گیا تھا۔"

اس حدیث سازی کے وبائی مرض کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام دنیائے اسلام کے علماء اس سے متاثر ہو گئے اور ان جھوٹی اور موضوعہ حدیثوں کو اکثر علماء نے تو عمداً حکامِ وقت کی خوشنودی کی خاطر اور بعض نے نادانستہ طور پر اپنی کتابوں میں شریک کر لیا اور اس کثرت سے شریک کیا کہ بعد میں ان کے متعلق بعض محققین کو بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھنی پڑیں۔ اس کے باوجود بعض معتبر اور مستند کتب احادیث مثلاً صحاح ستہ وغیرہ میں یہ جھوٹی اور موضوعہ حدیثیں رہ گئیں اور اب تک موجود ہیں۔ کتبِ شیعہ بھی ان سے محفوظ نہیں رہیں ان کی کتب احادیث و اخبار میں بعض ایسی حدیثیں نظر آتی ہیں جن سے بادی النظر میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے لیکن ذرا غور و فکر کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ دراصل ان سے ان بزرگواروں کی منقصت اور توہین ہوتی ہے۔ یہ حدیثیں بڑی چالاکی اور مکاری کے ساتھ موضوع کی گئی تھیں بعض بھولے اور کم عقل شیعہ علماء نے ان کو مفید مطلب سمجھ کر اپنی کتب میں شریک کر لیا۔

یہاں تک تو حدیثوں کی وضع اور ترتیب کا حال بیان کیا گیا اب راویانِ حدیث کے حالات بھی قابلِ غور ہیں۔

معتبر و مستند کتبِ احادیث مثلاً صحاح ستہ وغیرہ میں جو احادیث درج ہیں ان کے راویوں کی یہ کیفیت ہے کہ ان میں ہمہ قسم کے لوگ، عالم، جاہل، عابد، زاہد، متقی پرہیزگار، فاسق و فاجر، صادق و کاذب، مدلس، ناصبی و خارجی قاتلانِ حسینؑ مثلاً حصین ابن نمیر اور شمر ذی الجوشن سب ہی شامل ہیں۔

ان معتبر و مستند کتبِ احادیث کے رواۃ کے حالات کا جب کتبِ رجال اور تاریخوں سے پتہ چلایا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض راویوں کے عادات و اخلاق، چال چلن بہت ہی خراب، پست اور ناگفتہ بہ تھے۔ تعجب ہوتا ہے کہ علماء اور جامعینِ احادیث نے ایسے لوگوں کی روایتوں کو کیوں کر قبول کیا اور اپنی کتب میں انہیں جگہ دی۔!

ہماری کتب احادیث و اخبار میں خود آنحضرتؐ کے متعلق ایسی لغو اور بے سروپا باتیں موجود ہیں کہ جن سے آنحضرتؐ کی توہین اور منقصت ہوتی ہے اور جن کی وجہ سے یورپ اور امریکا کے مورخین اور مصنفین کو رسول اللہؐ پر سخت حملے کرنے کا موقع ملا۔

" از ماست کہ بر ماست

(۳) مقاتل

تیسرا ذریعۂ معلومات مقاتل ہیں۔ ان کا چونکہ زیادہ تر تعلق واقعۂ کربلا سے ہے اس لیے ان کے ذریعہ ہم کو واقعۂ کربلا کے متعلق معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں ضمناً اہلِ بیتؑ کا ذکر آجاتا ہے۔

جناب زینبؑ کے متعلق جو کچھ واقعات معلوم ہوئے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر

ان ہی مقاتل سے اخذ کیے گئے ہیں مقاتل میں روایات کا اس قدر اختلاف ہے کہ ان سے صحیح واقعہ کا پتہ چلانا مشکل ہو جاتا ہے۔

بہر حال آلِ محمد علیہم السلام کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے میں بے حد مشکلات درپیش ہوتی ہیں۔ خاندانِ نبوت کے مردوں کے حالات تو پھر بھی کتب میں مل جاتے ہیں لیکن مخدرات کے حالاتِ زندگی کی طرف چونکہ مورخین اور صاحبانِ اخبار و حدیث نے کافی توجہ نہیں کی اس لیے ان کے حالات بہت کم ملتے ہیں اور جب ہم ان کے حالات اور واقعات زندگی جمع کرنا چاہتے ہیں تو ہماری مشکلات مزید بڑھ جاتی ہیں

جناب زینب سلام اللہ علیہا کے متعلق ہماری حد علم تک ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ متقدمین یا متاخرین میں سے کسی نے کوئی مستقل علیحدہ تصنیف یا تالیف نہیں کی البتہ متقدمین کی کتب تاریخ و اخبار میں آپؑ کے چیدہ چیدہ حالات پائے جاتے ہیں۔ باوجود تجسس و تفحص کے ہم کو آپ کی کسی عربی سوانح عمری کا پتہ نہ چلا۔ صاحبِ "طراز المذہب" بھی اس سلسلہ میں ہمارے ہم خیال ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

"ہیچ یک از علمائے حدیث و اخبار تواریخ و آثار کتابی مخصوص در تاریخ حال و وقائع ایام سعادت انتمال حضرت زینب ستہ عظمیٰ ناموس کبریا محبوبہ مصطفیٰ محبوبہ خاندان علی المرتضیٰ پارہ جگر فاطمۃ الزہراؑ شقیقہ حسنِ مجتبیٰ و حسینؑ سید الشہداء عالمہ غیر معلمہ فہیمہ غیر مفہمہ۔ فاضلہ کاملہ۔ عاقلہ۔ زاہدہ۔ عابدہ۔ محدثہ منطوبہ۔ مرضیہ۔ نائبۃ سیدۃ النساء الراضیہ بالقدر والقضاء جناب ام الحسنؑ زینب الکبریٰ صلوٰۃ اللہ علیہا و علیہم مقرر و مبسوط و مشخص و مضبوط نہ داشتہ۔"

گزشتہ چالیس پچاس سال کے اندر فارسی و اردو میں جناب زینبؑ کی سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں جن میں سے ہم کو حسب ذیل کتب دستیاب ہوئیں:۔

(۱) "طراز المذہب" تالیف میرزا عباس قلی خان (فارسی)

(۲) "خصائص زینبیہ" تالیف السید نور الدین بن آقا سید محمد جعفر (فارسی)

(۳) "سلسلۃ الذہب فی فضائل حضرت زینبؑ" تالیف خان بہادر سید محمد مظفر علی خان رئیس جانسٹھ (ضلع مظفر نگر یو پی)

(۴) "سیرت حضرت صدیقہ صغریٰ جناب زینبؑ المعروف بہ مظلومۂ کربلا" تالیف سید اظہار حسین عرش گوپال پوری۔

(۵) "سیرت زینبؑ" تالیف سید احمد حسین ترمذی

(۶) "سیدہ کی بیٹی" تالیف رازق الخیری ابن راشد الخیری۔

(۱) "طراز المذہب" جو فارسی میں لکھی گئی جناب زینبؑ کی سب سے زیادہ مبسوط سوانح عمری ہے۔ اتنی تفصیل کے ساتھ آپ کے متعلق نہ اس سے پہلے کوئی کتاب لکھی گئی اور نہ بعد۔ اس کتاب کے مؤلف میرزا عباس قلی خان مرحوم و مغفور فرزند صاحب ناسخ التواریخ ہیں جن کا مطالعہ کثیر اور علم وسیع تھا۔ اس کتاب کی تالیف میں مرحوم نے حقیقتاً بڑی محنت اٹھائی اور جدوجہد کی ہوگی۔ جناب معصومہؑ کے متعلق جو کچھ معلومات مختلف کتب سے انہیں حاصل ہوئے وہ سب اس کتاب میں جمع فرما دیے ہیں۔ چنانچہ کتاب کے دیباچہ میں خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"بہ تحریر این کتاب مستطاب مشغول گردیده و بر بسی صد مجلد کتب مختلفہ احادیث و تواریخ نظر برگماشتہ برحسب بضاعت و استطاعت و مراعات شرائط

تحقیقات شافیہ و تدقیقات وافیہ کہ بر اہل خبر و بصیرت معلوم و مشہود است این خدمت را بانجام رسانید"

ہماری رائے میں "طراز المذہب" سے بہتر اور مفصل جناب زینب علیہا السلام کے متعلق اور کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس تالیف سے مؤلف مرحوم نے اہل بیتؑ کی بڑی خدمت کی اور ایک بڑی کمی کو پورا کیا خدا ان کے درجات عالی فرمائے۔

یہ کتاب پہلی دفعہ طہران میں طبع ہوئی اس کے بعد دوسری دفعہ زیر نگرانی محمد جعفر مولا اور محمد حسین لاری مطبع مصطفوی بمبئی میں ٹائپ میں چھپی سنِ طباعت سنہ ۱۳۲۲ ہجری ہے۔ کتاب کا حجم ۶۶۰ صفحے اب یہ کتاب کمیاب ہے۔

پہلے ہمارا خیال ہوا کہ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کر دیں لیکن کتاب کے مطالعہ کے بعد دو وجوہ سے رائے بدل دینی پڑی۔ وجہ اول یہ کہ اس کتاب میں بعض غیر متعلق امور پر طولانی بحث کی گئی ہے۔ مثلاً روح اور نفس کے متعلق، کہ روح کیا ہے، نفس کی حقیقت کیا ہے۔ اس کے بیان میں تقریباً ڈیڑھ سو صفحے صرف کیے گئے ہیں۔ یہ بحث ایسی ہے کہ جس سے عام ناظرین کو نہ دلچسپی ہو سکتی اور نہ آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ اس کے سمجھنے کے لیے فلسفہ، الٰہیات اور علم کلام کے کافی استعداد کی ضرورت ہے۔ اگر ہم کتاب کا ترجمہ کرتے تو لازماً اس حصہ کو بھی شامل کرنا پڑتا۔

وجہ دوم یہ کہ ایک ہی قسم کی روایات کا مختلف ابواب میں اکثر اعادہ کیا گیا ہے جن کا موزوں اور مناسب مقام پر ایک دفعہ لکھ دینا کافی تھا۔ اس تکرار اور اعادہ کی وجہ کتاب کا حجم زیادہ ہو گیا اور پھر سلسلۂ بیان درست نہیں ہے۔ حالات اور واقعات کچھ اس طرح آگے پیچھے بیان کیے گئے ہیں کہ کتاب کے پڑھنے میں دقت ہوتی ہے۔ پس یہی دو وجوہ تھے جو کتاب کا ترجمہ کرنے سے ہمیں باز رکھے اور ہم نے تہیہ کر لیا کہ اس کتاب کو اپنا ماخذ اصلی قرار دے کر جناب زینبؑ کی سوانح عمری مرتب کر دیں چنانچہ

ایسا ہی کیا۔

۲۔ "خصائصِ زینبیہ":

یہ السید نورالدین بن آقا سید محمد جعفر صاحب کی تصنیف ہے جو فارسی میں لکھی گئی ہے۔

۱۳۴۱ سنہ ہجری میں مطبع مرتضویہ نجف اشرف میں طبع ہوئی۔ یہ کتاب ایک خاص نوعیت کی ہے۔ اس میں زیادہ تر جناب زینب علیہا السّلام کے خصائص سے بحث کی گئی ہے حالات اور واقعاتِ زندگی ضمناً بیان کیے گئے ہیں۔ قابل مؤلف نے اس کتاب کی تصنیف میں بڑی جدوجہد کی ہے اور لطیف نکات اور مضامین جمع کیے ہیں۔

۳۔ "سلسلۃ الذہب فی فضائل حضرت زینبؑ":

یہ خان بہادر سید محمد مظفر علی خان صاحب رئیس جانسٹھ ضلع مظفر نگر کی لکھی ہوئی ہے۔ جو اُردو میں ہے اور ۱۹۲۷ء نولکشور پریس لکھنؤ میں طبع ہوئی۔

ہمارے خیال میں یہ تالیف نہیں ہے بلکہ اس کو "خصائصِ زینبیہ کا ترجمہ کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا۔ کتاب "خصائصِ زینبیہ" پڑھ لینے کے بعد جب ہم نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اسے بالکل "خصائصِ زینبیہ" کا ترجمہ پایا۔

۴۔ "سیرت حضرت صدیقہ جناب زینب صلوٰۃ اللہ علیہا المعروف بہ مظلومۂ کربلا":

اس کے مؤلف سید اظہار حسین صاحب عرش گوپال پوری ہیں۔ یہ اُردو میں لکھی گئی ہے اور نظامی پریس لکھنؤ میں طبع ہوئی۔ اس کتاب کا ماخذ بالکلیہ "طراز المذہب" ہے۔ مؤلف نے "طراز المذہب" کے ہر ایک باب سے چند روایات

لے کر اردو میں ترجمہ کردیا ہے۔ اس کتاب کے متعلق اگر یہ کہا جائے تو غیر صحیح نہ ہوگا کہ یہ "طراز المذہب" کے خلاصہ کا ترجمہ ہے۔

۵۔ "سیرت زینب":

اس کے مؤلف سید احمد حسین صاحب ترمذی ہیں۔ یہ مختصر کتاب ۹۲ صفحے کی چھوٹی تقطیع پر ہے اور گیلانی پریس لاہور میں طبع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا ماخذ بھی "طراز المذہب" ہے اس سے روایتیں لی گئی ہیں اور اختصار کے ساتھ آسان اُردو میں لکھ دی گئی ہیں۔ کتاب اگرچہ مختصر ہے لیکن بچوں اور مبتدیوں کے لیے بے حد مفید ہے۔

۶۔ "سیّدہ کی بیٹی":

یہ رازق الخیری صاحب فرزند راشد الخیری صاحب کی اُردو تصنیف ہے جو ۱۹۴۴ء میں طبع ہوئی اور عصمت بک ڈپو سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ مصنّف نے دیباچہ میں وجہ تصنیف یہ بیان کی ہے کہ ان کے والد علّامہ راشد الخیری کتاب "سیّدہ کا لال" (امام حسین علیہ السّلام کی سوانح عمری) لکھنے کے بعد جناب زینبؑ کے حالات قلمبند کرنا چاہتے تھے لیکن انتقال ہوگیا اور مصنف یعنی رازق الخیری نے اپنے والد مرحوم کی دلی خواہش کو پورا کردینے کی خاطر یہ کتاب لکھی۔

اس کتاب میں جناب زینبؑ کے بزرگوں کے اور دوسرے خاندانی حالات کے بیان میں ضرورت سے زیادہ طول دیا گیا ہے۔ حضرت آدمؑ سے سلسلہ شروع کیا گیا اور آنحضرتؐ پر ختم کیا گیا۔ روزِ عاشورا کے واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے جس کی چنداں ضرورت نہ تھی۔

بعض ایسے واقعات بیان کیے گئے ہیں جو ضعیف یا موضوعہ روایات پر مبنی ہیں اور بحث طلب ہیں۔ مثلاً جناب فاطمۃ الزہراؑ کا حضرت علیؑ سے ناراض ہوجانا اور آنحضرتؐ سے حضرت علیؑ کی شکایت کرنا۔ حضرت علیؑ کا جناب فاطمۃ الزہرا کے حینِ حیات

عقدِ ثانی کرنے کا قصد ظاہر کرنا اور اس پر رسولؐ اللہ کا اظہارِ خفگی کرنا۔

یہ باتیں خلافِ واقعہ ہیں۔ حضرت علیؑ سے جو جناب فاطمۃؑ الزہرا کے مراتب و مدارج سے اسی طرح واقف تھے جیسا کہ رسولؐ اللہ یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ آپؑ جناب معصومہؑ کو ایک دقیقہ کے لیے بھی شکایت کا موقع دیتے یا یہ کہ آپؑ کی زندگی میں عقدِ ثانی کا خیال بھی آپؑ کے وہم و گمان میں آتا۔

بعض مندرجہ واقعات مجمل اور مبہم ہیں۔

مثلاً صفحہ ۴۰ پر لکھتے ہیں:۔

"۱۵ سنہ ہجری میں حضرت عمر فاروق خلیفہ دوئم صحابہ کرام کے وظائف مقرر فرمائے تو حضرات حسنینؑ کو اصحابِ بدر میں شامل کرکے ان کے وظائف پانچ پانچ ہزار درہم مقرر کیے اور حضرت علیؑ کو بھی اتنا ہی وظیفہ ملا۔ ان وظائف نے گھر کی حالت کو بدل دیا جو عسرت سیدۃ النساء کی زندگی میں تھی وہ دور ہوئی۔ اب شیرِ خدا کے گھر میں خوش حالی نظر آنے لگی۔"

ہماری تحقیق تو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ شیرِ خدا کے گھر میں ہمیشہ تنگ حالی اور فقر و فاقہ ہی رہا۔ اس لیے نہیں کہ آپؑ فقیر و محتاج تھے بلکہ اس لیے کہ جو کچھ مال دنیا سے آپؑ کے پاس آجاتا تھا وہ راہِ خدا میں صرف کر دیتے تھے اپنی ذات پر خرچ نہیں کرتے تھے۔ جناب امیر علیہ السّلام کا خلافتِ ظاہری کے زمانہ میں بھی وہی حال رہا جو سیدۃ النساء کی زندگی میں تھا۔

حضرت علیؑ کو اور ان کی اولاد یعنی ائمہ معصومینؑ کو جو روپیہ ملتا تھا وہ ان کے سامانِ راحت، عیش و آرام پر صرف نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ فقراء، مساکین اور مستحقین پر

تقسیم کر دیا جاتا تھا اور یہ خود نانِ جویں پر اکتفا کرتے تھے۔ چنانچہ تاریخ الفخری میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک دفعہ فرمایا: **ولو شئت لاهتديت الی مصفی هذا العسل بلباب هذا البر** یعنی اگر میں چاہوں تو عمدہ روٹی کے ساتھ صاف شہد کھاؤں۔ اس قول کے نقل کرنے کے بعد مؤرخ مذکور کہتے ہیں کہ یہ لوگ جو زہد و تقویٰ اختیار کرتے تھے اس کا سبب ان کا فقر و فاقہ نہ تھا بلکہ مسکینوں اور فقیروں کی ہمدردی تھی اور کسرِ نفس مدِنظر تھا ورنہ ان کا ہر ایک فرد کچھ مال و دولت بھی رکھتا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؑ کی چند زمینیں تھیں جن کی کافی آمدنی وصول ہوتی تھی لیکن یہ سب آپؑ فقراء اور ضعفاء پر خرچ کر دیتے تھے اور آپؑ اور آپؑ کے اہل و عیال جَو کی روٹیوں اور موٹے کپڑوں پر قناعت کرتے تھے۔ (الفخری صفحہ ۷، مطبوعہ مصر)

(۳) صفحہ ۵۸ میں حضرت ابوذر غفاری کا ذکر کیا ہے اور لکھتے ہیں:

"حضرت عثمان کو بھی انہوں نے کھری کھری سنائی اور ایک گاؤں میں چلے گئے۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے خلیفۂ وقت سے گستاخی کی اور خود ہی خفا ہو کر اپنی خوشی سے کسی گاؤں کو چلے گئے حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے تواریخ اور کتبِ اخبار میں تو حضرت ابوذرؓ کے حالات اس طرح لکھے گئے ہیں کہ آپ مثل حضرت سلمانؓ کے رسولؐ اللہ کے عزیز ترین صحابی تھے اور رسولؐ اللہ نے آپ کے متعلق فرمایا۔" **یا اباذر انك منا اهل البيت** یعنی اے ابوذر تم ہمارے اہل بیت سے ہو۔" (عین الحیٰوۃ)

علامہ عبدالرب اور صاحبِ "اسد الغابہ فی معرفۃ صحابہ" لکھتے ہیں کہ "رسولؐ اللہ نے فرمایا" ابوذر میری امت میں زہد عیسیٰؑ ابن مریم رکھتے ہیں۔"

حضرت ابوذرؓ آنحضرتؐ کی زندگی میں اور آپؐ کے بعد بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کبھی چوکتے نہ تھے۔ جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو ان کی اور ان کے مشیرانِ خاص کی بے اعتدالیوں اور بدعنوانیوں کو دیکھ حضرت ابوذرؓ ان کو متنبہ کرنے لگے اور یہ چیز حضرت عثمانؓ کی ناراضی کا باعث ہوئی اور انہوں نے ان (ابوذر) کو امیر معاویہ کے پاس شام بھجوا دیا۔ حضرت ابوذرؓ شام میں پہنچے تو امیر معاویہ کا ظلم و تشدد صحابہ کبار کے ساتھ بدسلوکی بیت المال کی رقم کا بیجا تصرف، حکمِ خدا و رسولؐ کی مخالفت دیکھ کر بے قرار ہوگئے اور یہاں بھی پند و نصیحت کا سلسلہ شروع کیا۔ حضرت ابوذرؓ کی راست گوئی امیر معاویہ کو ناگوار گذرنے لگی اور انہوں نے حضرت عثمان کے پاس ابوذرؓ کی شکایت لکھ بھیجی۔ حضرت عثمان نے اس کا جواب یہ دیا "اما بعد فاحمل جندبا الی اغلظ مرکب و اوعرہ فوجہ بہ مع من یسیر بہ اللیل والنہار"۔

(اما بعد جندب (ابوذر) کو ایک برے اور بدرفتار اونٹ پر بٹھا کر اور ایسے شخص کے ساتھ دے کر جو اونٹ کو رات اور دن چلائے میرے پاس بھیجدے) ابوذر اسی طرح مدینہ بھیجے گئے اس وقت یہ ضعیف اور نحیف ہوگئے تھے۔ اونٹ پر محمل یا کجاوہ نہ ہونے اور تیز رفتاری کی وجہ سے ان کی رانوں کا گوشت نکل گیا۔ مورخ کے الفاظ یہ ہیں۔ "وقد سقط لحمہ فخذیہ من الجہد"۔

جب حضرت ابوذرؓ مدینہ پہنچے اور حضرت عثمان کے سامنے پیش کیے گئے تو انہوں نے کہا کہ ابوذر تم اب مدینہ میں نہیں رہ سکتے کہو تمہیں کہاں بھیج دیا جائے۔ ابوذرؓ نے کہا مکہ بھیج دو۔ حضرت عثمان نے جواب دیا نہیں اور کوئی مقام

بتاؤ۔ ابوذرؓ نے کہا بیت المقدس بھیج دو۔ حضرت عثمان نے یہ بھی منظور نہیں کیا تو حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ کسی بڑے شہر کو بھیج دو۔ خلیفہ نے اس کو نامنظور کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تم کو ربذہ بھیجوں گا اور ایسا ہی کیا۔

ربذہ ایک چھوٹا، خشک اور چٹیل قریہ تھا جہاں نہ کھیت باڑی ہوتی تھی اور نہ سبزی تھی۔ یہ ایک بدترین مقام سمجھا جاتا تھا۔ بعض مورخین لکھتے ہیں سیرہ الی الربذہ ونفاہ وقیل انہ ضربہ یعنی حضرت عثمان نے ابوذر کو ربذہ بھیج دیا اور جلاوطن کر دیا اور بروایتے زد و کوب بھی کی۔

حضرت ابوذرؓ کی جلاوطنی، تنگدستی، فقر و فاقہ کی زندگی اور غربت کی موت کی داستان بہت دردناک ہے۔

الغرض یہ حقیقی واقعات تھے حضرت ابوذرؓ کے جن کے متعلق "سیدہ کی بیٹی" کے مصنف صاحب نے ایک سطر لکھ کر ٹال دیا اور ظاہر کیا کہ حضرت ابوذرؓ از خود ایک گاؤں کو چلے گئے۔

(۴) صفحہ ۵، ۶ سے ۸ تک بعض ایسے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جو بحث طلب ہیں مثلاً "واقعۂ قرطاس۔ بوقت انتقال آنحضرتؐ کا سر مبارک حضرت عائشہ کی گود میں تھا یا حضرت علی کی۔ آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین کے حالات۔ قضیہ فدک۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؑ کے باہمی تعلقات وغیرہ۔ ہمارے خیال میں ان قضیوں کا اصل کتاب سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ان کے بیان کی ضرورت تھی اگر یہ نظر انداز کر دیے جاتے تو مناسب تھا۔ ہم ان واقعات پر جو مؤلف صاحب نے مذبذب اور مبہم طور پر بیان کر دیے ہیں روشنی ڈال سکتے تھے اور تاریخ، کتبِ حدیث و اخبار کے ذریعہ اصلی واقعات کو بے نقاب کر کے دکھا سکتے تھے لیکن اس اندیشہ سے کہ مقدمہ طویل ہو جائے گا قلم روک لیتے ہیں۔

(۵) صفحہ ۵۲ پر تحریر کرتے ہیں کہ جنابِ زینبؑ کا کوئی مرثیہ انتہائی جستجو کے بعد بھی انہیں دستیاب نہیں ہوا۔ مولانا نے اپنی اس کتاب میں بعض جگہ "طراز المذہب" کا حوالہ دیا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پوری کتاب کا مطالعہ نہیں فرمایا۔ "طراز المذہب" مطبوعہ مطبع مصطفوی بمبئی کے صفحہ ۴۰۲ پر جناب زینبؑ کا منظوم مرثیہ ہے جو سترہ اشعار کا ہے۔ صاحبِ "طراز المذہب" نے اس کا فارسی ترجمہ کر دیا ہے اور اس پر شرح بھی لکھی ہے۔ یہ مرثیہ بحار الانوار سے لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ طراز المذہب میں متعدد مقامات پر جناب زینبؑ کے متعدد اشعار درج ہیں جو آپ نے مختلف موقعوں پر بطور مرثیہ ارشاد فرمائے ہیں۔

ان چند امور متذکرہ بالا کے قطع نظر بحیثیت مجموعی مولانا رازق الخیری کی کتاب اُردو میں بہترین تصنیف ہے۔ جناب زینبؑ کے حالات زندگی بڑی شرح بسط کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور فضائل و مناقب اس خوبی سے لکھے گئے ہیں کہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ ہم نے بھی اس کتاب سے کافی استفادہ کیا ہے۔ خدا مولانا کو جزائے خیر دے کہ اُنہوں نے اس کتاب کی تصنیف سے اہلِ بیتؑ کی بڑی خدمت انجام دی۔ ہر پڑھے لکھے مسلمان کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

ہماری تالیف کی خصوصیات یہ ہیں کہ ہم نے "طراز المذہب" کو اپنا ماخذ اصلی قرار دیا ہے۔ جتنی روایات درج کی گئی ہیں تقریباً وہ سب اسی کتاب سے لی گئی ہیں۔ صاحب طراز المذہب کی تنقید اور شرح سے فائدہ اٹھایا گیا ہے جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی روایات کی صحت اور ضعف کے متعلق مزید بحث کی ہے۔ بعض مقامات پر تاریخی اشارات و کنایات کو واضح کر دیا ہے۔ ابواب کی ترتیب سلسلہ کے ساتھ کر دی ہے تاکہ جناب مظلومہ کے حالات کے مطالعہ

میں ناظرین کو سہولت ہو اور ایک تسلسل قائم رہے۔ چند واقعات دوسری کتب سے بھی لیے اور شریک کیے گیے ہیں۔ ہم صدق دل سے اقرار کرتے ہیں کہ اگر کتاب "طراز المذہب" ہمارے پاس نہ ہوتی تو ہم اپنی کتاب کی تالیف سے شائد قاصر ہی رہتے۔

ڈاکٹر زاہد علی صاحب پروفیسر عربی و وائس پرنسپل نظام کالج کے ہم بے حد متشکر ہیں کہ صاحبِ موصوف نے کتاب کا مسودہ ملاحظہ فرمایا اور مفید مشورے دیے۔

ہماری دلی آرزو ہے کہ یہ تالیف بارگاہِ زینبیہ میں قبول ہو اور ہمارے لیے زادِ آخرت کا کام دے۔

تالیفِ ھذا اگر ناظرین کے پسندِ خاطر ہو تو مؤلف کے لیے دعاءِ خیر فرمائیں۔

آخِرُ دَعوانا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَ
السَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ
الطَّاهِرِيْنَ ؕ

المرقوم ۷ رمضان المبارک ۱۳۶۴ ہجری
۱۳ اگست ۱۹۴۵ عیسوی

سید محمد حسین جعفری
جوبلی ہل
حیدرآباد دکن۔

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

باب ۱

اسمِ گرامی کُنیت و اَلقاب

اسمِ مبارک

اسمِ مبارک آپؑ کا زینبؑ ہے۔ السید نور الدین اپنی کتاب "خصائصِ زینبیہ" میں لکھتے ہیں کہ زینب کے معنی اگر فربہ یا درخت خوبصورت و خوشبودار کے لیے جاتے ہیں تو غیر مناسب نہیں۔ بعض کا قول ہے کہ زینب کے معنی مصیبت زدہ کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ زَینِ اَب" یعنی زینتِ پدر کے معنی ہیں۔ یہ سب معنی درست اور صحیح نہیں ہیں۔ لغت میں زَنب کے معنی فربہ ہونا نہیں ہیں۔ البتہ زَنِبَ کے معنی فربہ کے ہوتے ہیں لیکن زَنِبَ سے زَیْنَبُ مشتق نہیں بتایا گیا۔ اسی طرح زینب کے معنی کسی لغت میں بھی مصیبت زدہ کے نہیں پائے جاتے البتہ 'زَیْنَبْ' کے معنی خوش منظر درخت کے ہیں۔ عربی میں اسم علم میں اشتقاق کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا مثلاً 'زَیْدْ' کے معنی زیادہ ہونا کسی نے نہیں کہا۔ 'بکر' ایک اسم علم ہے یہ بَکَرَ سے نہیں نکلا

بَکَرَ کے معنی سویرے اُٹھنے کے ہیں۔ لہٰذا مختلف مؤلفین اور مصنفین نے جو معنی 'زینب' کے لیے ہیں وہ نظر انداز کرنے کے قابل ہیں۔ اس قسم کی باتیں لطیفہ گوئی میں جائز ہو سکتی ہیں۔

آپؑ کا اسم مبارک خود اللہ جلّ شانہٗ نے تجویز فرمایا۔ روایت ہے کہ جب فاطمۃ الزہراؑ اس گوہرِ بحرِ عصمت و طہارت یعنی جناب زینبؑ کے حمل سے تھیں تو آنحضرتؐ سفر میں تھے۔ جب جناب زینبؑ کی ولادت واقع ہوئی تو حضرت صدیقہ طاہرہؑ نے جناب امیر علیہ السّلام سے کہا کہ رسولؐ اللہ تشریف نہیں رکھتے ہیں اس لیے آپؑ اس صاحبزادی کا نام تجویز فرمادیں۔ جناب امیر علیہ السّلام نے جواب دیا کہ اس معاملہ میں آپ کے پدر بزرگوار پر میں سبقت کرنا نہیں چاہتا۔ صبر کیجیے کہ آنحضرتؐ سفر سے واپس آلیں اور صاحبزادی کا نام تجویز فرمائیں۔ تین روز بعد آنحضرتؐ واپس آئے اور حسب عادت پہلے جناب فاطمۃ الزہراؑ کے پاس آئے اور جناب امیر علیہ السّلام نے عرض کی کہ آپؐ کی صاحبزادی کے لڑکی تولّد ہوئی ہے اُس کا نام تجویز فرمایا جائے۔ رسولؐ اللہ نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا کہ اگرچہ فاطمہؑ کی اولاد میری اولاد ہے لیکن اس معاملہ میں خدا کے حکم کا میں منتظر رہوں گا۔ جبرئیل امین نازل ہوئے اور کہا کہ یا رسولؐ اللہ، خداوند عالم بعد تحفۂ درود و سلام کے حکم فرماتا ہے کہ آپؐ اس دختر مولود کا نام 'زینبؑ' رکھیں اِس لیے کہ لوحِ محفوظ میں اس لڑکی کا نام یہی لکھا ہے۔ اس وقت جناب رسولؐ خدا نے جناب زینبؑ کو طلب فرمایا۔ آپ کو گود میں لے کر بوسہ لیا اور فرمایا کہ اس صاحبزادی کا نام اللہ جلّ شانہٗ نے زینب رکھا ہے۔ میں سب حاضرین اور غائبین کو وصیت کرتا ہوں کہ اس لڑکی کی عزّت اور حرمت کا ہمیشہ لحاظ و خیال رکھیں کیونکہ یہ مثل خدیجۃ الکبریٰؑ کے ہے۔

صاحبِ "خصائصِ زینبیہ" تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوندِ متعال نے چند برگزیدہ حضرات کے نام خود پہلے ہی تجویز فرما دیے تھے مثلاً ارشاد ہوا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ یعنی خوش خبری دیتے ہیں ہم تجھ کو ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا نام یوں معین فرمایا کہ اِسْمُهُ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔ آنحضرتؐ کا اسمِ مبارک اس طرح ظاہر کیا گیا يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ یعنی میرے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السّلام کا اسمِ گرامی قرآن میں اس طرح لیا گیا۔ قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ۔ پھر فرمایا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا پھر ارشاد ہوا لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ

صاحبِ "بحر المصائب" روایت نقل کرتے ہیں کہ جب جناب زینبؑ کی ولادت ہوئی جناب امیر علیہ السّلام جناب فاطمہؑ کے حجرہ میں داخل ہوئے اور جناب امام حسینؑ جو اس وقت کم سن تھے آپ کے ساتھ چلے آئے اور خوش ہو کر بیساختہ عرض کیا کہ اے بابا خدا نے مجھے بہن عطا کی ہے۔ جناب امیر علیہ السّلام یہ سن کر رونے لگے۔ جناب امام حسینؑ نے سببِ گریہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اے نورِ چشم میرے رونے کی وجہ تم پر عنقریب ظاہر ہو جائے گی۔ چند روز گذرے تھے کہ جناب فاطمہؑ نے جناب امیر علیہ السّلام سے پوچھا کہ آپ لڑکی کا نام رکھنے میں کیوں تاخیر فرما رہے ہیں؟ جناب امیر علیہ السّلام نے جواب دیا کہ مجھے آنحضرتؐ کا انتظار ہے۔ آپ جب سفر سے مراجعت فرمائیں گے تو نام تجویز فرمائیں گے۔ جب آنحضرتؐ واپس تشریف لائے تو جناب زینبؑ کو آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپؐ نے انہیں گود میں لے کر بوسہ لیا اس اثنا میں جبرئیلؑ امین نازل ہوئے اور رسول اللہؐ کو بعد تحفۂ درود سلام کہا کہ اللہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے حبیب اس نومولود لڑکی کا نام زینب رکھا

جائے۔ یہ کہنے کے بعد جبرئیلؑ رونے لگے، رسول اللہؐ نے رونے کا سبب دریافت کیا تو کہا کہ یا رسول اللہ یہ صاحبزادی آغازِ زندگی سے انتہائے عمر تک اس دنیائے ناپائیدار میں رنج و بلا میں مبتلا رہے گی۔ سب سے پہلے آپ کی مصیبت پر روئے گی اور پھر ماں کا ماتم کرے گی۔ پھر باپ کی سوگوار ہوگی۔ پھر اپنے بھائی حسنؑ مجتبیٰ کو روئے گی اور ان سب کے بعد مصائبِ کربلا اور نوائبِ دشتِ بے نوا میں مبتلا ہوگی کہ جس سے اس کے بال سفید ہو جائیں گے اور کمر خمیدہ ہو جائے گی جب اہلِ بیت اطہار نے جبرئیلؑ کی یہ پیشین گوئی سُنی تو سب اندوہ ناک اور اشکبار ہوئے اور جناب امام حسینؑ کو جناب امیر علیہ السّلام کے گریہ فرمانے کی وجہ معلوم ہوگئی۔ بحر المصائب میں روایت ہے کہ جب جناب زینبؑ کی ولادت باسعادت واقع ہوئی تو جناب رسولِ خدا کو اطلاع دی گئی آپ تشریف لائے اور جناب فاطمۃ الزہرا کو فرمایا "بیٹی اپنی نومولود لڑکی کو لاؤ"۔ صاحبزادی کو حاضرِ خدمت کیا گیا تو آپؐ نے گود میں لے لیا اور اپنے سینۂ اقدس سے لگایا اور پھر اپنا رخسار صاحبزادی کے رخسار پر رکھ کر باآوازِ بلند اس طرح رونے لگے کہ آپ کے اشکہائے مبارک آپ کی ریشِ اقدس پر بہنے لگے۔ جناب فاطمۃ الزہرا یہ کیفیت ملاحظہ فرما کر بے قرار ہوگئیں اور کہا کہ اے بابا خدا آپ کی آنکھوں کو نہ رُلائے، آخر اس گریہ کی کیا وجہ ہے؟ جناب رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا "اے بیٹی فاطمہ آگاہ ہو جاؤ کہ یہ لڑکی تمہارے اور میرے بعد بلاؤں میں مبتلا ہوگی اور اس پر گوناگوں مصائب اور رنگارنگ آفات وارد ہوں گی جو اس لڑکی کی مصیبت پر روئے گا یا رُلائے گا تو اس کو وہی ثواب ملے گا جو اس کے بھائیوں حسنؑ اور حسینؑ پر رونے یا رُلانے والے کو ملے گا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے صاحبزادی کا نام "زینب" رکھا۔

روایت ہے کہ جب جناب زینبؑ کی ولادت کی خبر سلمان فارسی کو ہوئی تو یہ

خوش خوش جناب امیر علیہ السّلام کے پاس آئے اور آپ کو مبارکباد دی۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ جناب امیر علیہ السّلام بجائے مسرور ہونے کے گریہ فرمانے لگے تو بے حد متاثر اور متعجب ہوئے اور آپ کے گریہ کا سبب پوچھا جناب امیر علیہ السّلام نے حضرت سلمان کو واقعاتِ کربلا تفصیل سے بیان کیے اور اس غمناک سانحے اور واقعے میں جناب زینبؑ پر جو آفات و مصائب وارد ہوں گے کہہ دیے۔

کُنیت : آپ کی مشہور کنیت ام الحسن ہے بعض مورّخین اُم کلثوم لکھتے ہیں چنانچہ بعض خطبے اور مرثیے جو جناب ام کلثوم کی طرف منسوب ہیں وہ درحقیقت آپ کے بتاتے ہیں۔ صاحبِ "خصائصِ زینبیہ" لکھتے ہیں کہ اگر آپ کی کنیت اُمِ کلثوم ہو اور آپ کی بہن کا نام بھی ام کلثوم ہو تو یہ کوئی امرِ عجیب نہیں۔ اس لیے کہ اکثر اہلِ عرب چند بھائیوں اور بہنوں کا ایک ہی نام اور ایک ہی کنیت مقرر کرتے تھے...... چنانچہ امام حسینؑ نے اپنے ہر فرزند کا نام علی رکھا تھا اور آپس میں فرق کرنے کے لیے علی اکبر، علی اوسط، علی اصغر پکارتے تھے آپ کی کنیت امِ کلثوم ہونے کی ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ کی ایک صاحبزادی کلثوم تھیں اس لیے آپ کو اُمِ کلثوم کہا جاتا تھا۔ واقعۂ کربلا کے بعد آپ کی کنیت اُم المصائب ہوگئی اس لیے کہ آپ پر بے حد مصیبتیں گذریں۔

القاب : جناب زینبؑ کے القاب متعدد ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: عالمہ غیر معلمہ۔ فہیمہ۔ فاضلہ۔ کاملہ۔ عاقلہ۔ زاہدہ۔ عابدہ۔ شجیعہ۔ محدثہ۔ مظلومہ مرضیہ۔ نائبۃ الزہرا۔ الفصیحہ۔ البلیغہ۔ ولیۃ اللہ۔ عصمت صغریٰ۔ الراضیہ بالقدر و القضا۔ باکیہ۔

السید نور الدین نے "خصائصِ زینبیہ" میں بعض القاب کے متعلق وضاحت کی ہے کہ کیوں ان القاب سے آپ ملقب ہوئیں۔ اختصار کے ساتھ ہم چند القاب کے متعلق ان کے بیان کا خلاصہ دیتے ہیں۔

عصمت صغریٰ و معصومہ : عصمت صغریٰ کے معنی گناہوں اور خطاؤں سے محفوظ رہنے کے ہیں اور عصمت مخصوص ہے انبیاؑ و اوصیاؑ سے جو خدا کے خاص بندے ہوتے ہیں۔ عصمت کا درجۂ اعلیٰ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لیے مخصوص ہے اور آیۂ تطہیر اس کا ثبوت ہے۔ جناب زینبؑ نے چونکہ طینتِ محمدیہ و مجاہدِ نفسانیہ و ترکِ لذّاتِ حیوانیہ کی وجہ سے اعلیٰ مقام حاصل کیا تھا اس لیے عصمتِ صغریٰ و معصومہ کہی جاتی ہیں۔ خود آپ نے بعض ارشادات و احتجاجات میں اپنی عصمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ولیۃ اللہ : آپ کئی وجوہ سے اس لقب کی مستحق ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کی عبادت و بندگی خدا کثیر تھی۔ دوسرے یہ کہ بقائے دینِ مبین کے لیے آپ نے بے حساب صدمات اٹھائے۔ تیسرے یہ کہ امام حسینؑ سے جو ولی اللہ تھے آپ کو خاص محبت و الفت تھی۔ "جو حسینؑ کو دوست رکھتا ہے اس کو خدا دوست رکھتا ہے"۔

الراضیۃ بالقدر و القضا : یعنی خدا کی قدر و قضا پر راضی رہنے والی جو کچھ مصائب اور بلائیں آپ پر نازل ہوئیں انہیں آپ نے بڑے استقلال صبر و شکر کے ساتھ برداشت فرمالیا۔ آپ اس قوت و اقتدار کو جو خدا نے آپ کو عطا کیا تھا اگر استعمال فرماتیں تو پہاڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کے لیے کافی تھا مگر باوجود اس اقتدار و اختیار کے خوشنودیٔ خدا کے لیے بکمالِ کشادہ پیشانی تنہا عالمِ غربت و کلفت

میں شدائد اور مصائب کا استقبال کیا۔

عَالِمَہ غیرِ مُعلِّمہ : یعنی ایسی عالمہ جن کو کسی نے تعلیم نہیں دی۔

یعنی آپ کا علم وہبی تھا نہ کہ کسبی۔ یہ لقب آپ کو جنابِ امام زین العابدینؑ نے دیا تھا۔ امام علیہ السّلام نے جناب زینبؑ کی تسلّی اور آپ کا مرتبہ ظاہر کرنے کے لیے یہ الفاظ استعمال فرمائے تھے۔ جب جناب زینبؑ اہلِ کوفہ کو خطبہ ارشاد فرما رہی تھیں تو اس قدر متاثر ہو رہی تھیں کہ امامؑ کو خوف ہوا کہ کہیں آپ کی روح نہ پرواز کر جائے۔ اِس لیے آپ نے مؤدبانہ عرض کیا یا عمہ اُسکتی ففی الباقی من الماضی اعتبار و بحمد اللہ انت عالمۃ غیر معلمۃ فہیمۃ غیر مفھمۃ (اے پھپھی جان مناسب ہے کہ آپ خاموش ہو جائیں جو چیز گزر گئی اس سے زیادہ معتبر آنے والی چیز ہے۔ بحمد اللہ آپ تو عالمہ غیر معلّمہ اور فہیمہ غیر مفہمہ ہیں۔) جناب امیر علیہ السّلام کی خلافت کے زمانہ میں آپ کوفہ میں عورتوں کو تفسیرِ قرآن بیان فرماتی تھیں ایک روز کٓھیٰعٓصٓ کی تفسیر بیان فرما رہی تھیں جنابِ امیر علیہ السّلام تشریف لائے اور فرمایا اے نور دیدہ تمہاری تفسیر سُن کر مسرت ہوئی۔ اور پھر خود کٓھیٰعٓصٓ کی تفسیر بیان فرمائی۔ اکمال میں ہے کہ کٓھیٰعٓصٓ میں کٓ سے مراد کربلا ہے۔ ھ سے ہلاکت عترتِ رسولؐ۔ ی سے مراد یزید علیہ اللعن ہے۔ ع سے مراد عطش یعنی امام حسینؑ اور اہلِ بیتِ اطہار کی پیاس اور ص سے مراد صبرِ حسینؑ۔ کوفہ اور شام میں جنابِ زینبؑ نے جو خطبے ارشاد فرمائے اور جو احتجاجات کیے اُن سے آپ کے علم کی شان ظاہر ہوتی ہے۔

زاھدہ : اسلام میں مختلف طریقوں سے زہد کی ترغیب دی گئی ہے۔ جناب امیر علیہ السّلام نے زہد کی یہ تعریف بیان فرمائی ہے۔ الزھد فی الدنیا ثلاثۃ احرف زا، ھا و دال فاما الزا فترک الزینۃ واما

الھا فترک الھویٰ واما الدال فترک الدنیا۔ (لفظ زہد میں تین حروف ہیں۔ ز، ہ، اور د، ز سے مراد زینتِ دنیا کو ترک کرنا۔ ہ سے مراد ترکِ ہوا و ہوسِ دنیا۔ د سے مراد ترکِ دنیا ہے۔ باوجود اس کے کہ جنابِ زینبؑ کے شوہر حضرت عبد اللہ بن جعفرؑ متموّل تھے۔ جناب معصومہ کی زندگی ہمیشہ سادہ اور تکلّفاتِ دنیوی سے خالی تھی۔ مال و زر و جواہرات پر کبھی آپ کی نظر نہ پڑی اور آپ نے ان چیزوں کو ہمیشہ حقیر و ذلیل سمجھا۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا یعنی مال اور اولاد دنیا کی زینت ہیں۔ مال سے استغنار کا تو یہ حال تھا جو ابھی بیان کیا گیا ہے اولاد کے متعلق اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا تھا کہ روزِ عاشور نہایت صبر و شکر کے ساتھ دو بیٹے حجتِ خدا امام زمانؑ پر قربان کر دیے۔ اپنا ساز و سامان حتیٰ کہ مقنعہ و چادر، کانوں کے گوشوارے تک راہِ خدا میں اسلام کی حفاظت کے لیے دے دیے۔ ترکِ ہویٰ و ہوس اس طرح کیں کہ باوجود قدرت رکھنے کے رضائے الٰہی کو اپنی خواہشات پر ترجیح دی اور مصائب برداشت کیے۔ جمیع علائقِ دنیا گھر بار۔ شوہر اور اولاد کو چھوڑ کر ترکِ دنیا کا ثبوت دیا۔ المختصر ان سب واقعات سے آپ کا زہد ظاہر ہوتا ہے۔

محدّثہ و موثقہ : یہ بھی آپ کے القاب ہیں۔ آپ حافظِ اسرارِ محمدیہ و اماناتِ الٰہیہ تھیں۔ امام زین العابدینؑ جب کوئی حدیث یا خبر بیان فرماتے تھے تو اس کی سند جناب زینبؑ تک پہنچاتے تھے۔ حضرت ابن عباس باوجودیکہ خود حدیثیں بیان کرتے تھے اور مقبول القول تھے اکثر آپ سے روایتیں بیان کرتے اور کہتے تھے حدثنا عقیلہ یعنی عقیلہ (جناب زینبؑ) نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

شجیعہ : یعنی بہادر۔ شجاعت صفاتِ انبیا میں داخل ہے اور اس سے قوتِ قلب مراد ہے۔ آپ کے والدِ ماجد امیر المومنین علی علیہ السّلام کی شجاعت مشہور ہے اور یہ شجاعت پدری آپ کو ورثہ میں ملی۔ جو مصائب آپ پر گذرے اور جن شدائد کا آپ پر نزول و ہجوم ہوا اور ان کا جس شجاعت یعنی قوّتِ قلب کے ساتھ آپنے مقابلہ فرمایا اور جو ثباتِ قدمی آپ سے ظاہر ہوئی اُس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ آپ کے ارشادات اور خطبوں سے جو بحالتِ اسیری اور بیچارگی ابن زیاد جیسے سنگدل شقی اور یزید جیسے ظالم و جابر بادشاہ کی مجلسوں میں آپنے دیے آپ کی شجاعت ظاہر ہوتی ہے۔

عابدہ : یعنی کثرت سے عبادت کرنے والی۔ حضرت صدیقہؑ صغریٰ نے اپنی تمام عمر عبادت و اطاعتِ خدا میں صرف فرمائی۔ آپ کا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا۔ سونا جاگنا سب حرکات و سکنات عبادت تھے۔ اہلِ بصیرت کے لیے یہ چیز کافی ہے کہ جناب امام حسینؑ نے روزِ عاشورہ آخری رخصت کے وقت آپ سے فرمایا کہ یا اختاہ لا تنسینی فی نافلۃ اللیل (اے بہن نافلۂ شب پڑھتے وقت مجھے نہ بھولنا) عالم جلیل حاجی شیخ محمد باقر اپنی کتاب "کبریتِ احمر" میں مقاتل معتبرہ سے جناب امام زین العابدینؑ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ سفرِ شام میں باوجود ان مصائب اور زحمتوں کے جو آپ پر وارد ہوئے آپ نے کبھی نمازِ شب ترک نہیں کی۔ چونکہ آپ نے کثرتِ عبادت سے مقاماتِ غیر متناہیہ حاصل کیے اس لیے عابدہ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ آپ عبادت میں امام زین العابدینؑ کے ساتھ شریک ہیں۔ آپ کی عبادت کے متعلق صاحبِ "طراز المذہب" تحریر فرماتے ہیں کہ "قریب برتبتِ امام است" یعنی امام کی عبادت کی نشان پائی جاتی ہے۔

باکیہ : یعنی کثرت سے گریہ کرنے والی۔ یہ لقب آپ کا اس لیے ہوا کہ خوفِ خدا سے اور مصیبت حضرت سید الشہدا پر آپ ہمیشہ روتی تھیں۔ جاننا چاہیے کہ خوفِ خدا سے اور مصائبِ اہلِ بیت پر رونا بہترین عبادت ہے۔ چنانچہ حدیث ہے کہ کل عین باکیۃ یوم القیامۃ الا عین بکت من خشیۃ اللہ (قیامت کے دن سب آنکھیں روئیں گی سوائے اس آنکھ کے جو دنیا میں خوفِ خدا سے روئی ہو۔) امام حسینؑ اور اہلِ بیتؑ پر رونے کے متعلق حدیث ہے۔ من بکیٰ او ابکیٰ او تباکیٰ علی الحسینؑ وجبت لہ الجنۃ۔ (جو روئے حسینؑ پر یا رُلائے یا رونے والے کی سی شکل ہی بنائے اُس پر جنّت واجب ہے۔) خود امام حسینؑ کا ارشاد ہے ان سمعتم بغریب او شہید فاندبونی۔ (اگر تم کسی غریب یا شہید کا حال سنو تو میری مصیبت کو یاد کر کے مجھ پر گریہ کرو۔) جناب زینبؑ خوفِ خدا سے تو ہمیشہ روتی تھیں لیکن بعد شہادت امام حسینؑ آخرِ عمر تک برادرِ مظلوم و مقتول کو بھی روتی تھیں۔ (یعنی مصائبِ امام حسینؑ پر)

الفصیحۃ والبلیغۃ : یعنی فصاحت اور بلاغت رکھنے والی۔

آپ کی فصاحت اور بلاغت کا حال آپ کے ارشادات و خطبات سے ظاہر ہوتا ہے ان صفات میں آپ مثل اپنے پدر بزرگوار کے تھیں۔ جب بازار کوفہ میں آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا تو وہ سننے والے جو صاحبانِ علم و فضل تھے کہہ اُٹھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیر علیہ السّلام تقریر فرما رہے ہیں۔ رازق الخیری صاحب اپنی تالیف "سیدہؑ کی بیٹی" میں لکھتے ہیں:

"بی بی زینبؑ کو فنِ خطابت میں کمال تھا۔ ان کا بیان درد اور تاثیر میں اس قدر ڈوبا ہوا ہوتا تھا کہ سامعین کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آجاتے تھے۔ اسی لیے انہیں فصیحہ و بلیغہ کہا جاتا ہے۔ حق یہ ہے کہ قدرت نے اُن کو فصاحت اور بلاغت کا

وہ جوہر عطا کیا تھا جو بہت کم عورتوں کو ملا ہے۔۔۔۔۔ یزید کے دربار میں، حاکم کوفہ کے روبرو بازارِ کوفہ میں بی بی زینبؑ نے جو تقریریں کیں وہ بتا رہی ہیں کہ فنِ خطابت میں بی بی زینبؑ کا درجہ نہایت بلند ہے۔"

"علم و فضل اور فصاحت و بلاغت میں حضرت علیؑ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ نثر و نظم دونوں میں آپ کا رتبہ بلند تھا۔ آپ کی تقریریں انتہا درجہ کی فصیح و بلیغ ہوتی تھیں اور اتنی ہی دل نشین اور مؤثر۔ حضرت علیؑ کی اولاد میں فصاحت اور بلاغت، صبر و استقامت اور مصائب پر سکون و طمانیت کی صفات سب سے زیادہ آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؑ کو ملی تھیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شیرِ خدا کی اکثر و بیشتر صفات بی بی زینبؑ میں تھیں"۔

نائبۃ الزہراءؑ : آپ کو نائبۃ الزہرا اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ جملہ صفات و خصائص میں مثل اپنی مادرِ گرامی کے تھیں۔ صحابہ کی عورتیں آپ کی رفتار و گفتار، عادات و اطوار و اخلاق کو دیکھ کر کہتی تھیں کہ آپ ماں کی جانشین ہیں علاوہ اس کے امام حسینؑ کے ساتھ آپ کا سلوک وہی رہا جو جناب فاطمۃ الزہرا اگر زندہ ہوتیں تو کرتیں۔

باب ۲

تاریخِ ولادت و حالاتِ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا

جناب زینبؑ کے پدرِ گرامی امیر المومنین سید الوصیین امام المتقین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام ہیں اور والدۂ ماجدہ جناب فاطمۃ الزہرا بنت محمد مصطفٰیؐ خاتم الانبیاء ہیں۔

تواریخ بتاتی ہیں کہ جناب فاطمۃ الزہراؑ کے تین صاحبزادے تھے اور دو صاحبزادیاں تھیں یعنی حسنؑ۔ حسینؑ۔ محسنؑ۔ زینبؑ اور اُمِ کلثومؑ۔ حضرت محسنؑ کا حمل ساقط ہو گیا تھا۔

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ تین صاحبزادے حسنؑ۔ حسینؑ۔ محسنؑ تھے اور تین صاحبزادیاں زینبؑ۔ اُمِ کلثومؑ۔ رقیہؑ تھیں۔ حضرت محسنؑ کا حمل ساقط ہو گیا اور حضرت رقیہؑ بچپن میں انتقال کر گئیں۔

بعض اکابر علماءِ شیعہ نے لکھا ہے کہ جناب فاطمہؑ کے بطن سے صرف ایک صاحبزادی تھیں یعنی جنابِ زینبؑ اور آپ کی کنیت اُمِ کلثوم تھی۔ بعض وقت آپ کو زینب اور بعض وقت اُمِ کلثوم کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

بعض صاحبانِ اخبار کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ جناب امیر علیہ السّلام کے دو صاحبزادیاں ہوں۔ جنابِ زینب اُمِ کلثوم کبریٰ جناب فاطمۃ الزہرا کے بطن سے ہوں اور دوسری صاحبزادی اُمِ کلثوم صغریٰ کسی دوسری بی بی کے بطن سے ہوں۔

کتاب "بیت الاحزان" میں روایت ہے، کہ جناب فاطمۃ الزہرا نے اپنی وفات کے وقت جناب امیر علیہ السّلام کو جو وصیتیں فرمائیں اُن میں ایک وصیت یہ تھی کہ میرے مال سے اُمِ کلثوم کو بھی دینا۔ یہ روایت لکھ کر صاحبِ "بیت الاحزان" کہتے ہیں کہ

اس سے ظاہر ہے کہ آپ کی صرف ایک صاحبزادی تھیں اگر اور بھی ہوتیں تو ممکن نہ تھا کہ جناب فاطمۃ الزہراؑ اُن کا نام نہ لیتیں اور انہیں بھی مال سے کچھ دینے کی وصیت نہ فرماتیں۔ یہ روایت ہم کو تو کچھ غیر صحیح معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ جناب فاطمۃ الزہراؑ کے پاس مالِ دنیا سے تھا ہی کیا کہ اس کی تقسیم کے لیے آپ کو وصیت کرنے کی ضرورت پڑتی۔

سبط ابن جوزی کتاب "خواص الائمہ" میں لکھتے ہیں کہ جناب فاطمۃ الزہراؑ کے فرزندوں میں سب سے پہلے امام حسنؑ پیدا ہوئے اس کے بعد امام حسینؑ اس کے بعد جناب زینبؑ اور پھر جناب ام کلثومؑ۔

سید نعمت اللہ الجزائری اعلی اللہ مقامہ اپنی کتاب انوار النعمانیہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

اما اولادہ سبعۃ عشرون ولداً ذکراً وانثیٰ الحسن والحسین علیہما السّلام وزینب الکبریٰ و زینب الصغریٰ المکناۃ بام کلثوم امھم فاطمۃ البتول (جناب امیر علیہ السّلام کے بیٹے اور بیٹیاں ملا کر جملہ سترہ فرزند تھے جن میں سے امام حسن وحسین علیہما السّلام۔ زینب الکبریٰ اور زینب الصغریٰ جن کی کنیت ام کلثوم تھی جناب فاطمۃ الزہراؑ کے بطن سے تھے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب زینبؑ کے علاوہ ایک اور صاحبزادی تھیں جو زینب صغریٰ کہی جاتی تھیں اور کنیت اُم کلثوم تھی۔ سید نعمت اللہ الجزائری نے حضرت محسنؑ کا ذکر شاید اس لیے نہیں کیا کہ آپ کی ولادت واقع نہیں ہوئی حمل ساقط ہو گیا۔

صاحبِ "طراز المذہب" نے اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے ان کا میلان اس طرف ہے کہ جناب فاطمۃ الزہراؑ کے بطن سے صرف ایک صاحبزادی جناب زینب تھیں اور آپ کی کنیت اِم کلثوم تھی۔ جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے بعض اکابر علمائے شیعہ نے بھی یہی لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جنابِ زینبؑ کی تاریخ اور سنِ ولادت کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے بعض لکھتے ہیں کہ آپ کی ولادت رسولؐ خدا کے حینِ حیات ماہِ رمضان ۹؁ ہجری میں واقع ہوئی۔ چنانچہ صاحبِ طراز المذہب نے بھی یہی تاریخ لکھی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

صاحبِ "خصائص زینبیہ" کا قول ہے کہ پانچویں جمادی الاول ۵؁ ہجری یا ۶؁ ہجری میں مدینہ میں جناب زینبؑ پیدا ہوئیں یہ تاریخ صحیح تر ہے۔

الحاج محمد علی ساکن بمبئی نے انگریزی میں جناب زینبؑ کی ایک مختصر سیرۃ لکھی ہے اس میں انہوں نے تاریخ ولادت شعبان ۶؁ ہجری بتائی ہے۔

مولانا رازق الخیری نے اپنی کتاب "سیدہ کی بیٹی" میں اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالی ہے ان کا بیان یہ ہے :۔

" بی بی زینبؑ کی تاریخِ ولادت کے سلسلہ میں مختلف بیانات ہیں۔ مصنف بحر المصائب لکھتا ہے کہ بی بی زینبؑ پہلی یا اوائلِ شعبان ۶؁ ہجری میں پیدا ہوئی تھیں یعنی امام حسینؑ کے دو سال بعد۔ مصنف طراز المذہب کا بیان ہے کہ رمضان ۹؁ ہجری میں چند روز باقی تھے کہ بی بی زینبؑ پیدا ہوئیں .... مصنف خصائص زینبیہ کی رائے میں طراز المذہب کے مصنف کا یہ بیان محض قیاسی اور واقعات کے خلاف ہے۔ کیونکہ ۱۱؁ ہجری میں سرورِ عالمؐ نے رحلت فرمائی اور آپؐ کی رحلت کے وقت جناب سیدہؑ کے ہاں حضرت محسن کے پیدا ہونے میں چند ماہ باقی تھے اور ام کلثوم گود میں تھیں، اگر یہ مان لیا جائے کہ جناب سیدہؑ کے ہاں اور کوئی لڑکی پیدا نہیں ہوئی تھی جیسا کہ طراز المذہب کے مصنف کا خیال ہے۔ جب بھی بی بی زینبؑ کی پیدائش کا سال ۹؁ ہجری قرار دینا قطعاً غلط ہے اس لیے کہ بی بی زینبؑ رسولِ اکرمؐ کی زندگی میں خاصی ہوشیار تھیں۔ لہٰذا طراز المذہب کے

مقابلہ میں مصنف بحر المصائب کا بیان ۶ سنہ ہجری قرینِ قیاس ہے ......

اگر امام حسینؑ کا سنِ پیدائش ۳ سنہ ہجری تھا تو حضرت زینبؑ ۵ سنہ یا ۶ سنہ ہجری میں پیدا ہوئی ہوں گی بعض مورخین نے جناب سیدہؑ سے روایت نقل کی ہے کہ بی بی زینبؑ ۵ جمادی الاوّل ۵ سنہ ہجری کو پیدا ہوئی تھیں اور یہی قرینِ قیاس ہے۔

ہماری رائے میں بھی ۵ جمادی الاوّل ۵ سنہ ہجری صحیح تاریخ ہے۔ کیونکہ بعض تواریخ اور کتب اخبار میں واقعۂ کربلا کے وقت جناب امام حسینؑ کا سنِ مبارک ۵۷ سال کا اور جناب زینبؑ کا پچپن سال بتایا جاتا ہے یعنی دو سال کا فرق ظاہر کیا جاتا ہے۔

<u>شمائلِ مبارک</u> : اخبار و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا قد بلند و بالا۔ آپ کا چہرہ نورانی تھا۔ وقار و سکینہ میں مثل ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے تھیں عصمت و حیا میں مثل فاطمۃ الزہرا۔ فصاحت و بلاغت اور طرزِ تکلم میں مثل علی مرتضیٰ کے حلم و بردباری میں مثل حسنؑ مجتبیٰ کے۔ شجاعت و اطمینان قلب میں مثل حسینؑ سید الشہدا کے تھیں۔ صاحب خصائص زینبیہ لکھتے ہیں کہ آپ کشیدہ قامت تھیں۔ چہرۂ انور سے رعبِ حیدری اور جلالتِ نبوی آشکار تھے۔ اعضاء متناسبہ آپ کی بزرگی و مہابت پر دال تھے۔ آپ فضائلِ صوریہ و معنویہ کی مجموعہ تھیں۔

باب ۳

تعلیم و تربیت جناب زینب سلام اللہ علیہا

ان انوار مقدسہ اور معصومینؑ کا علم درحقیقت وہبی ہوا کرتا تھا تعلیم و تعلّم سے اس کو کوئی واسطہ نہ تھا۔ جناب زینبؑ کے علم کے متعلق بھی ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ آپ بھی علمِ لدنی کی مالک تھیں لیکن بظاہر جناب زینبؑ نے اپنے نانا رسولؐ اللہ، اپنے والد علیؑ ابن ابیطالب اور اپنی والدہ جناب فاطمۃ الزہرا سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ چونکہ لڑکیوں کی تعلیم کا زیادہ تر تعلق ماں سے ہوتا ہے۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپکی تعلیم و تربیت کی بڑی حد تک جناب فاطمۃؑ الزہرا ذمہ دار تھیں۔ رازق الخیری صاحب "سیدہ کی بیٹی" میں لکھتے ہیں" ایثار اور قربانی، فراست اور دانشمندی، استقامت اور استقلال، صداقت اور جرأت، تواضع اور مہمان نوازی، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، خلق و کرم، سادگی و پاکیزگی ان تمام صفات کا بی بی زینبؑ میں جمع ہو جانا نہ صرف اثر تھا ان کے بزرگوں کے خون کا جو اُن کی رگوں میں دوڑ رہا تھا بلکہ فیض تھا اس ماحول اور صحبت کا جس میں انہوں نے آنکھ کھولی اور بچپن گذارا۔ پھر سونے پر سہاگہ اس محترم اور مقدسہ ماں کی تربیت تھی جس نے غیروں تک کو جانوروں سے انسان، پیتل سے سونا اور پتھر سے ہیرا بنا دیا۔

آپ کی عمر چھ یا سات سال کی تھی کہ اس کم سنی میں ماں کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور جناب امیر علیہ السّلام نے جناب فاطمۃؑ الزہرا کے انتقال کے چند روز بعد حضرت امامہ سے عقد کیا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ حضرت امامہ نہیں بلکہ حضرت ام البنین سے آپنے عقد کیا۔ بہر حال جو بھی ہوں وہی بی بی حضرت علیؑ کے گھر دار اور صاحبزادوں کی نگرانی و پرورش کی ذمہ دار ہوئیں۔

صاحبانِ اخبار کہتے ہیں کہ جناب ام البنین بنت خزام، صالح، دیندار، پرہیزگار عبادت گذار، رحم دل اور سلیقہ شعار بی بی تھیں۔" انہوں نے حضرت علیؑ کے گھر میں داخل ہو کر بی بی زینبؑ کی تربیت میں انتہائی شفقت اور محبت سے حصہ لیا اور انہیں خانہ داری میں جو دلچسپی تھی اس کی حوصلہ افزائی کی۔" جناب ام البنین تربیت میں مشغول رہتیں تو جناب امیر علیہ السّلام یقیناً آپ کی تعلیم کی طرف توجہ فرماتے ہوں گے۔ جناب زینب کے ارشادات اور خطبات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مختلف علوم یعنی قرآن و تفسیر، ادب و علمِ کلام و بیان پر پوری طرح حاوی تھیں جو نتیجہ تھا جناب امیرؑ کی تعلیم کا اور آپ کی حصولِ تعلیم کی صلاحیت کا۔ رازق الخیری صاحب کہتے ہیں کہ" بی بی زینبؑ بچپن ہی میں باعتبار علم و فضل مدینہ کی تمام لڑکیوں میں قابل ترین سمجھی جاتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے گھر میں محلے اور قبیلے کی لڑکیوں کا اکثر مجمع رہتا تھا۔ جو وقت گھر کے کاموں سے بچتا وہ تعلیم میں صرف کرتی تھیں حضرت زینبؑ کا سن رشد اس قدر اعلیٰ اور بہتر اور برتر تھا کہ مورّخین کے بیان کے مطابق اس وقت قریش میں اور بنو ہاشم کی خواتین میں بھی یہاں تک کہ عبدالمطلب کی اولاد کی تمام لڑکیوں میں ایک بھی ان جیسی نہ تھی۔"

خانہ داری کے مختلف شعبوں میں جناب زینبؑ مہارتِ تامّہ رکھتی تھیں۔ ان امور کی تعلیم آپنے اپنی مادرِ گرامی سے حاصل کی۔ شادی سے قبل جب تک گھر میں رہیں گھر کا انتظام آپ کے سپرد رہا اور آپ بھائی بہنوں کے آرام و آسائش کا بیحد خیال و لحاظ رکھتی تھیں۔ شادی کے بعد جب آپ اپنے شوہر کے گھر گئیں تو خانہ داری کے فرائض کی انجام دہی میں آپ کو کوئی دقّت محسوس نہیں ہوئی بلکہ آسانی اور عمدگی کے ساتھ آپ نے گھر کا انتظام کیا مولانا رازق الخیری لکھتے ہیں:-

" ان کی سلیقہ شعاری میں یہ عادت بھی شامل تھی کہ وہ

فضول اور بیکار کوئی چیز گھر میں نہ رکھتی تھیں۔ کھانا ضرورت کے مطابق تیار کرتیں اور وقت پر تیار کرتیں۔ جب تمام مرد اور بچے یا مہمان کھانے سے فارغ ہو جاتے تب کھاتیں اور جو بچ جاتا تو اٹھا کر نہ رکھتیں بلکہ کسی بھوکے کو کھلا دیتیں۔ کفایت اور نظم ان کے تمام کاموں میں جلوہ گر ہوتا۔ ضرورت سے زیادہ کوئی چیز خرچ نہ کرتیں ..... اُن کی خانہ داری میں غریبوں، بے کسوں اور یتیموں کی مدد بھی شامل تھی جن کی امداد میں ہمیشہ فراخ حوصلگی سے کام لیتیں اپنی محترم ماں کی طرح انہیں بھی اچھے کھانوں کا شوق نہ تھا جو کچھ میسّر آتا اس پر صبر و شکر کرتیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر کے یہ الفاظ" زینبؑ بہترین گھر والی ہے"۔ بتاتے ہیں کہ سیّدہ کی بیٹی خانہ داری میں کس قدر ماہر تھیں۔"

باب ۴

جناب زینبؑ اور امام حسین علیہ السّلام کی باہمی اُلفت اور محبت کا حال

جناب زینبؑ کو بچپن سے ہی جناب امام حسینؑ سے بیحد اُنسیت اور محبت تھی۔

صاحبِ بحر المصائب لکھتے ہیں کہ جناب زینبؑ کی محبت کا یہ حال تھا کہ اپنی مادرِ گرامی کی گود میں رہتیں تو روتیں اور بے چین ہوتی تھیں اور جیسے ہی آپ کو امام حسینؑ گود میں لے لیتے خاموش ہو جاتیں اور مسلسل بھائی کے چہرۂ منور کو دیکھتی رہتیں۔ بھائی کے بغیر تھوڑی دیر بھی آپ کو چین و قرار نہ رہتا تھا۔ جناب فاطمہؑ نے ایک روز صاحبزادی کی امام حسین علیہ السّلام سے فرطِ محبت و اُلفت کا حال رسولؐ اللہ سے عرض کیا تو آپ نے ایک آہِ سرد بھری اور آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور فرمایا اے نورِ چشم یہ میری بچّی زینبؑ ہزاروں بلاؤں میں مبتلا ہو گی اور کربلا میں شدید مصائب اٹھائے گی۔

مورّخین نے لکھا ہے کہ آپ کی امام حسینؑ سے محبت و اُلفت کی یہ کیفیت تھی کہ جب آپ نماز کا قصد فرماتیں تو پہلے روئے اقدس کعبۂ مقصود قبلۂ اہل حاجات حضرت سید الشہداء کو دیکھ لیا کرتی تھیں۔ یہی دلی محبت تھی جس نے آپ کو مجبور کیا کہ گھر دار۔ آل اولاد۔ امن و راحت کو خیر باد کہیں اور اپنے عزیز بھائی کے ساتھ سفرِ پُرخطر اختیار کریں۔ روزِ عاشورا اور بعد شہادت امام حسینؑ قید و دربدری صحرا نوردی کی وہ شدید مصائب برداشت کیے جو اگر پہاڑوں پر پڑتے تو ریزہ ریزہ ہو جاتے اور پھر ان بلاؤں و مصیبتوں کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا۔ بقول صاحب طراز المذہب کسی نبی یا ولی کی ذرّیت سے کسی بی بی پر ایسے مظالم و مصائب نہیں وارد ہوئے جو جناب زینبؑ پر گذرے اور نہ کسی بی بی نے ایسے شدید مصائب واقع ہونے پر

اس طرح صبر و شکر و حلم کا مظاہرہ کیا جو آپ نے کیا۔

امام حسین علیہ السّلام بھی جناب زینبؑ کو بے حد عزیز رکھتے تھے اور آپ کی بڑی عزّت و توقیر فرمایا کرتے تھے اور ہر معاملہ میں آپ سے استمزاج اور مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ جیسی مہر و عطوفت امام حسینؑ اور جناب زینبؑ کے مابین تھی اس کی نظیر و مثال دنیا میں ملنا مشکل ہے۔

عارف فقیہہ محدّث آقا رضا قزوینی ان بھائی اور بہن کی باہمی محبت کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں کہ "روزِ عاشورا جب مظلومِ کربلا کثرتِ جراحات سے گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے اور خون آلود حالت میں آسمان کی طرف دیکھا اور استغاثہ فرمایا تو جناب زینبؑ آپ کی آوازِ استغاثہ سُن کر بے تابانہ خیمہ سے باہر نکل آئیں اور بھائی کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے سینے سے لپٹ گئیں اور بوسہ لیا۔ حضرت امام حسینؑ نے بہن کے سر کا بوسہ لیا اور بیہوش ہو گئے۔ جناب زینبؑ نے روتے ہوئے یہ کہہ کر آپ کو ہوشیار کرنا چاہا۔ انت الحسین انت اخی انت ابن امی انت نور بصری وانت مهجة قلبي وفوادي انت جماناانت رجانا انت ابن محمدؐ المصطفیٰ وانت ابن علیؑ المرتضیٰ انت ابن فاطمة الزهرا۔ (تم حسینؑ ہو تم میرے بھائی ہو۔ تم میرے ماں جائے ہو۔ تم میری آنکھوں کا نور ہو۔ تم میرے لختِ دل و جگر ہو۔ تم ہمارے حمایت کرنے والے ہو۔ تم ہماری امید ہو۔ تم محمدؐ مصطفیٰ کے فرزند ہو۔ تم علیؑ مرتضیٰ کے بیٹے ہو۔ تم فاطمۃ الزہرا کے بیٹے ہو۔) بوجہ ضعف اور غشی امام حسین علیہ السّلام جواب نہ دے سکے تو آپ شدّت سے گریہ فرمانے لگیں۔ امام حسینؑ نے بمشکل ایک آنکھ کھولی۔ بہن کو دیکھا دونوں ہاتھوں سے کچھ اشارہ فرمایا لیکن منہ سے کچھ نہ کہہ سکے۔ بھائی کا یہ حال دیکھ کر جناب زینبؑ بیہوش ہو گئیں اور قریب

تھا کہ آپ کی روح پرواز ہو جائے۔ جب ہوش آیا تو عرض کیا "اے بھائی جان آپ کو نانا رسولؐ اللہ کا واسطہ کچھ منہ سے بولیے۔ بابا علیؑ مرتضیٰ کا واسطہ زبان کھولیے۔ اماں فاطمۃ الزہرا کا واسطہ کچھ بات کیجیے۔ امامِ مظلوم نے یہ کلمات سماعت فرمائے تو کم زور اور ضعیف آواز سے فرمایا: اختی زینب کسرت قلبی و زدتنی کربا علی کربی فباللہ علیک الّا ما سکنت و سکت (اے بہن زینب تمہاری باتوں نے میرے دل کو توڑ دیا اور میرے کرب میں اضافہ کیا۔ تم کو خدا کی قسم کہ سکون اختیار کرو اور خاموش ہو جاؤ) جناب زینبؑ نے یہ سُن کر کہا "اے بھائی میں آپ پر قربان ہو جاؤں کیسے صبر و سکون اختیار کروں۔ جب دیکھ رہی ہوں کہ آپ پر سکرات الموت غالب ہے اور آپ آخری چند سانس لے رہے ہیں۔

شبِ عاشورا کا منظر بیان کرتے ہوئے جوشؔ ملیح آبادی نے جناب زینبؑ کی امام حسینؑ سے محبت کی حالت کی اپنے الفاظ میں خوب تصویر کشی کی ہے۔ کہتے ہیں:-

وہ کربلا کی رات وہ ظلمت ڈراؤنی — وہ مرگ بے پناہ کے سائے میں زندگی
وہ اہلِ حق کی تشنہ دہاں مختصر سپاہ — باطل کا وہ ہجوم کہ اللہ کی پناہ
وہ دل بجھے ہوئے وہ ہوا تھمی ہوئی — وہ ایک بہن کی بھائی پہ نظریں جمی ہوئی

باب ۵

بیانِ تزویج جناب زینبؑ و اولادِ آلِ معصومہ

عقد: جناب زینبؑ کا عقد آپ کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفرِ طیارؑ سے ہوا۔ تاریخ و سن کا پتہ نہیں ملتا کہ کس ماہ و سن میں ہوا ابن ابی الحدید "شرح نہج البلاغہ" میں لکھتے ہیں کہ اشعث بن قیس نے جو قبیلہ بنی کندہ کا سردار تھا جناب زینبؑ کے لیے جناب امیرؑ کے پاس پیغامِ عقد بھیجا۔ جناب امیرؑ کو یہ سخت ناگوار گذرا آپ نے انکار فرما دیا اور کہلا بھیجا کہ خدا کی قسم اگر تو نے دوبارہ اس قسم کا پیغام بھیجا تو تلوار سے گردن اُڑا دوں گا۔

رازق الخیری صاحب نے اپنی کتاب "سیدہ کی بیٹی" میں اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد اس پر تنقید کی ہے۔ کہتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السّلام سے ایسے سخت جواب کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ آپ نے رسولِ اکرمؐ کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی اور آپ کا خُلق آنحضرتؐ کا خُلق تھا۔ یقیناً آپ نے نرم الفاظ میں انکار فرما دیا ہوگا۔ ممکن ہے ایسا ہوا ہو لیکن علامہ ابن ابی الحدید کے قول کو ہم اس لیے غلط نہیں سمجھ سکتے کہ یہ بڑے صاحبِ تحقیق تھے ان کی معلومات کثیر اور علم محیط تھا اور یہ جناب امیر علیہ السّلام کے فضائل و مراتب سے ہم سب سے زیادہ واقف تھے ان کے علم میں اس واقعہ کا صحیح ہونا ثابت نہ ہوتا تو ہرگز ذکر نہ کرتے۔ باوجود حلم و خُلقِ نبوی رکھنے کے اگر جناب امیرؑ نے ایسا جواب دیا ہو تو تعجب کا مقام نہیں ممکن ہے کہ جناب امیرؑ کو اس کا یقین ہو کہ اشعث پھر گستاخی کرے گا اس لیے ہمیشہ کے لیے اُس کا منہ بند کرنے کے لیے ایسا جواب دیا۔

حضرت عبداللہ کی پرورش آنحضرتؐ کے زیرِ نگرانی ہوئی۔ رسولؐ اللہ آپ کو بہت چاہتے تھے۔ رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد جناب امیرؑ آپ کے کفیل تھے اور نگراں رہے یہاں تک کہ آپ سنِ بلوغ کو پہنچے۔ حضرت عبداللہ حسین و خوبصورت تھے۔ ان کے اخلاق، مہمان نوازی، غربا پروری مشہور تھی۔ مالی حالت اچھی تھی۔

جنابِ زینبؑ کا نکاح سادگی کے ساتھ ہوا۔ مسجد میں خود جناب امیرؑ نے نکاح پڑھایا۔" خاندان کی عورتوں نے دلہن کو حضرت عبداللہ کے گھر پہنچایا اور دوسرے روز حضرت عبداللہ نے دعوتِ ولیمہ کی۔" تواریخ سے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ جناب زینبؑ کا مہر کیا مقرر کیا گیا تھا۔ مولانا رازق الخیری صاحب نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ جناب زینبؑ کا مہر جناب فاطمۃؑ الزہرا کے مہر سے زیادہ ہوگا۔ اس لیے کہ حضرت عبداللہ کی مالی حالت اچھی تھی اور بروئے شرع مہر شوہر کی مالی حالت کی مناسبت سے مقرر کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ مولانا کا خیال درست ہو۔ اُن کے خیال کو رد کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی تاریخی مواد نہیں ہے لیکن ہم اتنا کہدینا ضروری سمجھتے ہیں کہ محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ ائمہ معصومینؑ اور اہلِ بیت کے معاملات کو مثل اور لوگوں کے حالات و معاملات کے مطابق سمجھنا درست نہیں۔ ان بزرگواروں نے مالِ دنیا سے کبھی خود فائدہ نہیں اُٹھایا۔ جب کبھی مالِ دنیا سے کچھ پایا تو اُس کو اپنی ضروریات پر صرف نہیں کیا بلکہ مستحقین اور قومی کاموں پر صرف کر دیا۔ تواریخ میں روایت ہے کہ زمانۂ خلافتِ ظاہری میں جناب امیر علیہ السّلام ایک دفعہ اپنی نعلین درست کر رہے تھے کہ حضرت ابن عباس آ گئے اور آپ سے کہا کہ یا علیؑ اب آپ خلیفہ ہو گئے ہیں مملکت اسلامیہ کے مالک و سردار ہیں اب تو ایسے کام نہ کریں۔ اپنا نیا لباس اور نعلین فراہم کر لیں۔ یہ سُن کر جناب امیر علیہ السّلام کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ نے جواب دیا کہ اے ابن عباس اس حکومت کو

میں اپنے نعلین سے کہیں پست تر اور ذلیل سمجھتا ہوں۔ میں نے حکومت اس لیے قبول نہیں کی کہ اس کے ذریعہ سے اپنے لیے سامانِ راحت و عیش مہیا کروں اور اپنا طرزِ زندگی بدل دوں بلکہ میں نے اس کو اس لیے قبول کیا کہ خلق اللہ کی خدمت بجا لاؤں۔ مستحقین کو ان کے حقوق پہنچا دوں۔ مظلوم کو ظالم سے نجات دلاؤں۔ دوسرا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ایک مردِ مسافر کوفہ آیا اور مسجد میں پہنچا جناب امیر علیہ السّلام وہاں تشریف رکھتے تھے۔ وہ بھوکا تھا اور آپ سے کھانے کا سوال کیا تو آپ نے وہ کیسہ جس میں آپ کی جَو کی روٹی کے سوکھے ٹکڑے رکھے تھے مسافر کے حوالے فرما دیا۔ اُس نے ہر چند کوشش کی کہ روٹی توڑے اور کھائے لیکن کامیاب نہ ہوا تو کیسہ آپ کو واپس کر دیا۔ جناب امیرؑ نے اُس کو امام حسنؑ کے مکان کی نشان دہی کی اور فرمایا کہ اگر تجھ کو تازہ اور نفیس غذا کی خواہش ہے تو وہاں جا۔ وہاں روزانہ غربار و مساکین کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ بیت الشرف امام حسنؑ پر پہنچا اور دیکھا کہ دسترخوان وسیع ہے سیکڑوں لوگ آتے اور کھانے سے فارغ ہو کر جاتے ہیں۔ اُس مردِ مسافر کو بھی دسترخوان پر بٹھا دیا گیا۔ یہ شخص ایک نوالہ خود کھاتا تھا اور ایک لقمہ جمع کرتا جاتا تھا۔ امام حسنؑ کی نظر اُس پر پڑی اور آپ نے بکمالِ شفقت اُس سے کہا کہ اے شخص تُو پیٹ بھر کر کھالے اگر تجھ کو تیرے اہل و عیال کے لیے کھانے کی ضرورت ہے تو ہم تجھے اس کی کافی مقدار ساتھ لے جانے دیں گے۔ یہ سُن کر مردِ مسافر نے کہا کہ قسم خدا کی مجھے میرے اہل و عیال کے لیے نہیں بلکہ میں یہ ایک مردِ فقیر کے لیے جمع کر رہا تھا جس کو مسجد میں میں نے دیکھا ہے اُس کے پاس سوائے سوکھی روٹی کے سخت ترین ٹکڑوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ یہ سُن کر امام حسنؑ رونے لگے اور فرمایا کہ اے مردِ غریب وہ فقیر نہیں ہیں بلکہ تیرے مولا اور آقا امیر المومنین خلیفۃ المسلمین علی ابن ابیطالب

اس گھر کے مالک ہیں۔ جناب امیر علیہ السّلام ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ "اے چاندی اور اے سونے تُو میرے سوا کسی اور کو دھوکہ دے"۔ ان واقعات کے ذکر سے ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مالی حالت کی بہتری یا ابتری کا ان بزرگواروں، ان مقدس ہستیوں کی زندگیوں پر کچھ اثر نہ پڑتا تھا۔ اس لیے یہ گمان کرنا کہ محض مالی حالت بہتر ہونے کی وجہ سے جناب زینبؑ کا مہر جناب فاطمۃ الزہراؑ کے مہر سے زیادہ مقرّر کیا گیا ہوگا صحیح نہیں ہو سکتا۔

جناب زینبؑ کو جہیز کیا دیا گیا اس کی تفصیل بھی کتب تواریخ میں نہیں ملتی۔ رازق الخیری صاحب نے اس بارے میں بھی وہی خیال ظاہر کیا ہے جو مہر کے متعلق کیا۔ لکھتے ہیں:۔

"البتّہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے دستور کے مطابق انھوں نے اس سے ضرور زیادہ دیا ہوگا جو جناب سیّدہ کو رسولؐ اللہ سے جہیز میں ملا تھا۔ اس وجہ سے کہ رسولؐ اللہ نے سیر ہو کر کبھی ایک وقت بھی طعام تناول نہیں فرمایا اور حضرت زینبؑ کی شادی کے دنوں میں حضرت علیؑ کی مالی حالت اچھی تھی۔ حضرت علیؑ مرتضیٰ نے جو جہیز بی بی زینبؑ کو دیا ہوگا۔ یعنی گھڑے اور رکابیاں چھاگل، مشکیزہ، تخت، چمڑے کے تکیے، چکّی، بستر اور سادے کپڑے"۔

بقول رازق الخیری صاحب اگر رسولؐ اللہ نے ایک وقت بھی سیر ہو کر طعام تناول نہیں فرمایا تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ مرتضیٰ نے کب ایسا کیا۔ تواریخ بتاتی ہیں کہ آپ پر اور آپ کے اہلِ بیتؑ پر کئی کئی دن فاقے گذر جاتے تھے اور خلافت کے زمانہ میں بھی آپ کی غذا جو کی روٹی کے سوکھے ٹکڑے ہوتے تھے۔

سورۂ ھل اتیٰ میں جو آیت ہے وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔ (اور وہ کھلاتے ہیں اُس کی (اللہ کی) محبّت میں مسکین،

یتیم اور قیدی کو) یہ آیت کب، کیوں اور کس کی شان میں نازل ہوئی۔ اس پر مسلمان مفسّرین نے کافی روشنی ڈالی ہے۔ یقیناً مومنین اور اکثر مسلمین واقف ہیں۔ جناب امیرؑ، جناب فاطمۃ الزہراؑ، حضرات حسنین علیہم السّلام پر تین دن فاقے گذر جانے کے بعد یہ آیت ان بزرگواروں کی شان میں نازل ہوئی۔ کیا اس سے ثابت اور ظاہر نہیں ہوتا کہ مثل آنحضرتؐ کے ان بزرگواروں پر بھی فاقے گذرتے تھے۔ جناب امیرؑ خود بھوکے رہ کر بھوکوں کو سیر فرمایا کرتے تھے۔ میر انیس اعلی اللہ مقامہٗ اپنی مناجات میں فرماتے ہیں:۔

خود کیے فاقے کیا بھوکوں کو سیر　　　میرے مطلب میں شہا کیوں اتنی دیر

ایسی صورت میں یہ فرض کر لینا کہ مالی حالت بہتر ہونے کی وجہ سے مہر زیادہ مقرّر کیا گیا اور جہیز بھی بہ نسبت جناب فاطمۃ الزہراؑ کے بہتر دیا گیا ہوگا مناسب نہیں۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ جناب امیر علیہ السّلام نے ان اُمور میں ضرور آنحضرتؐ کی تاسّی کی ہوگی اور حضرت عبداللہ نے بھی اس کو پسند کیا ہوگا۔

اولاد: جناب زینبؑ کے پانچ فرزند تھے۔ چار صاحبزادے علی، عون، محمّد اور عبّاس اور ایک صاحبزادی اُمِ کلثوم۔

ابن قتیبہ کتاب "المعارف" میں لکھتے ہیں کہ جعفر ابن عبداللہ جن کی کنیت عبداللہ تھی جناب زینبؑ کے بطن سے تھے لیکن سبط ابن جوزی اور بعض دوسرے مورّخین اُن کی والدہ کا نام اُم عمر بنت خراش بتاتے ہیں۔

بعض مورّخین کہتے ہیں کہ جناب زینبؑ کی کوئی لڑکی نہ تھی لیکن یہ قول معتبر نہیں۔ بعض صاحبان اخبار نے لکھا ہے کہ جناب ام کلثوم صاحبزادی جناب زینبؑ کے لیے امیر معاویہ نے یزید کا پیغامِ نکاح بھیجا تھا۔ امام حسینؑ نے جو بزرگِ خاندان تھے انکار کر دیا اور جناب اِم کلثوم کا عقد قاسم بن محمّد بن جعفر سے کر دیا۔

مقاتل میں ہے کہ یوم عاشورا جناب زینبؑ کے دو صاحبزادے شہید ہوئے یعنی حضرت عون اور حضرت محمدؑ۔ ناسخ التواریخ میں ہے کہ روز عاشورا جناب زینبؑ کے دو صاحبزادے یکے بعد دیگر شہید ہوئے۔ حضرت محمدؑ بن عبداللہ اور حضرت عون بن عبداللہ۔ لکھا ہے کہ حضرت محمدؑ بن عبداللہ کی شہادت کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی حضرت عون میدانِ جنگ میں تشریف لائے ان کا سن نو یا دس سال کا تھا رجز پڑھنے کے بعد لڑنا شروع کیا اور آٹھ اشقیا کو قتل کرنے کے بعد زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے اور عبداللہ بن لطۃ الطائی نے آپ کو شہید کیا۔

سید نعمت اللہ الجزائری 'انوار النعمانیہ' میں لکھتے ہیں :۔

واما زینبؑ الکبریٰ بنت فاطمۃ البتول علیہما السلام فزوجہا عبد اللہ بن جعفر بن ابیطالب وولد لہٗ منہا علی جعفر وعون الاکبر و اُم کلثوم (جناب زینبؑ الکبریٰ بنت جناب فاطمۃ البتول علیہا السلام کی شادی حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؑ سے ہوئی اور اُن کے بطن سے علی، جعفر اور عون الاکبر اور اُمّ کلثوم پیدا ہوئے۔

حضرت محمدؑ کا نام نہیں ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اسی کتاب میں نعمت اللہ الجزائری نے فہرست شہدائے کربلا جو دی ہے اس میں محمدؑ و عون فرزندان عبداللہ بن جعفر کے نام دیے ہیں۔ لکھتے ہیں" ومحمد وعون ابنان عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب" ممکن ہے کہ پہلی عبارت میں کاتب کی سہو نظری سے حضرت محمدؑ کا نام چھوٹ گیا ہو۔ حضرت عون کے نام کے قبل محمد لکھنا بھول گیا ہو اور مصحح کی نظر اس پر نہ پڑی ہو۔

سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ جب امام حسینؑ عراق کی طرف روانہ

ہوئے اور منزلِ تنعیم پر پہنچے تو حضرت عبداللہ بن جعفر نے اپنے دو صاحبزادوں حضرت محمدؑ اور حضرت عون کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا اور خط بھیجا جس میں یہ لکھا :۔

" اما بعد میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ یہ خط دیکھتے ہی مدینہ واپس ہو جائیں اس لیے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ جہاں جا رہے ہیں وہاں ہلاک ہو جائیں گے اور آپ کے اہلِ بیت مبتلائے آلام ہوں گے۔ اگر آپ کی ہلاکت واقع ہو تو دنیا سے نورِ خدا مٹ جائے گا۔ آپ علمِ ہدایت اور مومنین کی امید ہیں پس چلنے میں تیزی اور عجلت نہ فرمائیے اور میں بھی انشاءاللہ جلد حاضرِ خدمت ہوں گا۔"

بعض مورخین کہتے ہیں کہ یہ خط حضرت عبداللہ نے اپنے صاحبزادوں کے ذریعہ نہیں بھیجا بلکہ کسی قاصد کے ذریعہ روانہ کیا اور بعد خود عمر ابن سعید والیٔ مدینہ کا خط اور امان نامہ لے کر امام علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدینہ واپس چلنے کے لیے اصرار کیا۔ جب امامؑ نے خدا اور اپنے نانا رسولؐ اللہ سے عہد و میثاق کا ذکر فرمایا تو عاجز اور مجبور ہو کر اپنے دو صاحبزادوں حضرت محمدؑ اور حضرت عون کو امام علیہ السّلام کی خدمت میں چھوڑ کر خود مدینہ واپس ہوئے۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ اس وقت کسی مرض کی وجہ سے معذور ہو گئے تھے لڑنے کے قابل نہ تھے اس لیے صاحبزادوں کو اپنے عوض امام علیہ السّلام پر فدا ہونے کے لیے چھوڑ دیا۔

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ نے آپ کو مدینہ واپس کیا تاکہ وہاں ما بقی اہلِ بیت اور بنی ہاشم کی نگرانی اور حفاظت فرمائیں۔ ہمارے خیال میں حضرت عبداللہ کی واپسی کی یہی وجہ معقول معلوم ہوتی ہے اور ہمارے اس خیال کی تائید صاحبِ "خصائص زینبیہ" کے اس بیان سے ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ بلحاظ

مقام و درجہ حضرت عبداللہ معمولی آدمی نہ تھے۔ امامؑ کے حقوق کے عارف تھے اس کے علاوہ امام حسینؑ کو اُن سے اور اُن کو امامؑ سے بیحد محبت و اُنسیت تھی اس لیے امامؑ کا عمداً ساتھ چھوڑ دینا اُن کے لیے ناممکن تھا۔ یقیناً امام حسینؑ نے بنی ہاشم کی حفاظت کی غرض سے انہیں مدینہ واپس کیا ہوگا۔۔۔۔ جیسا کہ جنگ تبوک کے وقت آنحضرت نے حضرت علیؑ مرتضیٰ کو مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔ یہ بات کسی طرح قیاس میں نہیں آتی کہ جو شخص اپنے دو صاحبزادوں کو قربان کرنے پر راضی ہو اپنی جان سے دریغ کرے۔ عقلِ سلیم کہتی ہے کہ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔

روایت ہے کہ جب حضرت عبداللہ کو امام حسینؑ اور آپ کے صاحبزادوں کی شہادت کی اطلاع ہوئی تو آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون فرمایا۔ آپ کا ایک غلام تھا جس کی کنیت ابوالسلاسل تھی اُس نے آقا زادوں کی شہادت کی خبر سُن کر کہا کہ یہ مصیبت ہم پر حسینؑ ابن علیؑ کی وجہ سے پڑی۔ یہ سُن کر حضرت عبداللہ برہم ہوئے اور جوتے سے اُس کے منہ اور سر کو پیٹا اور کہا اے ولد الزنا حسینؑ کے متعلق تو ایسا کہتا ہے۔ خدا کی قسم اگر میں اُن کے ساتھ ہوتا تو اپنی جان اُن پر فدا کرتا۔ ہائے میں نے اپنی جان اُن پر کیوں نہ قربان کی بچے، میرے بھائی، میرے ابن عم اُن کے ساتھ شہید ہو گئے۔ حضرت عبداللہ کے اِن کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کس قدر طالبِ شہادت تھے لیکن کسی سخت مجبوری کی وجہ سے مدینہ واپس ہوئے تھے۔

ابن اثیر نے تاریخِ کامل میں اور ابن صباغ نے الفصول المہمہ میں شہداء کربلا کے ناموں کی فہرست میں حضرت محمد اور حضرت عون کا ذکر کیا ہے لیکن کہتے ہیں "یہ حضرت زینبؑ کے صاحبزادے نہ تھے بلکہ حضرت عبداللہ کی دوسری بیبیوں کے بطن سے تھے"۔ ہمارے خیال میں یہ خبر صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اس لیے کہ جناب زینبؑ کو امام حسینؑ سے اس قدر محبت تھی کہ آپ کبھی گوارا نہ فرماتیں کہ روزِ عاشورا اپنی اولاد کو

آپ پر فدا نہ کریں۔ خصوصاً جب کہ دوسری بیبیاں قربانی دے رہی تھیں۔ یقیناً حضرت محمد اور حضرت عون جناب معصومہ کے ہی صاحبزادے تھے۔

صاحبِ "عمدۃ المطالب" نے لکھا ہے کہ روزِ عاشورا جناب زینبؑ کے دو صاحبزادے شہید ہوئے لیکن نام نہیں بتائے۔

کتاب "اعلام الوریٰ" میں ہے کہ یوم عاشورا حضرت عبداللہ کے دو فرزند شہید ہوئے لیکن یہ نہیں بتایا کہ کس کے بطن سے تھے۔

ابوالفرج اصفہانی کتاب 'اغانی' میں لکھتے ہیں کہ روزِ عاشورا حضرت عبداللہ کے دو فرزند شہید ہوئے ایک عون بن عبداللہ جو جناب زینبؑ کے بطن سے تھے دوسرے محمد بن عبداللہ جن کی والدہ خوصا بنت حفصہ بنت ثقیف تھیں۔

'ناسخ التواریخ' میں ہے کہ روزِ عاشورا جب جناب جعفر طیار کی اولاد کی باری جہاد کی آئی تو سب سے پہلے حضرت محمد بن عبداللہ بن جعفرؑ، جناب زینبؑ کے صاحبزادے میدانِ جنگ میں آئے اور جنگ شروع کی اس طرح کہ خود کو لشکرِ اعدا پر ڈال دیا اور دس اشقیا کو واصلِ جہنم کیا۔ زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑے اور آپ کو عاد بن نہشل تیمی علیہ اللعن نے شہید کیا۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت عون بن عبداللہ شہید ہوئے اور یہ بھی جناب زینبؑ کے بطن سے تھے۔

مقتل ابی مخنف میں جناب زینبؑ کے صرف ایک صاحبزادے حضرت عون کی شہادت کا ذکر ہے۔

بعض صاحبانِ اخبار نے لکھا ہے کہ یوم عاشورا جناب زینبؑ کے تین صاحبزادے شہید ہوئے۔

مولانا سید اولاد حیدر فوق بلگرامی 'ذبح عظیم' میں تحریر فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن جعفر طیار کی شہادت کے بعد حضرت عون ابن عبداللہ ابن جعفر میدانِ کارزار

میں آئے اور رجز پڑھنے کے بعد جنگ شروع کی، تین سوار اور آٹھ پیادوں کو قتل کیا اور عبداللہ ابن لبطۃ الطائی کے ہاتھ شہید ہوئے۔

المختصر کتبِ سیر و مقاتل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام طور پر تو یہی مشہور ہے کہ روزِ عاشورا جناب زینبؑ کے دو صاحبزادے حضرت محمّد اور حضرت عون شہید ہوئے ذاکرین مجالس میں بھی یہی بیان کرتے ہیں اور مرثیوں اور نوحوں میں بھی یہی ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں صاحبزادے کم سن تھے ان کی عمریں دس اور نو سال کی تھیں۔

مولانا رازق الخیری نے اپنی کتاب "سیّدہؑ کی بیٹی" میں صاحبزادوں کی عمر کے متعلّق تفصیلی بیان دیا ہے جو قابلِ ذکر اور لائقِ غور ہے۔ تحریر فرماتے ہیں :-

" بی بی زینبؑ کے کون کون سے بچّے کس کس سَن میں پیدا ہوئے باوجود انتہائی تلاش اور کوشش اور تاریخ کی ورق گردانی کے پتہ نہ چل سکا۔ بی بی کی شادی اگر سنہ ۱۷ ہجری میں ہوئی تھی تو سنہ ۶۱ ہجری میں جب ان کی عمر ۵۶ سال تھی، ان کے بچّے عون و محمّد کربلا کے میدان میں شہید ہوئے تھے، اُن بچّوں کی عمریں بعض مورّخین ۱۱ اور ۱۲ بعض ۹ اور ۱۰ اور بعض ۷ اور ۸ سال بیان کرتے ہیں لیکن پچاس کے لگ بھگ عورت کی وہ عمر ہے جب بچّوں کی پیدائش بالعموم بند ہو جاتی ہے پھر اگر ان بچّوں کی پیدائش سنہ ۵۳ اور سنہ ۵۵ھ تسلیم کی جائے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ سنہ ۱۷ ہجری سنہ ۵۳ھ تک ۳۶ سال میں صرف تین بچّے ہوئے اور ادھر جب بی بی زینبؑ کی عمر ۴۸ یا ۵۰ تھی۔ اوپر تلے دو بچّے ڈیڑھ دو سال کے فرق سے پیدا ہوئے لیکن ننھّے ننھّے بچّے ماموں

کی کیا مدد کر سکتے تھے جو اِن کے باپ عبداللہ بن جعفر نے تیغم کے مقام پر اُنہیں بھیجا۔ اگر بی بی زینبؑ ان بچّوں کو مدینہ سے مکّہ اپنے ساتھ لے جاتیں تو بھی عون و محمّد کی عمریں ۷ اور ۸ تسلیم کی جا سکتی تھیں اس وجہ سے کہ چھوٹے بچّے ماں کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ عون و محمّد جو میدانِ کربلا میں شہید ہوئے ناسمجھ نہ تھے ہوشیار ہو گئے تھے۔"

مولانا رازق الخیری نے یہ فرض کیا ہے کہ جناب زینبؑ کی شادی سنہ ۱۷ ہجری میں ہوئی۔ ہم کو اس سے اتفاق کرنے میں تامّل ہے۔ اگر جناب زینبؑ کی تاریخِ ولادت سنہ ۵ ہجری صحیح ہو تو سنہ ۱۷ ہجری میں آپ کی عمر ۱۲ سال کی ہوتی ہے۔ اگرچہ عرب میں کم سنی کی شادی کا رواج تھا اور اس سن میں اکثر لڑکیوں کی شادیاں ہو جاتی تھیں لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ جناب امیر علیہ السّلام نے اس رواج کی پابندی کی ہو گی۔ اور جناب زینبؑ کی شادی اس عمر میں کر دی ہو گی یہ ہمارا خیال ہے۔ ممکن ہے کہ ایسا ہوا بھی ہو۔

اکثر معتبر مورّخین اور صاحبانِ اخبار نے جناب زینبؑ کی تاریخِ ولادت سنہ ۵ ہجری بتائی ہے جو صحیح بھی معلوم ہوتی ہے تو بوقت واقعۂ کربلا آپ کی عمر ۵۶ برس کی تھی۔ اب اگر آپ کے دو صاحبزادوں کی عمریں بوقتِ شہادت نو اور دس سال قرار دی جائیں تو ایک صاحبزادے کی ولادت سنہ ۴۹ ہجری میں اور دوسرے کی سنہ ۵۰ ہجری میں ہوئی اور اس وقت جناب زینبؑ کا سنِ مبارک ۴۴ اور ۴۵ سال ہوتا ہے اور یہ عمر ایسی ہے کہ اس وقت تک توالد کا سلسلہ جاری رہتا ہے اس سن میں بچّے ہونا ناممکن بات نہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ حضرت عبداللہ نے

اس قدر کم سن بچوں کے ذریعہ امام حسینؑ کے پاس کیوں خط روانہ فرمایا خود
آپ کیوں ساتھ نہ لائے اور پھر امام حسینؑ کی خدمت میں چھوڑ کر چلے گئے تو اگر
آپ نے ایسا کیا ہو تو کوئی تعجب کا مقام نہیں۔ محمدؐ اور علیؑ کے بچوں کو عام بچوں
کے مثل سمجھنا ہمارے خیال میں کمیٔ ایمان و عرفان کی علامت ہے۔ اس گھرانے کے
بچے اور بڑے صفات و کمالات میں سب یکساں ہوتے تھے یہاں چھوٹے بڑے
کا فرق نہ تھا۔ صغاراً کباراً پہلے ہی کہہ دیا گیا تھا۔ تواریخ میں ہے کہ جب
امام حسینؑ نے حضرت مسلمؑ کو کوفہ روانہ کیا تھا تو آپ اپنے دو کم سن صاحبزادوں کو
ہمراہ لے گئے جو دونوں باپ کی شہادت کے بعد شہید ہو گئے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ
نے بھی اپنے دو کم سن نو اور دس سال کے صاحبزادوں کو چھوڑ دیا ہوگا اور کیا تعجب کہ
خود جناب زینبؑ نے باصرار تمام صاحبزادوں کو اپنے ساتھ رکھ لیا ہو تاکہ مصیبت کے
وقت اپنے عزیز بھائی پر قربان کریں۔ بہرحال ہمارے خیال میں بوقت شہادت صاحبزادوں
کی عمریں نو اور دس ہو سکتی ہیں اور یہ صحیح مانا جاسکتا ہے۔

باب ۶

بیانِ پارۂ فضائل و مراتب جنابِ زینب سلام اللہ علیہا

صاحب طراز المذہب تحریر فرماتے ہیں کہ شؤناتِ باطنیہ اور مقاماتِ
معنویہ جناب صدیقۂ صغریٰ نائبۂ زہراؑ۔ امینۂ خدا جناب زینب سلام اللہ علیہا کی
یہ کیفیت ہے کہ ان کا احاطہ تقریر اور تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ آپ کے فضائل کا
حصا کرنے کے لیے لکھنے والوں کے قلم عاجز ہیں۔

مورخین اور صاحبانِ اخبار لکھتے ہیں کہ آپ فضائل و فواضل،
خصائل و جلال، علم و عمل، عصمت و عفت، نور و ضیا، شرف و بہا میں اپنی
مادر گرامی جناب صدیقۂ کبریٰ جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے مانند تھیں اور
ان صفات میں آپ کی ہر طرح وارث اور جانشین تھیں۔

روایات ہیں کہ آنحضرتؐ نے جناب زینبؑ کے متعلق بطورِ خاص وصیت
فرمائی اور آپ کو جنابِ خدیجۃ الکبریٰ سے تشبیہ دی۔ ان دو امور سے آپ کی فضیلت ظاہر
ہوتی ہے۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ "خدا نے چار عورتوں کو برگزیدہ کیا ہے۔ مریمؑ بنت
عمران، آسیہ بنت مزاحم، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہؑ بنت محمدؐ۔ حضرت
خدیجہؑ نے قیامِ دین کے لیے اپنا مال و متاع صرف کر دیا۔ جناب زینبؑ نے بقائے
دین کے لیے اپنا تمام مال و اسباب یہاں تک کہ مقنع و چادر، دولت اولاد لٹا دیں۔
حضرت خدیجہؑ رسول اللہؐ کی مونس و مددگار تھیں تو جناب زینبؑ نے بھی اپنے مظلوم
بھائی کا ہر امتحان و بلا میں ساتھ دیا اور آپ کی خدمت گذاری سے نازک ترین

وقت میں بھی دریغ نہیں کیا۔

آپ کے جلالتِ مقام، قوّتِ نفس، صدق ایمان، حلم و علم، مراتب و فہم کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امامِ زمان جناب علیؑ ابن الحسینؑ زین العابدین علیہ السّلام نے آپ کو عالمۂ غیر معلّمہ، فہیمۂ غیر مفہمہ، عارفہ، زاہدہ اور کاملہ وغیرہ کے القاب سے خطاب فرمایا۔

علم و فضل: وہ معظمہ جس نے رسول اللہؐ کے زیرِ سایہ اور فاطمۃ الزہراؑ کی آغوش میں پرورش پائی ہو اور جناب امیرؑ جیسے باپ کے زیرِ تعلیم رہی ہوں ان کے علم و فضل کا کیا پوچھنا۔ رازق الخیری صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"جس کا باپ شہرِ علم کا دروازہ تھا، جس کی ماں مسجدِ نبوی میں وعظ کہتی تھیں اور جس کی علمی قابلیت کا سکّہ تمام عرب میں بیٹھا ہوا تھا . . . . . . مدینہ اور کوفہ میں خواتین کا بی بی زینبؑ کی زبانی قرآن مجید کے رموز و نکات سُن کر زار و قطار رونا علم و فضل میں ان کا درجہ بہت بلند ظاہر کر رہا ہے۔"

پھر ایک جگہ کہتے ہیں:۔

"۳۷ھ ہجری میں جب حضرت علیؑ کوفہ تشریف لائے تو اُن کے ہمراہ بی بی زینبؑ اور اُن کے شوہر بھی آ گئے۔ کوفہ پہنچ کر بی بی زینبؑ نے درس و وعظ کی مجلس روزانہ منعقد کی اور بعد نماز ظہر قرآنی احکام و ارشاداتِ نبوی کی تفسیر و تشریح سے خواتین کو مستفید فرمایا۔ بی بی زینبؑ کی فصاحت اور شیریں بیانی کا ڈنکا مدینہ میں بج رہا تھا۔ کوفہ میں بہت سی خواتین ان کی مشتاق تھیں۔ یہاں پہنچیں اور روزانہ

مجلس وعظ منعقد کی تو خواتینِ کوفہ پروانہ وار گریں۔ ہر مجلس میں کثیر تعداد میں خواتین شریک ہوتیں اور بی بی کا بیان جو تاثیر اور درد سے لبریز ہوتا پوری توجہ سے سُنتیں اور اُن کے دلوں پر ان مواعظ اور ارشادات کا گہرا اثر پڑتا۔"

زمانۂ دراز تک شیعانِ اہلِ بیت جناب زینبؑ کے احکام و اسرار نقل کرتے تھے اور آپ سے روایات بیان کرتے تھے۔ آپ کے خطبات و ارشادات کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بڑی عاملہ، فاضلہ، محدّثہ اور فصاحت و بلاغت کی مالک تھیں اور ان امور میں اپنے پدر بزرگوار جناب امیر علیہ السّلام کی حقیقی وارث تھیں۔

فاضل دربندی اعلی اللہ مقامہٗ کتاب "اسرار الشہادۃ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ جناب زینبؑ کے اس خطبے کو جو آپ نے یزید عنید کی مجلس میں ارشاد فرمایا اور اس میں جو احتجاجات پیش کیے اگر کوئی بغور پڑھے اور سمجھے تو اُس کو معلوم ہو گا کہ آپ کا علم محض اکتسابی نہیں تھا بلکہ وہبی تھا۔

شیخ صدوق علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ جناب زینبؑ امام حسینؑ کی جانب سے مخبرہ موثّقہ تھیں جیسے جناب امام محمد تقی علیہ السّلام کی جانب سے جناب حکیمہؑ تھیں۔

"بحار الانوار" اور "اکمال الدین" بن احمد بن ابراہیم سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے جناب حکیمہؑ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کو وصیت کر جائے تو کس کی اقتدار کی جائے تو جناب حکیمہؑ نے فرمایا کہ اس بارے میں ہمارے لیے امام حسینؑ نظیر چھوڑ گئے ہیں۔ قبل شہادت آپ نے جناب زینبؑ کو وصایا فرمائے اور آپ کی شہادت کے بعد جناب زینبؑ حدیثیں بیان فرماتی تھیں تاکہ امام زین العابدینؑ کو دشمن نقصان نہ پہنچائیں اور اس طرح آپ امامِ [illegible] نیابت فرماتی تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب زینبؑ از روئے مقام و منزلت نیابتِ امامت تھیں

اور اس سے آپ کا علوِ مقام ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ جناب امام زین العابدین علیہ السّلام نے آپ کو عالمۂ غیر معلّمہ کہا یعنی ایسی عالمہ جس نے کسی سے تعلیم نہ پائی ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ مثل رسولؐ اور امامؑ کے آپ کا علم بلا واسطہ من جانب اللہ تھا کسی سے آپ نے کسبِ علم و کمال نہیں کیا۔ دوسرے الفاظ میں آپ کا علم وہبی تھا۔ معلوم ہونا چاہیے کہ ہر نفس و روح میں صلاحیت نہیں ہوتی کہ مبداءِ فیض سے راست علم و کمال حاصل کرے بلکہ یہ بات نفوسِ قدسیہ اور ارواحِ نورانیہ کے لیے مخصوص ہوتی ہے پس جناب علی مرتضیٰؑ اور جناب فاطمۃ الزہراؑ کی صاحبزادی جناب زینبؑ الکبریٰ نفس قدسیہ اور روحِ نورانیہ رکھتی تھیں اور علم و فضل، مراتب و درجاتِ عالیہ میں اپنے پدرِ بزرگوار اور مادرِ گرامی کی وارث و جانشین تھیں۔ آپ شعر بھی کہتی تھیں چنانچہ کتب مقاتل میں آپ کے اشعار ہیں جو آپ نے بطور نوحہ ارشاد فرمائے ہیں۔ صاحب "طراز المذہب" نے آپ کا ایک طویل مرثیہ لکھا ہے۔ اس کا ترجمہ کر کے شرح لکھی ہے۔

جناب امام محمد باقر علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ ہم آلِ محمدؐ کو علم و کشف خدا سے عطا ہوا اللہ عزّ و جل نے اپنے نبی محمد مصطفیٰؐ کو علم عطا فرمایا اور آنحضرتؐ نے اپنے مرض الموت کے زمانہ میں حضرت علی علیہ السّلام کو طلب فرمایا اور جب آپ حاضرِ خدمت ہوئے تو فرمایا یا علیؑ میرے قریب آؤ تاکہ میں تم کو اُن اسرار سے مطلع کروں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے تعلیم فرما دیے ہیں اور وہ علوم و اسرار تم کو سپرد کر دوں جو اللہ نے میرے سپرد کیے ہیں اور رسولُ اللہ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت علیؑ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو وہ اسرار و علوم تعلیم فرمائے۔ امام حسینؑ نے میرے والد امام زین العابدینؑ کو تعلیم فرمائے اور انہوں نے مجھے تعلیم فرمائے۔

عبادت زہد و تقویٰ :

جناب زینبؑ کا ایک لقب زاہدہ اور ایک عابدہ بھی ہے جن کی بوجہ کثرتِ زہد و عبادت آپ مستحق ہوئیں۔ آپ کے زہد و اتقا کے متعلق کتاب "سیدہ کی بیٹی" میں مولانا رازق الخیری لکھتے ہیں:

"زینبؑ کبریٰ کا زہد و اتقا اس درجہ کا تھا کہ بہت کم عورتوں کو نصیب ہوا ہوگا۔ دنیا کی زینتوں، دنیا کی لذتوں، دنیا کے ساز و سامان سے انہیں دلچسپی نہ تھی۔ دنیاوی خوشحالی، دنیاوی عشرت اور دنیاوی راحت پر وہ ہمیشہ ابدی راحت کو ترجیح دیتی تھیں .... اُن کا قول تھا کہ دنیا کی زندگی بالکل ایسی ہے جیسے کوئی مسافر چند لمحوں کے لیے تکان دور کرنے کے واسطے آسائش کی جگہ ٹھہر جائے۔ بی بی زینبؑ کا تقویٰ اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ کسی مشتبہ چیز کو احتیاط کی بنا پر استعمال نہیں کیا۔ خدا کی رضامندی کے حصول میں کوشاں رہیں اور خدا کے بندوں کی دل آزاری کی کبھی روادار نہ ہوئیں۔"

جناب زینبؑ کی عبادت کثیر تھی۔ آپ کا اکثر وقت عبادتِ الٰہی میں گزرتا تھا۔ ہم نے آپ کی عبادت کا کچھ حال آپ کے 'عابدہ' کے لقب میں دیا ہے۔

معرفت و تقربِ الٰہی :

آپ کے تقربِ الٰہی کا وہ درجہ تھا کہ جب حضرت سید الشہداء علیہ التحیۃ والثناء کی شہادت واقع ہوئی اور بھائی کا خون ٹپکتا ہوا سرِ مبارک نیزہ پر بلند دیکھا تو دونوں ہاتھ اُٹھا کر اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ "بار الٰہا یہ آلِ محمدؐ کی قربانی

قبول فرما۔" آپ کا یہ قول اور فعل آپ کے مراتبِ عالیہ اور تقربِ الٰہیہ کو ظاہر اور ثابت کرنے کے لیے کافی ہے اس لیے کہ ایسی سخت مصیبت کے وقت ایسے صبر و رضا کے کلمات رسولؐ اللہ، علیؑ مرتضیٰ اور فاطمۃؑ الزہرا کے منہ سے نکل سکتے تھے ایسی مصیبتِ عظمیٰ کے ظہور کے وقت حضرت زینبؑ کی زبان سے ایسے کلمات کا جاری ہونا آپ کی معرفت الٰہی کو ظاہر کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو خداوند جلیل سے کس قدر تقرب حاصل تھا اور خدا کے پاس آپ کی کیا منزلت تھی اور کیا مقام تھا اور کس درجہ کا نفسِ مطمئنہ رکھتی تھیں۔

ہمارا خیال ہے کہ حضرت زینبؑ کے مصائب جناب امام حسینؑ کے مصائب سے بظاہر عظیم تر تھے۔ جناب امامؑ مرد تھے، بہادر تھے اور سب سے بڑھ کر امام معصوم تھے۔ آپ اپنے نانا کے دین کی حفاظت کے لیے لڑے اور شہید ہو گئے۔ جناب زینبؑ عورت تھیں روزِ عاشورا اپنے عزیز بھائی، بھانجوں بھتیجوں، اصحاب و انصار کو شہید ہوتے دیکھا۔ اولاد کا داغ اٹھایا۔ بعد شہادت امامؑ خیمے جلتے، سامان لٹتے، بچوں کو آگ میں جلتے، بیمار بھتیجے کو طوق و زنجیر پہنتے دیکھا، خود قید ہوئیں اور کسمپرسی کے عالم میں بیبیوں اور بچوں کے ساتھ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام شترہائے بے کجاوہ پر گئیں سفر کی سخت تکالیف اُٹھائیں، کوفہ میں ابن زیاد علیہ العن اور دمشق میں یزید پلید کی مجلسوں میں پیش ہوئیں اور ان دونوں کے طعن و تشنیع کو سُنا۔ مدت دراز تک قید کی زحمتیں برداشت کیں اور ان سب حالات و بلیات میں اسی درجہ کے حلم و صبر و استقلال تسلیم و رضا کا مظاہرہ فرمایا جو ایک نبیٔ مُرسل یا امام معصوم سے ہو سکتا تھا۔ جناب زینبؑ کی اس زیارت میں جو آپ کے روضۂ مقدس میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے اور جو یقیناً امام سے منقول ہے آپ کے حالات خوب بیان کیے گئے ہیں۔ زیارت میں ہے:۔

السلام علیكِ یا عصمۃ الصغریٰ اشھد انكِ

كنتِ صابرة شاكرة مجللہ معظمۃ مكرمۃ محدۃ مخدرۃ موقرۃ فی جمیع حالاتكِ و منقلباتكِ و مصیباتكِ و بلیاتكِ و امتحاناتكِ حتیٰ فی اشدھا وامرھا وھی وقوفكِ فی ھٰذا المكان واخوكِ عطشان مصروع فی عمق الحائر من كثرۃ الجراحات السیف والسنان والشمر جالس علیٰ صدرہٖ۔

ترجمہ: سلام ہو آپ پر اے عصمتِ صغریٰ، میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ آپ نے جمیع حالات، گردشوں، مصائب، بلیات اور امتحانات میں صبر و شکر سے کام لیا۔ عظمت و جلال ظاہر فرمایا۔ وقار و حلم کا مظاہرہ فرمایا یہانتک کہ اس سخت ترین وقت پر جب آپ کے بھائی حائر میں ایک گڑھے میں پیاسے اور تیغ و سنان کے متعدد زخم کھائے پڑے تھے اور شمرؔ لعین ان کے سینہ پر بیٹھا تھا اور آپ کھڑی ہوئی یہ دلخراش اور جاں گداز منظر دیکھ رہی تھیں

صاحبِ "خصائصِ زینبیہ" لکھتے ہیں کہ جتنے کمالات انسانیت اور مقامات عالیہ ہیں وہ امتحانات کے بعد معین کیے تے ہیں۔ اہلِ معرفت اس مقام کو میزان اور فصل الخطاب کہتے ہیں۔ جناب زینبؑ کے ج''تحانات خوف بھوک، پیاس، نقصِ اموال و اولاد، غارتگری اور قید وغیرہ سے لیے گئے وہ ظاہر ہیں۔ ان امتحانات میں آپ کس طرح کامیاب رہیں اس سے بھی تاریخداں واقف ہیں۔ جناب زینبؑ سے جیسا سخت امتحان منجانب اللہ لیا گیا ویسا انبیاؑ تک سے نہیں لیا گیا۔ انبیاؑ مقربین میں سے کسی پر ایسی مصیبتیں اور بلائیں نازل نہیں ہوئیں۔ یہ امتحانات امام حسینؑ۔ جنابِ زینبؑ اور جناب امام زین العابدینؑ اور اہلبیتؑ

کے لیے مخصوص تھے۔

بعض مورخین اور محدثین نے لکھا ہے کہ انبیاءؑ، اوصیاءؑ، اور اولیاءؑ مثلاً حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ۔ حضرت عیسیٰؑ کا خدائے تعالیٰ نے مصائب اور بلیات سے امتحان لیا لیکن جب ان انبیاءؑ کے مصائب اور امتحانات کا جناب زینبؑ کے مصائب سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو ہیچ نظر آتے ہیں اور جناب زینبؑ سے بلاؤں اور مصیبتوں پر جو صبر و شکر، تسلیم و رضا کا مظاہرہ ہوا وہ ان انبیاءؑ کے مظاہرہ سے کم نہیں بلکہ بڑھ کر ہی نظر آتا ہے۔

ہم کو ان مورخین اور محدثین سے پورا اتفاق ہے۔ درحقیقت جناب زینبؑ کے مصائب اور امتحانات انبیاءؑ کے مصائب اور امتحانات سے کہیں سخت تر تھے جن انبیاءؑ کے نام اوپر لکھے گئے ہیں جب اُن کے مصائب اور امتحانات کا حال ہم کتب میں دیکھتے ہیں اور اُن کا مقابلہ جناب زینبؑ کے مصائب اور امتحانات سے کرتے ہیں تو حقیقت مثل روزِ روشن کے کھُل جاتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ رسولؐ اللہ کی نواسی، علیؑ مرتضیٰ، فاطمۃ الزہراؑ کی صاحبزادی نے واقعۂ کربلا میں کیسے کیسے شدید اور سخت امتحانات دیے اور کیسی کیسی شدید مصیبتیں جھیلیں اور پھر صبر و شکر، تسلیم و رضا کا کیسا عظیم الشان مظاہرہ کیا اور کیا شان دکھائی اور کس طرح دنیا پر ثابت کر دیا کہ محمدؐ کے گھرانے کے مرد اور عورتیں، چھوٹے بڑے سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے اور ایک ہی صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ اگر عورت کے لیے امامت ہوتی تو ہم جناب زینبؑ کو امام کہتے۔

بات یہ ہے کہ محمدؐ و آل محمدؐ کے مراتب و مقامات کتابیں پڑھ لینے یا منطق و دلائل سے سمجھ میں نہیں آسکتے بلکہ ان کے سمجھنے اور ماننے کے لیے نعمتِ

ایمان و عرفان کی ضرورت ہے اور اس نعمت کا عطا کرنے والا اللہ جل شانہٗ ہے۔ پس اگر کوئی طالب ایمان اپنے خالق سے اس نعمت کا سوال کرے اور وہ اسے عطا ہو جائے تو اس وقت اس کے قلب کی آنکھوں میں اتنی بصیرت پیدا ہو گی کہ وہ نورِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ضیاء کو دیکھ سکے۔ بغیر نعمتِ ایمان و عرفان حقیقتِ محمدؐ و آل محمدؐ کی جستجو بیکار اور اُن کی وِلا کا دعویٰ باطل ہے۔ ہزاروں علامہ فہامہ باوجود کثرتِ علم کے مراتب و منازلِ محمدؐ و آل محمدؐ کو نہ پہچان سکے اور نہ سمجھ سکے بلکہ اس بارے میں وسواس اور شکوک دلوں میں لیے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے اور اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔

یہ محض ہمارا خیال نہیں بلکہ امامؑ کا ارشاد ہے۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ اعلی اللہ مقامہٗ نے جلد اوّل "بحار الانوار" میں اسناد کے ساتھ یہ حدیث تحریر فرمائی ہے:-

علی ابن الحسین . . . . عن شعیب الحداد
قال سمعت الصادقؑ یقول ان حدیثنا صعب
مستصعب لا یحتملہ الا ملکٌ مقربٌ اونبی مرسل
او عبد امتحن اللہ قلبہ بالایمان اومدینۃ
حصینۃ۔ قال عمرو الشعیب یا ابالحسن وای
شیٔ المدینۃ الحصینۃ قال فقال سألت
الصادقؑ عنها فقال لی القلب المجتمع۔

ترجمہ:- شعیب سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہماری (آل محمدؐ) کی حدیثیں (باتیں) مشکل ہیں اور مشکل کر دی گئی ہیں۔ نہیں سمجھ سکتا اور برداشت کر سکتا اُن کو کوئی مگر فرشتۂ مقرب یا نبیٔ مرسل یا وہ بندہ جس کے دل کا خدا نے ایمان کے ذریعہ امتحان لے لیا ہو یا شہر

محفوظ۔ ایک شخص عمرو نے شعیب (سے یہ حدیث سُنی) تو پوچھا کہ شہرِ محفوظ سے کیا مراد ہے توشعیب نے جواب دیا کہ میں نے بھی یہی سوال امام علیہ السّلام سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ شہرِ محفوظ سے مراد قلب مجتبع ہے۔

مجلسی علیہ الرحمۃ نے قلب مجتبع کے معنی بتائے ہیں کہ وہ قلب جو وساوس اوہام باطلہ وفاسدہ، شکوک وشبہات سے خالی اور محفوظ ہو اور اس میں گمراہ کرنے والے خیالات نہ آتے ہوں۔

حدیث متذکرہ بالا سے ظاہر ہوا کہ ان مقدّس ہستیوں یعنی حضرات معصومین علیہم السّلام کی باتیں، اُن کے اُمور ومعاملات، فضائل ومراتب صرف فرشتۂ مقرب، انبیاء مرسل یا وہ لوگ جن کے دلوں کا خدا نے ایمان کے ذریعہ امتحان لیا ہو اور جو قلبِ مجتبع رکھتے ہوں سمجھ سکتے ہیں۔

سائل سوال کر سکتا ہے کہ آخر یہ ایمان ہے کیا کہ اس کے بغیر کوئی شخص محمدؐ وآلِ محمدؐ کے معاملات کو سمجھ ہی نہیں سکتا؟ کیا اسلام کافی نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام اور ایمان دو بالکل علیحدہ اور جدا چیزیں ہیں۔ خود اللہ عزوجل نے قرآن میں یہ بات بتادی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ کہدو ان سے (اے رسولؐ) کہ تم ایمان نہیں لائے، اس لیے کہو کہ ہم اسلام لائے اور ایمان تو ہرگز ہرگز تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا) اس آیتِ قرآنی سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اسلام اور ایمان ایک نہیں بلکہ دو بالکل جدا چیزیں ہیں۔ اسلام ابتدائی درجہ کی چیز ہے اور ایمان کا درجہ اعلیٰ ہے۔ اسلام لانے کے بعد چند اُمور کی تکمیل کرنی پڑتی ہے اور اس کے بعد ایمان کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اسلام میں ایمان داخل نہیں ہے۔ ایمان میں

اسلام داخل ہے۔ ہر مردِ مسلم مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اسلام لانے کے بعد درجۂ عالیہ ایمان پر فائز نہ ہو لیکن ہر مومن کا مسلم ہونا لامحالہ اور ضروری ہے۔

اسلام کے معنی تابع اور مطیع ہونے کے ہیں یعنی کسی کے زیرِ حکم ہو جانا، خواہ اس میں دل سے تصدیق ہو یا نہ ہو۔ بسا اوقات انسان کرہاً و مصلحتاً ایسا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے مثلاً آنحضرتؐ کے زمانہ میں ابوسفیان اور بنی اُمیہ نے مصلحتاً اسلام کی رعایتوں سے فائدہ اُٹھانے کے لیے طوعاً و کرہاً اسلام قبول کیا۔

ایمان یہ ہے کہ کسی چیز پر دل سے اعتقاد رکھنا یقین رکھنا اور اُس کی زبان سے تصدیق کرنا اور عمل کرنا۔

آنحضرتؐ نے بھی بتادیا کہ ایمان اور اسلام جدا چیزیں ہیں۔ ایمان کا درجہ اسلام سے بڑھا ہوا ہے۔ غزوۂ خندق میں جب جناب امیر علیہ السّلام لشکرِ مشرکین کے مشہور بہادر، دیو ہیکل پہلوان عمرو بن عبدود کے مقابلہ کے لیے میدانِ کارزار میں تشریف لائے تو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ذهب الايمان كله الى الشرك كله یعنی ایمانِ کُل شرکِ کُل کے مقابلہ کو گیا۔ یعنی مومن کامل مشرکِ کامل کے مقابلہ کے لیے گیا۔ آنحضرتؐ نے ذهب الاسلام كله نہیں فرمایا بلکہ ذهب الايمان كله ارشاد فرمایا جس سے صاف ظاہر اور ثابت ہوا کہ آپ اسلام کو ایک معمولی اور ابتدائی شے اور ایمان کو اعلیٰ و اولیٰ تصور فرماتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو اسلام کے عوض حضرت علیؑ کی شان میں ایمان کا لفظ ہرگز استعمال نہ فرماتے۔ آنحضرتؐ کو جنابِ امیرؑ سے جو محبت والفت تھی اور جس قدر اُن کے مراتب کا لحاظ آپ رکھتے تھے اس سے سب باخبر اشخاص بخوبی واقف ہیں۔

امامِ رضا علیہ السلام نے "صحیفۂ رضویہ" میں ایمان کی تعریف یہ فرمائی ہے۔

الايمان اداء الفرض واجتناب المحارم

وھو معرفۃ القلب و اقرار باللسان و
عمل بالارکان۔

ترجمہ :۔ ایمان یہ ہے کہ فرائض بجالائے جائیں اور محارم (حرام چیزوں) سے پرہیز کیا جائے۔ معرفت دل میں پیدا کی جائے اور پھر زبان سے اس کا اقرار کیا جائے اور ساتھ ہی اعضا و جوارح سے عمل بھی کیا جائے۔

اب ہم دو تین مثالوں کے ذریعہ واضح کردیتے ہیں کہ ایمان کیا ہے۔

۱:۔ غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کو فتح ہونے لگی تو مسلمان لوٹ کھسوٹ میں لگ گئے اور مسلمان جن کو رسولِ اکرم نے درّہ پر مامور فرمایا تھا اور تاکید فرمائی تھی کہ کسی حالت میں بھی وہاں سے نہ ہٹیں وہ بھی مالِ غنیمت کے لالچ میں حکمِ رسولؐ کو پس پشت ڈال کر لوٹ مار میں شریک ہوگئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فتح مبدل بہ شکست ہوگئی اور مسلمان رسولؐ کو چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ رسولؐ اللہ ہر چند بلاتے تھے بلکہ نام بنام یہ کہہ کر پکارتے تھے۔ الیّ یا فلان الیّ یا فلان انا رسول اللہ۔ یعنی اے فلاں میرے پاس آ۔ اے فلاں میرے پاس آ، میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔ لیکن کوئی پلٹ کر بھی نہ دیکھتا تھا بعض تو ہتھیار پھینک کر فرار ہوگئے سوائے حضرت حمزہؓ اور دو چار مخصوص حضرات کے رسولؐ اللہ کے پاس کوئی نہ رہا۔ اور انہی بزرگواروں کی وجہ سے رسولؐ اللہ محفوظ رہے اگرچہ زخمی ہوئے اور دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ تواریخ میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کی اس عدولِ حکمی، نقضِ عہد اور فرار سے آنحضرتؐ بہت ملول و محزون ہوئے اور جناب امیر علیہ السّلام سے فرمایا کہ یا علیؑ تم نے بھی اپنے بھائیوں (یعنی دوسرے مسلمانوں) کا ساتھ کیوں نہیں دیا۔ (یعنی فرار کیوں نہ اختیار کی) یہ سُن کر حضرت علیؑ نے سنجیدگی، متانت و اطمینان سے عرض کیا۔ لا کفر بعد الایمان انی بک اسوۃ (ایمان لانے کے بعد کفر اختیار نہیں کیا جاسکتا مجھے آپ کی تاسّی

مقصود و مطلوب ہے۔) یہاں یہ چیز قابل غور ہے کہ حضرت علیؑ نے ایمان کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اسلام نہیں کہا اور اس کو ظاہر فرمادیا کہ اسلام کا درجہ بالکل ابتدائی اور پست ہے اور ناقابلِ ذکر اور یہ کہ ایمان کا درجہ اسلام سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔

ہمارے خیال میں وہ لوگ جو محض مسلمان تھے بھاگ کھڑے ہوئے اور جو مومن تھے وہ آخر تک ثابت قدم رہے۔ وہ چیز جس نے جناب امیر علیہ السّلام کو رسولؐ اللہ کا ساتھ چھوڑ دینے سے باز رکھا وہ بقول حضرتؐ کے ایمان تھا اور دوسرے لوگ جو اسلام تو لائے تھے لیکن بے ایمان تھے فرار ہوگئے۔

۲:۔ اویسؓ قرنی کو جب معلوم ہوا کہ غزوۂ اُحد میں آنحضرتؐ کے دو دانت شہید ہوگئے تو اس قدر صدمہ ہوا کہ خود بھی اپنے دو دانت پتھر سے توڑ کر پھینک دیے۔ حالانکہ کبھی رسولؐ اللہ کو دیکھا بھی نہ تھا۔ وہ چیز جس نے انہیں اپنے دانت توڑنے پر مجبور کیا وہ ایمان تھا اور وہ چیز جس نے رسولؐ اللہ کے ہمراہیوں کو روزِ غزوۂ اُحد راہِ فرار دکھائی وہ بے ایمانی تھی۔ حالانکہ وہ مسلمان تھے۔

۳:۔ جب امام حسینؑ کربلا پہنچے ہیں تو آپ کے ساتھ کافی تعداد میں لوگ تھے بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ کئی ہزار کا مجمع تھا۔ شبِ عاشور بعد نماز مغرب امام حسینؑ نے سب کو جمع فرما کر خطبہ ارشاد فرمایا اور یقین دلایا کہ صبح عاشور آپ کو شکست ہوگی آپ شہید کیے جائیں گے اور جو بھی آپ کے ساتھ رہے گا وہ یقیناً مارا جائے گا۔ یہ سُن کر وہ چند مقدّس نفوس جن کے نام شہدائے کربلا کی فہرست میں محفوظ ہیں، جن کے قلوب کا اللہ نے ایمان کے ذریعہ امتحان لے لیا تھا باقی رہ گئے اور باقی سب مسلمان رفوچکر ہوگئے اور منہ کالا کرگئے دوسرے الفاظ میں وہ چیز جو ان چند خاص نفوس کو ثابت قدم رکھ سکی وہی ایمان تھا اور جو لوگ ساتھ چھوڑ کر چل دیے وہ اسلام رکھتے تھے لیکن ایمان سے معرّا تھے۔ یہ لوگ امام زماں کی محبت کی وجہ سے

ساتھ نہیں آئے تھے۔ بلکہ مالِ غنیمت کی لالچ انہیں کھینچ لائی تھی جب اُس کی توقع نہ رہی تو نقضِ بیعت کر کے چل دیے۔

قضائے الٰہی پر راضی رہنا اور ہر حالت میں شکر بجا لانا قوّتِ ایمان اور بلندیٔ نفس کی بڑی علامت ہے۔ جب ہم جناب زینبؑ کے مصائب اور بلیّات پر نظر ڈالتے ہیں اور ساتھ ہی دیکھتے ہیں کہ کس صبر و شکر کے ساتھ آپ نے ان کو برداشت کیا نیز ان پر راضی رہیں تو ہم کو آپ کے مراتب، رضا و تسلیم درجۂ کمال پر پہنچے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

کتاب "مجالس المتقین" میں ملّا محمد تقی شہیدِ ثالث اعلی اللہ مقامہٗ تحریر فرماتے ہیں :۔

عرفانِ مراتب توحید حضرت زینبؑ خاتون سلام اللہ علیہا
قریب امامت بود چنانکہ در آں ہنگام کہ امام زین العابدین
صلوٰۃ اللہ علیہ را در قتل گاہ نظر بر جسدِ انور پدر و برادر افتاد
قلب مبارکش از جائے کندہ و بحدِ چہرۂ مبارکش زرد شد و بود
کہ گفتی روحِ مقدسش بآشیانِ قدس پرواز جستہ۔ زینب
سلام اللہ علیہا آنحضرتؑ را تسلی ہمی داد و ہمی گفت ایجانِ
برادر زادہ ام آرام باش کہ ایں عہد لیست کہ در ازل بود و
حدیث اُمِّ ایمن را مذکور فرمودند۔"

ترجمہ :۔ جناب زینبؑ خاتون کی معرفتِ الٰہی و توحید کی شان امام کی معرفت سے قریب تھی۔ چنانچہ بعد شہادت امام حسینؑ جب اہل بیتؑ کا گذر قتل گاہ سے ہوا اور جناب امام زین العابدینؑ کی نظر اپنے پدر بزرگوار اور بھائی علی اکبرؑ کے جسد ہائے انور پر پڑی تو آپ بیقرار ہو گئے اور چہرۂ اقدس پر ایسی زردی چھا گئی

کہ معلوم ہوتا تھا گویا آپ کی روح پرواز ہونے کو ہے۔ جب جناب زینبؑ نے آپ کا یہ حال دیکھا تو آپ کو تسلّی دی اور یہ فرمایا کہ بیٹا صبر کرو اس لیے کہ یہ وہ وعدہ تھا جو روزِ ازل تمہارے باپ نے خدا سے کیا تھا اور وہ پورا کیا پھر اُمِّ ایمن کی حدیث بیان فرمائی۔

رُعب و جلال :

جناب زینبؑ کے رُعب و جلال کا یہ حال تھا کہ جب آپ کلام فرماتیں تو مخاطب اِسقدر مرعوب ہو جاتا تھا کہ جواب دینا مشکل ہو جاتا تھا۔ یزید لعین پلید جیسا طاغی اور سرکش آپ سے مرعوب ہو کر سکوت اختیار کیا کرتا اور آپ کے سامنے دم نہ مارتا تھا۔

فاضل دربندی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ جناب زینبؑ کے ان ارشادات سے جو آپ نے ابن زیاد اور یزید کے دربار میں فرمائے آپ کے رعب و جلال اور دلیری کا حال ظاہر ہوتا ہے۔ آپ نے بھرے دربار میں یزید کو کافر و زندیق کہا۔ اس کے باپ دادا کے مثالب صراحت کے ساتھ بیان فرما دیے۔ اس کے تخت و تاج کی تباہی کی پیشین گوئی فرمائی اور یزید پلید اور اس کے درباری منہ تکتے رہ گئے کسی کی مجال نہ ہوئی کہ آپ کے سامنے زبان کھولے حالانکہ یزید پلید اس وقت مالک تخت و تاج تھا۔ قوّت و اقتدار رکھتا تھا جواب دینا تو کجا چاہتا تو آپ کو قتل کرا سکتا تھا لیکن کچھ نہ کر سکا۔ یزید پلید کے اس سکوت کی وجہ سوائے اس کے کہ امیر المومنین علیؑ ابن ابیطالبؑ کی صاحبزادی کے اقتدارِ نفسیاتی اور روحانی کا اثر ہو اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ اقتدار اور قہاریت درحقیقت خواص اور خصائصِ نبوتِ مطلقہ اور ولایتِ مطلقہ سے ہے ہر کس و ناکس کا حصّہ نہیں ہو سکتا۔

جناب زینبؑ کے شئونات جلیلہ اور مقامات جمیلہ کے ثبوت میں یہ بھی واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ آپ کی وہ شخصیت تھی جس نے امام زمان علیؑ ابن الحسینؑ زین العابدینؑ

کو تین دفعہ قتل ہو جانے سے بچالیا۔

ایک وہ وقت تھا کہ بعد شہادت مظلوم کربلا جب اہلِ بیتؑ کے خیموں کو لوٹنے کے لیے ملاعین داخل ہوئے تو شمر ملعون نے بیمار علیؑ ابن الحسینؑ کو بستر پر لیٹے ہوئے دیکھا اور آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ جناب زینبؑ اس وقت بھتیجے سے لپٹ گئیں اور شمر شقی سے کہا کہ اس لڑکے کے ساتھ میں بھی قتل ہوں گی۔ جب شمر ملعون نے یہ حال دیکھا تو قتلِ امامؑ سے باز آیا۔ دوسرا وقت وہ تھا جب کہ ابنِ زیاد علیہ اللعن نے اپنی محفل میں امام زین العابدینؑ کی صاف گوئی سے ناراض ہو کر آپ کے قتل کا حکم دیا۔ اس وقت بھی جناب معصومہ نے وہی کیا جو دفعہ اوّل کیا تھا تیسرا موقع یزید پلید کے دربار کا تھا کہ امام زین العابدینؑ نے یزیدؒ کے روبرو اس کے باپ دادا کے معائب اور مثالب بیان فرمائے تو اس نے آپ کے قتل کا حکم دیا لیکن جناب زینبؑ کے احتجاج پر اس حرکتِ شنیعہ اور امرِ عظیم سے باز آیا۔ اس کے علاوہ جناب زینبؑ کا بعض موقعوں پر امام زمان علیؑ ابن الحسینؑ کو تسلّی و دلاسہ دینا۔ مخدراتِ عصمت و طہارت اور اطفال کی پاسبانی و نگرانی کرنا۔ ابن زیاد لعین اور یزید پلید جیسے جبّار و سفاک، بے دین کی محفلوں میں دنداں شکن گفتگو فرمانا۔ خطبات دینا اور پھر کسی وقت ایک دقیقہ کے لیے بھی جزع و فزع، عجز و انکساری نہ کرنا اس بات کی بیّن اور روشن دلیل ہے کہ جناب زینبؑ معمولی عورت نہ تھیں بلکہ وارث اعتبارات و اختیارات و اقتدارات نبوت و ولایت تھیں۔

بحر المصائب میں لکھا ہے کہ جب آنحضرتؐ کا زمانۂ وفات قریب ہوا تو جناب امیر المومنینؑ و جناب فاطمۃ الزہراؑ نے ایسے خواب دیکھے کہ جو آنحضرتؐ کی وفات پر دلالت کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں جناب زینبؑ نے (جن کی عمر پانچ سال تھی) خواب دیکھا کہ ایک تیز و تند آندھی آئی اور آسمان و زمین کو تاریک کر دیا۔ اس ہوا

اور آندھی کی تیزی اور شدت سے آپ (جناب زینبؑ) اِدھر اُدھر اُڑنے لگیں یہاں تک ایک بڑے درخت سے آویزاں ہو گئیں اور ہوا کی شدّت کی وجہ سے وہ درخت گر پڑا اور آپ نے اُس کی ایک شاخ کو تھام لیا وہ بھی ٹوٹ گئی تو اور دو شاخوں کا سہارا لیا اور وہ دونوں بھی ٹوٹ گئیں۔ آپ بے سہارا ہو گئیں اور آپ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ بیدار ہو گئیں۔ جناب رسولِ خداؐ کی خدمت میں خواب عرض کیا۔ رسول اللہؐ نے خواب سن کر سخت گریہ فرمایا اور کہا اے بیٹی یہ درخت میں ہوں جو عنقریب اس دارِ فانی سے کوچ کرنے والا ہوں اور شاخیں تمہاری ماں فاطمۃ الزہراؑ۔ باپ علیؑ مرتضیٰ۔ بھائی حسنؑ و حسینؑ ہیں جو یکے بعد دیگرے تمہارے سامنے دنیا سے رخصت ہو جائیں گے اور تم سب کو روؤ گی اور سب کی سوگواری کرو گی۔ اس خواب اور رسول اللہؐ کی تعبیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب زینبؑ کی نفسیاتی اور روحانی بلندی بچپن ہی میں کیا تھی۔

"بحر المصائب" میں مسطور ہے کہ خلافتِ ظاہرہ کے زمانہ میں جناب امیر المومنینؑ کوفہ تشریف لائے تو اس کو دار الخلافہ قرار دیا اور یہاں قیام فرمایا۔ ایک سال گذرنے کے بعد کوفہ کے بعض ذی وجاہت و ثروت زنانِ کوفہ نے جناب امیر المومنینؑ سے درخواست کی کہ ہماری آرزو و تمنا ہے کہ آپ کی صاحبزادی جناب زینبؑ جگر گوشۂ رسولؐ جو مثل اپنی مادرِ گرامی جناب صدیقۂ طاہرہ فاطمۃ الزہراؑ کے بڑی عالمہ اور محدثہ ہیں اور عادات و اخلاق میں زمانہ کی عورتوں سے افضل و برتر ہیں، کا شرفِ دیدار حاصل کریں۔ پس ہمیں حضوری کی اجازت مرحمت ہو۔ جناب امیر علیہ السّلام نے عورتوں کا معروضہ قبول فرمایا اور اجازت دی۔ عورتیں جناب زینبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بکمالِ شوق و ذوق۔ خضوع و خشوع آپ کی زیارت سے مشرف ہوئیں، اپنے مطالب و مقاصد عرض کیے اور اپنی اس خوش بختی پر فخر و مباہات کرتی ہوئی گھروں کو واپس گئیں۔

خُلق : باوجود اس رُعب وجلال کے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے جنابِ زینبؑ بے حد صاحبِ خُلق تھیں اور کیوں نہ ہوتیں۔ جن کے نانا کے لیے ارشادِ باری ہوا کہ "اے رسولؐ تم خُلقِ عظیم کے مالک ہو"، جب ایسے نانا سے تربیت پائی ہو تو پھر کیونکر خلیق نہ ہوتیں۔ ماں کا خُلق مشہور تھا۔ باپ کے خُلق کا دشمنوں تک نے اعتراف کیا۔ کتاب "سیّدہ کی بیٹی" میں لکھا ہے کہ "کوئی آپ سے ملنے آتا تو عاجزی اور فروتنی اور خندہ پیشانی سے ملتیں۔ بہتر جگہ بٹھاتیں اور مناسب طریقہ پر خدمت کرتیں۔ سادہ زندگی بسر کرنے کی عادی تھیں۔ سادہ لباس پہنتیں۔ سادہ غذا کھاتیں اور اپنے گھر کو سادگی مگر صفائی ستھرائی کا بہترین نمونہ بنائے رکھتیں اور اس کا عملی سبق دوسروں کو بھی دیتی رہتیں۔"

پھر ایک جگہ رازق الخیری صاحب اپنی کتاب "سیّدہ کی بیٹی" میں لکھتے ہیں

> بی بی زینبؑ ایک مسلمان کی حیثیت سے ایثار، صداقت عزم، استقامت اور صبر و رضا کا جو رنگ عقلِ سلیم، دماغِ صحیح اور چشمِ بینا کو دکھا گئیں ان کے بعد ہمیں کسی مسلمان میں نظر نہیں آتا ...... ان کی عملی زندگی اور اُن کے اسلام کو پیشِ نظر رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ گویا وہ پیغمبر تو نہ تھیں پیغمبرؐ کی نواسی تھیں لیکن انہوں نے پیغمبر کے فرائض انجام دیے اور اُن کی شخصیت میں پیغمبری جھلک رہی ہے۔"

جنابِ زینبؑ کے فضائل و مراتب کا ضبطِ تحریر میں لانا ہمارے امکان سے باہر ہے۔ آپ کے حالات اور واقعاتِ زندگی کو نظرِ غائر سے دیکھنے کے بعد کہنا پڑتا ہے کہ آپ اُس بلند مقام پر فائز تھیں جو مقامِ ولایت و امامت کے برابر تھا۔ آپ پر کیا کچھ مصائب نہ گذرے۔ بچپن میں نانا اور ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ باپ کو شمشیرِ زہر آلود سے قتل ہوتے، بھائی حسنؑ کو زہرِ ہلاہل سے شہید ہوتے دیکھا۔ نانا کا

روضہ، گھر اور وطن چھوڑ کر اپنے عزیز بھائی حسینؑ کے ساتھ کربلا کا سفر اختیار کیا۔ کربلا میں عزیز و اقربا و اصحاب و انصار۔ اولاد اور بھائی کو قتل ہوتے، خیمے جلتے، مال و اسباب لٹتے دیکھا اور پھر حالتِ اسیری میں کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام کے صعوبات اور مجلس ابن زیاد اور یزید پلید کی ذلتیں برداشت کیں لیکن ان سب حالات منقلبات اور امتحانات میں ثابت قدم رہیں۔ صبر و شکر، حلم و بُردباری عظمت وجلال کا وہ عظیم الشان مظاہرہ فرمایا جو نبیؐ مرسل یا امام معصوم ہی سے ہو سکتا تھا۔

جنابِ زینبؑ کے علم و فضل، زہد و تقویٰ، عصمت و عفت، عبادت و قناعت، امانت و صیانت، عرفان و ایقان، فصاحت و بلاغت، عظمت و جلالت کے مقامات اس قدر بلند تھے کہ آپ امام حسینؑ کی ہر مصیبت و بلا میں ہر وقت شریک رہیں اور جو امامؑ نے چاہا وہی کیا حتیٰ کہ بھائی کے خیال سے اولاد کی فرقت میں بھی غم و الم ظاہر نہ ہونے دیا۔ صاحبؒ "خصائصِ زینبیہ" تحریر فرماتے ہیں کہ کتبِ تاریخ و حدیث عامّہ و خاصّہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت زینبؑ عوراتِ قریش و دخترانِ و خواتینِ بنی ہاشم و دخترانِ آلِ عبدالمطلب میں کثرتِ زہد و عبادت عفّت و عصمت و وفورِ عقل و فراست و آداب، جلالت و بزرگی، مکارمِ اخلاق میں امتیازی حیثیت رکھتی تھیں بلکہ آپ ملیکۃ العرب والعجم حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور صدیقۂ طاہرہ جناب فاطمۃ الزہراؑ کا نمونہ تھیں۔ جناب امیرؑ بھی آپ کا خاص احترام فرماتے تھے۔ جب آپ اپنے نانا رسول اللہؐ کی زیارت کے لیے رات میں تشریف لے جانا چاہتی تھیں تو جناب امیر علیہ السّلام خود اہتمام فرماتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ مسجد کے چراغ گل کر دیے جائیں اور خود آپ اور حضرات حسنینؑ آپ کے ہمراہ ہوتے تھے اور بعد زیارت گھر واپس لاتے تھے۔

باب ۷

حالات جنابِ زینب سلام اللہ علیہا بوقت روانگی از مدینہ و حالاتِ سفر

جب مدینہ میں امام حسینؑ سے بیعتِ یزید کا سوال کیا گیا تو آپ نے بیعت سے انکار فرمایا اور مدینہ چھوڑنے کا تہیہ کر لیا۔ اُس وقت جناب زینبؑ اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے اجازت حاصل کی اور امامؑ کے ساتھ ہو گئیں۔

مولانا رازق الخیری نے اس اجازت کے واقعہ کو اپنی کتاب "سیّدہ کی بیٹی" میں تفصیل سے اور بڑے اچھے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وہی ہم بجنسہٖ نقل کر رہے ہیں :۔

"بی بی زینبؑ نے حضرت عبداللہؓ سے اجازت طلب کی محض آفات و مصائب کے خیال سے جب حضرت عبداللہؓ نے آپ کو اس سفر سے منع کیا تو حضرت زینبؑ نے کہا میرے بھائی کا دنیا میں کوئی رفیق نہ رہا پاؤں تلے کی چیونٹی بھی جان کی دشمن اور خون کی پیاسی ہے میں اس حالت میں اپنے بھائی کو کیسے اکیلا چھوڑ دوں . . . . . جب حضرت عبداللہؓ نے انہیں آفات و مصائب سمجھائے تو اُن کی ہچکی بندھ گئی اور اُنہوں نے کہا اماں مجھے اس دن کے لیے نہیں چھوڑ کر گئی تھیں کہ جب میرا بھائی بے یار و مددگار یکہ و تنہا اور دشمنوں کے نرغہ میں پھنس جائے تو میں دور بیٹھی سیر دیکھا کروں۔ عبداللہؓ تمہیں معلوم ہے کہ میرا اور حسینؑ بھائی کا ۵۵ پچپن برس کا ساتھ ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے سے

جُدا نہیں ہوئے اب ہمارا بڑھاپا اور زندگی کا آخری دَور ہے اگر اس وقت حسینؑ کا ساتھ چھوڑ دیا تو اماں کو کیا منہ دکھاؤں گی جنہوں نے دنیا سے رُخصت ہوتے وقت فرمایا تھا کہ "زینبؑ میرے بعد حسینؑ کی ماں بھی تُو ہے اور بہن بھی"۔ تمہاری اطاعت میرا فرض ہے لیکن اگر میں حسینؑ بھائی کے ساتھ نہ گئی تو جُدائی نہ سہار سکوں گی۔ حضرت عبداللہؓ پر بیوی کی اس گفتگو کا بہت اثر ہوا اور اُنہوں نے کہا "بنتِ مرتضیٰ تم اپنا دل بھاری نہ کرو تمہاری خوشی ہے تو میری طرف سے اجازت ہے تم حسینؑ کے ساتھ چلی جاؤ"۔

روایت ہے کہ جب امام حسینؑ کی روانگی کی اطلاع حضرت ابن عباس کو ہوئی تو اُنہوں نے امامؑ کو مدینہ چھوڑنے کے لیے منع کیا اور جب امامؑ نے اُن کی رائے سے اتفاق نہیں فرمایا تو اہلبیتؑ یعنی بی بیوں اور بچوں کو چھوڑ جانے کی رائے دی جناب زینبؑ نے جو پسِ پردہ تھیں یہ سُن کر کہا کہ اے ابن عباس افسوس کہ آپ بھائی کو یہ رائے دے رہے ہیں کہ ہم کو یہاں چھوڑ جائیں، اے ابن عباس ایسا ہرگز نہ ہوگا میں تو بھائی کا ساتھ کبھی نہ چھوڑوں گی اور انہیں تنہا نہ جانے دوں گی۔

مدینہ سے روانگی سے قبل یقیناً آپ کو آنے والے واقعات اور مصائب کا پورا علم تھا۔ آپ جانتی تھیں کہ بھائی مع عزیز و انصار زمینِ کربلا پر بھوکے پیاسے شہید ہوں گے اور آپ کی شہادت کے بعد اسیری در بدری کی مصیبتیں اُٹھانی پڑیں گی۔ باوجود اس علم کے اپنے بھائی کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اس سے دو امر منکشف ہوتے ہیں ایک یہ کہ جناب زینبؑ کو امام حسینؑ سے اس قدر محبت تھی کہ بلاؤں اور مصیبتوں

کا برداشت کرنا منظور کر لیا مگر فرقت کی تلخی گوارا نہ کی۔ دوسرے یہ کہ آپ کو بھی امامؑ کے اس الٰہی مشن میں حصہ لینا تھا اور اس کی تکمیل بغیر آپ کی شرکت اور موجودگی کے ممکن نہ تھی۔ اگر یزیدؔ کے کفر و استبداد کا قلع قمع کرنے کے لیے امام حسینؑ کو جہادِ بالسیف کرنا تھا تو جناب زینبؑ کو جہاد باللسان یعنی زبان سے جہاد کرنا تھا اور یہی آپ نے کیا اور کامیاب ہوئیں۔

صاحبِ "ناسخ التواریخ" لکھتے ہیں کہ جب امام حسینؑ نے سفر کا ارادہ فرمالیا تو حکم دیا کہ مخدراتِ عصمت و طہارت یعنی بہنوں، صاحبزادیوں اور دوسرے عزیزوں کے لیے محملیں تیار کی جائیں۔

فاضل دربندی اعلی اللہ مقامہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ راوی کہتا ہے کہ جب امام حسینؑ مدینہ سے روانہ ہونے لگے تو چالیس محملیں تیار تھیں جو دیبا و حریر سے مزیّن کی گئی تھیں۔ امامؑ نے حکم دیا کہ بنی ہاشم اپنے محارم کو محملوں میں سوار کریں اور جب بیبیاں سوار ہو گئیں تو میں نے دیکھا کہ ایک جوان ہاشمی جو بلند قامت تھے اور جن کا چہرہ مثل مہتاب درخشاں تھا دولت سرا سے باہر تشریف لائے اور بآوازِ بلند سب ہاشمی مردوں کو کہا کہ ہٹ جائیں اور پردہ کا پورا انتظام و اہتمام کیا اس کے بعد دو بیبیاں برآمد ہوئیں جو نہایت شرم و وقار کے ساتھ چل رہی تھیں اور جن کے جسم از سرتا پا چھپے ہوئے تھے اور اُن کے اطراف کنیزیں حلقہ کیے ہوئے تھیں۔ جب یہ بیبیاں محمل کے قریب پہنچیں تو اس خوبصورت اور بلند قامت ہاشمی بزرگ نے اُن دونوں کے ہاتھ تھام کر یکے بعد دیگرے محمل میں سوار کرایا۔ جب میں نے یہ حال دیکھا تو دریافت کیا کہ یہ بیبیاں جن کو اس قدر اہتمام و انتظام کے ساتھ سوار کیا گیا ہے کون ہیں اور وہ جوان ہاشمی کون ہے تو معلوم ہوا کہ بیبیاں جناب زینبؑ اور اُمّ کلثومؑ جناب امیر علیہ السّلام اور جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السّلام کی صاحبزادیاں ہیں اور جوان ہاشمی قمر بنی ہاشم

حضرت ابی الفضل العباسؑ ابن علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔ اُن بیبیوں کے بعد دو کمسن لڑکیاں سوار کرائی گئیں جو جناب امام حسینؑ کی صاحبزادیاں جناب فاطمہ کبریٰ اور جناب سکینہ تھیں۔

جناب زینبؑ کی سواری کے واقعہ کو میر انیس اعلی اللہ مقامہٗ نے کیا خوب بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں:۔

پہنچی جونہی ناقے کے قریب دخترِ حیدرؑ — خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے سبطِ پیمبرؐ
فضہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر — تھے پردۂ محمل کو اُٹھائے علی اکبر
فرزند کمر بستہ چپ و راست کھڑے تھے
نعلین اُٹھا لینے کو عباسؑ کھڑے تھے

جب امام علیہ السلام کا قافلہ منزلِ خزیمیہ میں پہنچا تو ایک رات یہاں قیام ہوا صبح کو جناب زینبؑ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور فرمایا کہ بھائی جان آدھی رات گذری ہوگی جب میری آنکھ کھلی تو ہاتف کی میں نے آواز سُنی کہ کہہ رہا ہے:۔

الا یا عینُ فاحتفلی بجهدٍ — ومن یبکی علی الشهداء بعدی
علی قومٍ تسوقهم المنایا — بمقدارٍ الی انجازِ وعدی

ترجمہ:۔ اے میری آنکھ تو خوب آنسوؤں سے بھر جا۔ اور کون روئے گا شہیدوں پر میرے بعد اور ان چند لوگوں پر جن کو موت شوق دلاتی ہے تاکہ وہ اپنا وعدہ پورا کریں جو اُن کے لیے مقسوم ہو چکا ہے۔

امام حسینؑ نے یہ اشعار سن کر فرمایا یا اختاہ کل الذی قضی فهو کائن یعنی جو چیز قضا و قدر میں مقرر ہو چکی ہے وہ ہو کر رہے گی۔

جب امام علیہ السّلام منزلِ رہیمہ پر پہنچے اور حُر ابنِ ریاحی سے ملاقات ہوئی اور یہ آپؑ کے سدِ راہ ہوئے تو امامؑ نے ان پر نفرین کی۔ حضرت سکینہؑ فرماتی ہیں کہ میں

یہ واقعہ دیکھ کر پھوپی اماں کے پاس گئی اور روتے ہوئے سارا ماجرہ بیان کیا اور پھوپی زینبؑ نے ان الفاظ میں ندبہ اور استغاثہ فرمایا :-

" واجدّاہ واعلیاہ واحسناہ واحسیناہ واقلّۃ
ناصراہ لا ادری کیف المخلص من ایدی
الاعادی ولیت الاعادی یرضون ان
یقتلون بدلا عن اخی ۔"

ترجمہ :- ہائے نانا۔ ہائے بابا علیؑ۔ ہائے حسنؑ۔ ہائے حسینؑ ہائے انصار کی قلت، معلوم نہیں دشمنوں سے کیونکر نجات ملے گی۔ اے کاش دشمن اس بات پر راضی ہو جائیں کہ میرے بھائی کے بدلے ہم سب کو قتل کر دیں۔

جناب زینبؑ کے ان الفاظ سے امام حسینؑ سے آپ کی شدتِ محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ تمنا کر رہی ہیں کہ اعداء سب مرد اور عورتوں کو قتل کر دیں اور امام حسین علیہ السّلام کو زندہ چھوڑ دیں۔ جب جناب امام حسینؑ کو بہن کی بیقراری اور اضطراب کا حال معلوم ہوا تو آپ خیمے میں تشریف لائے اور جناب زینبؑ نے آپ سے فرمایا اے بھائی ان اشقیا سے اتمامِ حجت فرمائیے اور رسولؐ سے اپنی قربت و قرابت کا اظہار کیجیے۔ امامؑ نے فرمایا اے بہن میں نے انہیں بہت سمجھایا، پند و نصیحت کی، اُن کے خطوط بتائے لیکن یہ ایسی گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں اور طمع دنیا ان پر ایسی غالب ہو گئی ہے کہ یہ اپنے فاسد ارادوں سے باز نہ آئیں گے اور مجھے قتل کریں گے اور خاک و خون میں لوٹتا دیکھیں گے۔ اے بہن میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ آنے والی بلاؤں اور مصائب پر صبر کرنا۔ میں تم کو آگاہ کیے دیتا ہوں کہ نانا رسول اللہؐ نے مجھے میری شہادت کی خبر دے دی ہے اور یہ غلط نہیں ہو سکتی۔

امام حسینؑ دوسری محرم کو کربلا پہنچے اور جب خیمے نصب ہو چکے اور آپ نے اپنے

خیمہ میں قیام فرمایا تو اس روز شام میں تلوار کو صیقل کرتے جاتے اور اشعارِ ذیل پڑھتے جاتے تھے:-

یا دھر افٍ لک من خلیلِ — کم لک بالاشراق والاصیلِ
من صاحب وطالب قتیلِ — والدھر لا یقنع بالبدیلِ
وکل حیٍّ سالکٌ سبیلی — ما اقرب الوعد من الرحیلِ
وانما الامر الی الجلیلِ — سبحان ربی ما لہ مثیلِ

ترجمہ :- اے زمانے تیری دوستی پر تُف ہے۔ صبح و شام تیرے کئی ساتھی خون کے طالب ہیں اور زمانہ معاوضہ قبول نہیں کرتا۔ ہر زندہ وہی راستہ چلے گا جو میرا ہے۔ کوچ سے وعدہ کتنا ہی قریب ہے۔ بیشک حکم ربِ جلیل کا ہے اور پاک ہے رب جس کی کوئی مثال نہیں۔

امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں کہ میرے پدر بزرگوار بار بار یہ اشعار پڑھتے تھے اور میں سُن کر مغموم و محزون اور آب دیدہ ہوتا تھا کہ آپ اپنی شہادت کی خبر دے رہے ہیں۔ میں نے تو اس وقت صبر سے کام لیا اور اضطراب ظاہر نہیں کیا اس لیے کہ اہلبیتؑ پریشان نہ ہوں لیکن جب پھوپی زینبؑ نے یہ اشعار سُن لیے تو اُن سے ضبط نہ ہو سکا اور روتی ہوئی امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور فرمایا یا اخی وقُرّۃ عینی لیت الموت اعدمنی یا خلیفۃ الماضین وجمال الباقین (اے بھائی اے میری آنکھوں کے نُور اے خلیفہ پیشین اے طلیعہ جمالِ واپسیں کاش موت مجھے دنیا سے اُٹھالے اور میری زندگی ختم ہو جائے)

صاحبِ اعلام الوریٰ کہتے ہیں کہ جناب امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ یہ اشعار امام حسینؑ نے شبِ عاشور ارشاد فرمائے اور جناب زینبؑ سُن کر بیقرار ہو گئیں اور روتی ہوئی ایسی حالت سے کہ آپ کی چادر زمین پر لٹک رہی

تھی، درِ خیمہ پر تشریف لائیں اور فرمایا۔ واثکلاہ لیت الموت اعدمنی الحیوٰۃ الیوم ماتت اُمی فاطمۃ الزہراء وابی علیؑ واخی الحسنؑ یاخلیفۃ الماضیین وثمال الباقین (اے جانشینِ گذشتگان اے ملجا وماوائے باقی ماندگان، افسوس ہے اس مصیبتِ جان سوز پر اے کاش کہ موت میری زندگی کا خاتمہ کردے، آج اماں فاطمۃ الزہراؑ، بابا علیؑ اور بھائی حسنؑ کی موت واقع ہوتی۔)

ہمارے خیال میں امام حسینؑ کا شبِ عاشورا ان اشعار کا پڑھنا قرین قیاس ہے صاحبِ "اعلام الوریٰ" کی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کتاب منتخب اور بعض تواریخ میں بھی یہ اشعار اور جناب زینبؑ کی گفتگو درج ہے۔

کتاب "مبکی العیون" میں روایت ہے کہ ایک روز جناب زینبؑ نے حضرت سید الشہداءؑ سے سوال کیا کہ اے بھائی کیا آپ کی مصیبت حضرت آدمؑ کی مصیبت سے بزرگ تر ہے تو امامؑ نے جواب دیا اے بہن آدمؑ چند روز کی جدائی کے بعد حضرت حواؑ سے مل گئے تھے لیکن میں نانا اور مادرِ گرامی کی وفات کے بعد شہید ہوں گا پھر جناب زینبؑ نے پوچھا کہ حضرت خلیل اللہ ابراہیمؑ کی مصیبت کو آپ کی مصیبت سے کیا نسبت ہے؟ امامؑ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ جب آگ میں پھینکے گئے تو اُن پر آگ سرد ہوگئی اور گلستاں ہوگئی لیکن آتشِ حرب مجھ پر تیز ہوگی تو مجھے ہلاک کرکے چھوڑے گی۔

پھر جناب زینبؑ نے پوچھا کہ حضرت زکریاؑ کی مصیبت عظیم تر تھی یا آپ کی تو حضرت نے جواب دیا کہ حضرت زکریاؑ کو بعد شہادت دفن کر دیا گیا تھا لیکن میری لاش تین روز تک بلا گور وکفن رہے گی اور لاش کا مثلہ کیا جائے گا (یعنی اس پر گھوڑے دوڑا کر اس کو پاش پاش کیا جائے گا) پھر جناب زینبؑ نے فرمایا کہ حضرت یحییٰؑ کی مصیبت سے آپ کی مصیبت کا کیا مقابلہ ہوسکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت

یحییٰؑ کا سر تیغِ ظلم سے کاٹا گیا لیکن بعد شہادت اُن کے اہلِ بیت پر ظلم وستم نہیں کیا گیا اور نہ اُن کو قید کیا گیا، لیکن میرا سر قطع کرنے کے بعد اعداء اُسے نیزہ پر چڑھائیں گے اس کی تشہیر کریں گے اور تم کو اور میرے اہل وعیال واطفال سب کو قید کریں گے پھر جناب زینبؑ نے پوچھا کہ حضرت ایوبؑ کی مصیبت زیادہ تھی یا آپ کی، تو امامؑ نے فرمایا کہ حضرت ایوبؑ کے زخم درست ہوگئے تھے لیکن میرے زخم درست اور مندمل نہ ہوں گے۔ لکھا ہے کہ بعد شہادتِ امام حسینؑ جب جناب زینبؑ قتل گاہ پہنچیں تو اُن انبیاءؑ کے مصائب سے اپنے بھائی کی مصیبتوں کا مقابلہ فرما کر اور یہ بتا کر کہ آپ کے مصائب اُن انبیاءؑ کے مصائب سے شدید تر اور عظیم ترین ہیں نوحہ فرمایا۔

یہاں ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ اسلام میں جو سب سے پہلا سر نیزہ پر بلند کیا گیا وہ سرِ اقدس حضرت امام حسین علیہ السلام سید الشہداء کا تھا۔ سید نعمت اللہ الجزائری کتاب "انوار النعمانیہ" میں تحریر فرماتے ہیں رُوی عن عاصم وعن زرقا اول راس حمل فی الاسلام علی رمح راس الحسین بن علی علیہما السلام۔ (عاصم اور زرقا راوی ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلا سر جو نیزہ پر بلند کیا گیا وہ سرِ حسینؑ ابن علی علیہما السلام تھا۔)

باب ۸

حالات و واقعات کربلا قبل و بعد شہادتِ امام حسین علیہ السلام

واقعاتِ شبِ عاشورا : ابن اثیر تاریخِ کامل میں لکھتے ہیں کہ شبِ عاشورا جب امام حسینؑ اپنے اصحاب و انصار سے گفتگو فرما چکے اور جانے والے ساتھ چھوڑ کر چلے گئے اور رہنے والے رہ گئے تو آپ اپنے خیمہ میں بیٹھے ہوئے اپنی تلوار پر صیقل فرماتے ہوئے یہ اشعار **یا دھر اُف لک فی خلیلٍ** پڑھتے جا رہے تھے۔ جناب زینبؑ نے جب یہ سُنا تو جناب امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ کلمات عرض کیے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔

بعض کتبِ معتبرہ میں ہے کہ جب جناب زینبؑ نے امام حسینؑ کے یہ اشعار سُنے تو گریہ فرمایا اور اظہارِ اضطراب و بیقراری کیا تو امام حسینؑ نے فرمایا: اختاہ **لا یذھبن بحلمک الشیطان** (اے بہن شیطان کہیں تمہارا حلم و صبر نہ چھین لے) جناب زینبؑ نے فرمایا کیا یہ ممکن ہے کہ میں قتل ہو جاؤں اور آپ پر قربان ہو جاؤں اور آپ بچ جائیں۔ امامؑ نے جواب دیا: **لو ترک القطام لنام** (یعنی اگر صیاد مرغ قطام کو اُس کی حالت پر چھوڑ دے تو وہ سو سکتا ہے) اس ارشاد سے امام علیہ السلام کا بظاہر یہی مقصد تھا کہ اگر دشمنانِ دین مجھے میری حالت پر چھوڑ دیں تو البتہ زندگی ممکن ہے لیکن ایسا نہ ہوگا۔ لکھا ہے کہ امامؑ کا یہ کلام سُن کر جناب زینبؑ اس قدر متاثر ہوئیں کہ بیہوش ہو گئیں اور جب آپ کو ہوش آیا تو امامؑ نے فرمایا کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ لَہُ الْحُکْمُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ فَاَیْنَ اَبِیْ وَجَدِّی الَّذَانِ خَیْرٌ مِّنِّیْ

وَلِکُلِّ مُسْلِمٍ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (ہر چیز ہلاک و فنا ہونے والی ہے سوائے ذاتِ خدا کے اور اسی کے لیے حکم و اقتدار ہے اور سب اُسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ کہاں ہیں میرے باپ اور میرے نانا جو مجھ سے بہتر تھے۔ میرے اور ہر مسلم کے لیے اُن کے اُسوۂ حسنہ کی تقلید ضروری ہے۔) یہ فرما کر آپ نے جناب زینبؑ کو تسلی و تشفی دی اور خدا کی قسم دے کر فرمایا کہ اے بہن صبر کرنا۔ میری موت پر نالہ و فریاد نہ کرنا، گریبان چاک نہ کرنا اور لطم نہ کرنا (منہ پر طمانچے مارنے کو لطم کہتے ہیں) اس کے بعد جناب زینبؑ کو ساتھ لیے ہوئے جناب امام زین العابدینؑ کے پاس آئے اور بہن کو یہاں بٹھا کر خود اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ اگر ہم غور و فکر سے کام لیں کہ جناب زینبؑ کو بھائی کی گفتگو سے آپ کی موت کا یقین ہو گیا ہو گا تو آپ کے قلب پر کیا گزری ہو گی اور پھر کس بلا کا صبر کیا ہو گا۔ یہ ایک تصوّر عمر بھر خون کے آنسو رُلانے کے لیے کافی ہے۔

میر انیسؔ اعلی اللہ مقامہٗ نے اس روایت کے مضمون کو خوب باندھا ہے لکھتے ہیں:

وہ حمد کے لائق ہے سزاوارِ ثنا ہے — ہے اس کو بقا اور ہر اک شے کو فنا ہے
راحت نہیں دنیا میں کہ یہ دارِ فنا ہے — آدم کا بدن خاک میں ملنے کو بنا ہے
ہے کوئی بزرگوں میں کرو دھیان اسی کو ؟
دنیا میں نہ چھوڑے گی بہن موت کسی کو

دنیا میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں — جو نورِ خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں؟
ہم سب سے جو تھے افضل و اعلیٰ وہ کہاں ہیں — پیدا ہوئی جن کے لیے دنیا وہ کہاں ہیں؟
جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمدِ مرسل نہ رہے کون رہے گا ؟

کیا ہو گئے اب اُن کو کہیں دیکھتی ہو تم　　تھے مجھ سے بھی بہتر مرے جدّ و پدر و اُم
اک چشمِ زدن میں کوئی پیدا تو کوئی گم　　رہتا ہے سدا بحرِ جہاں میں یہ تلاطم
دشمن ہے کبھی دوست کبھی دوست عدو ہے
ہم لوگ زمانے میں حبابِ لبِ جو ہیں

کتاب "اسرار الشہادۃ" اور بعض دیگر کتب میں لکھا ہے کہ نویں محرم کی شام کو عمر سعد لعین نے شمر ملعون کے اصرار پر لشکر کو حکم دیا کہ مسلح ہو جائے اور شور و غوغا مچاتے ہوئے امام علیہ السّلام اور آپ کے ساتھیوں پر حملہ کر دے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اُس وقت نہایت حالتِ پریشانی میں جناب زینبؑ امام حسینؑ کے خیمے میں آئیں تو دیکھا کہ آپ تلوار پر صیقل کرتے کرتے زانو پر سر رکھ کر آرام کر رہے ہیں جناب زینبؑ خاموش کھڑی ہو گئیں۔ اتنے میں امامؑ بیدار ہوئے اور فرمایا اے بہن ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی میں نے نانا محمدؐ مصطفےٰ اور بابا علیؑ مرتضیٰ، اماں فاطمۃ الزہراؑ اور بھائی حسنِ مجتبیٰؑ کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ اے حسینؑ جلد ہمارے پاس آؤ"۔ اور بعض روایات میں ہے کہ فرمایا "کل ہمارے پاس چلے آؤ"۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ان بزرگواروں نے فرمایا انک ستروح الینا۔ یعنی "تم عنقریب ہمارے پاس آؤ گے"۔ جناب زینبؑ نے یہ سُن کر صیحہ فرمایا اور اپنے رُخسار پر طمانچے مارے۔ امام علیہ السّلام نے بہن کو تسلی دی اور فرمایا کہ "اے بہن خدا کی رحمت تم پر ہو گی اس قوم جفا کار کی ایذا رسانی اور شماتت کا خیال نہ کرو۔"

حالاتِ روزِ عاشورا : روزِ عاشورا جناب زینبؑ کے دو صاحبزادے اور بروایتے تین صاحبزادے شہید ہوئے

تواریخ و مقاتل میں لکھا ہے کہ روزِ عاشورا جب میدانِ قتال و جدال گرم ہوا اور

امام علیہ السّلام کے اصحاب انصار اور بعض بنی ہاشم کام آچکے تو جناب زینبؑ اپنے دو صاحبزادوں حضرت محمد اور حضرت عون کے ہاتھ پکڑے ہوئے حضرت سید الشہداء کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا "اگر عورتوں کے لیے جہاد اور قتال جائز ہوتا تو میں خود اپنی جان ایک نہیں ہزار بار آپ پر فدا کرتی لیکن چونکہ ایسا نہیں ہے اس لیے میرے عوض ان میرے دو بیٹوں کی قربانی قبول ہو۔ امام علیہ السّلام نے بہ مشکل آپ کی استدعا قبول فرمائی۔ دونوں صاحبزادوں نے جہاد کیا اور شہید ہو گئے۔ تواریخ میں ہے کہ جب ان صاحبزادوں کی شہادت کی خبر جناب زینبؑ کو ہوئی تو آپ نے بڑے صبر و تحمل سے کام لیا۔ نہ تو خیمہ سے باہر آئیں اور نہ آواز سے گریہ و نوحہ فرمایا تاکہ امامؑ کو رنج و ندامت نہ ہو۔

ناسخ التواریخ میں ہے کہ روزِ عاشورا جب جناب علی اکبرؑ شہید ہو گئے تو امامؑ نے اُن کی نعش لا کر اہلِ بیت کے خیمے کے در پر رکھ دی۔ حمید ابن مسلم جو لشکر ابن سعد علیہ اللعن کا وقائع نگار تھا بیان کرتا ہے کہ جب حضرت علی اکبرؑ کی لاش درِ خیمہ پر پہنچی تو ایک بی بی حالتِ اضطراب و انتشار میں خیمہ سے باہر نکل آئیں اور یا ثمرۃ فواداہ یا قرۃ عیناہ (اے میرے جگر کے ٹکڑے، اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک) کہتی ہوئی نعش سے لپٹ گئیں اور سخت نالہ و گریہ فرمایا۔ امام حسینؑ آپ کا بازو تھام کر آپ کو خیمہ میں لے گئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ بی بی جناب زینبؑ خاتون، امیر المومنین علی علیہ السّلام کی صاحبزادی تھیں۔ تواریخ و مقاتل بتاتے ہیں کہ جناب امام حسینؑ کو بھی اپنے نوجوان صاحبزادے سے بے حد محبت تھی۔ چنانچہ جب صاحبزادہ شہید ہو گیا تو امامؑ نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا "خداوندا تو گواہ رہنا کہ اس قوم نے آج اس جوانِ رعنا کو قتل کیا ہے جو خَلق میں، خُلق میں سب سے زیادہ تیرے نبیؐ سے مشابہ تھا اور عمر بن سعد

کو مخاطب کر کے فرمایا "اے سعد کے بیٹے تو نے میری نسل قطع کی خدا تیری نسل قطع کرے" غور کرو کہ امام علیہ السّلام کی دعا کس طرح قبول ہوئی کہ امامؑ کی نسل تو اب تک باقی ہے لیکن دنیا میں عمر بن سعدؔ کا کوئی نام لیوا بھی نہیں ہے کتبِ مقاتل اور تواریخ میں سوائے اس ایک موقع کے امامؑ کا عمر ابن سعدؔ یا لشکرِ اعدا کو بد دعا دینے کا پتہ نہیں چلتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جوان علی اکبرؑ کی شہادت کا امامؑ کو کس قدر صدمہ ہوا ہوگا اور یہ آپ کا کس قدر عظیم و شدید امتحان تھا جو خدائے تعالیٰ نے آپ کا لیا۔

کتاب "اسرار الشہادۃ" میں مسطور ہے کہ بروائتے، جب حضرت علی اکبرؑ کی لاش اہلِ بیتؑ کے خیمہ کے قریب پہنچی تو سب سے پہلے ایک بی بی جن کا چہرہ مثل چودھویں رات کے چاند کے درخشاں تھا خیمہ سے باہر نکل آئیں اور وا ولداہ وا مہجۃ قلباہ یالیتنی کنت قبل ھذا الیوم عمیاء او کنت وسدت تحت اطباق الثریٰ (ہائے بیٹا ہائے میرے دل کے ٹکڑے کاش میں پہلے ہی اندھی ہو جاتی یا زمین میں دھنس جاتی اور یہ دن نہ دیکھتی) فرماتی ہوئی لاش سے لپٹ گئیں اور شدّت سے رونے لگیں۔ امام حسینؑ نے بازو تھام کر اُن کو خیمہ میں پہنچایا، یہ بی بی جناب زینبؑ خاتون علیہا السّلام تھیں۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ کتبِ مقاتل و تاریخ سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ جب دوسرے اعزاء اور اقربا یہاں تک کہ خود جناب زینبؑ کے صاحبزادے شہید ہوئے تو آپ خیمہ سے باہر نہیں نکلیں جب اٹھارہ برس کے کڑیل جوان علی اکبرؑ (جو صورت و سیرت، چال اور آواز میں رسول اللہؐ سے بیحد مشابہ تھے) کی لاش خیمہ کے قریب آئی تو چادر و مقنع کا بھی آپ کو لحاظ نہ رہ سکا اور بے پردہ بیساختہ خیمہ سے نکل پڑیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو اپنے جوان بھتیجے سے کس قدر محبت و الفت تھی

اور اُن کی شہادت کا کس قدر آپ کو صدمہ ہوا۔ حضرت علی اکبرؑ کی لاش پر حضرت زینبؑ کی آمد اور اُس وقت آپ کی حالت جو ہوئی اُس کی میر انیسؔ اعلی اللہ مقامہٗ نے اپنے الفاظ میں کیا خوب تصویر کشی کی ہے۔ کہتے ہیں:-

ملتے تھے دُرِ گوش کھلا تھا سر انور — اک دوش پہ اک خاک پہ تھا گوشۂ چادر
گرتی تھیں کبھی اور کبھی چلاتی تھیں اُٹھ کر — ہے ہے علی اکبر علی اکبر علی اکبر
منزل کا پتہ مجھ کو نہ دیتے گئے واری
اس پالنے والی کو نہ لیتے گئے واری

کتاب "اسرار الشہادہ" اور "مہیج الاحزان" میں لکھا ہے کہ روزِ عاشورا جب امام حسینؑ کے سب اعوان و انصار، عزیز و اقارب جامِ شہادت نوش فرما چکے اور آپ تنہا رہ گئے تو جہاد کا قصد فرمایا اور میدانِ کارزار میں جانے سے قبل اہلِ بیتؑ کے خیمہ میں رونق افروز ہوئے اور سب مخدراتِ عصمت و طہارت کو وداع کرنے کے بعد جناب زینبؑ سے فرمایا "اے بہن میرے شیرخوار بچے علی اصغر کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں اُس سے بھی رخصت ہو لوں"۔ جناب زینبؑ نے صاحبزادے کو آپ کی خدمت میں حاضر کیا اور فرمایا کہ یہ بچہ تین روز سے بھوکا پیاسا ہے اگر ممکن ہو تو اس قومِ سنگدل سے اس کے لیے تھوڑا سا پانی طلب کیجیے۔ یہ سُنکر امام علیہ السّلام صاحبزادہ کو گود میں لے کر میدانِ جنگ میں تشریف لائے اور عمر ابن سعدؔ اور لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا "اے قوم تم نے میرے انصار و اقربا کو قتل کیا مجھ سے نکثِ عہد و بیعت کیا میرا شیرخوار بچہ پیاسا ہے اس کو پانی پلا دو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شدّتِ پیاس سے اس کی کیا حالت ہو گئی ہے اور یہ معصوم بے خطا ہے"۔ یہ بھی روایت ہے کہ امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ "میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم مجھے پانی دو کہ میں بچے کو پلاؤں۔ نہیں تم خود چند قطرے اس کے منہ میں ڈال دو"۔ میر انیسؔ اعلی اللہ مقامہٗ

نے اسی روایت کے مضمون کو یوں نظم کیا ہے۔ کہتے ہیں :۔

میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ پانی مجھے لادو ۔۔۔ تم آپ اسے آن کے چلّو سے پلادو
مرتا ہے یہ مرتے ہوئے بچّے کو جلادو ۔۔۔ لِلّٰہ کلیجے کی میرے آگ بجھادو

جب منھ مرا تکتا ہے یہ حسرت کی نظر سے
اے ظالمو اُٹھتا ہے دھواں میرے جگر سے

امام علیہ السّلام ابھی تقریر فرما رہے تھے کہ حُرملہ بن کاہل علیہ اللعن نے ایک تیرِ سہ پہلو تاک کر مارا جو معصوم کے حلقومِ مبارک پر لگا اور صاحبزادہ باپ کی گود میں شہید ہوگیا۔ میر انیسؔ کہتے ہیں :۔

اشک آنکھوں سے شبنم کی طرح ڈھل آئے
ننھے سے انگوٹھے بھی دہن سے نکل آئے

امام حسینؑ اپنے چھوٹے اور ننھے شہید کو سینہ سے لپٹائے ہوئے خیمہ میں آئے اور ننھی لاش جناب زینبؑ کو دے دی اور بچّے کے گلے سے جو خون جاری تھا وہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا اور ریشِ مبارک پر مَل لیا اور فرمایا کہ روزِ قیامت نانا رسولؐ اللہ سے اسی شکل وحالت سے ملاقات کروں گا۔

کتاب "نور العین" میں چند اشعار درج ہیں۔ لکھا ہے کہ جناب اِم کلثومؑ نے یہ اشعار حضرت علی اصغرؑ کی شہادت پر کہے۔ صاحبِ "طراز المذہب" فرماتے ہیں کہ یقیناً یہ اشعار جناب زینبؑ کے ہیں اِم کلثوم آپ کی ہی کنیت تھی شعر درد بھرے ہیں۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے :۔

" اے لوگو اس چھوٹے اور ننھے پیاسے کے لیے میرا دل کس طرح روتا اور افسوس کرتا ہے۔ اس کی دودھ چُھڑائی تیروں سے ہوئی اور وہ جوان ہوتے بھی نہ پایا۔ اُن لوگوں نے اس کے والدین کے دلوں کو جَلا دیا۔ ان کی تذلیل کی اور ان سے انتقام لیا۔

اللہ ہمارے اور ان کے درمیان حشر کے دن فیصلہ فرمائے گا، جب جھگڑے چُکائے جائیں گے۔"

مروی ہے کہ امام حسینؑ لاشِ علی اصغرؑ اپنے سینہ سے لگائے ہوئے خیمہ اہلبیتؑ پر پہنچے تو آپ معصوم کے خون میں بھرے ہوئے تھے اور اس سے مخضّب تھے۔ بیبیاں یہ حال دیکھ کر آپ کے اطراف جمع ہوگئیں اور نوحہ اور گریہ کرنے لگیں۔ جناب زینبؑ نے ننھی سی لاش امامؑ سے لی اور سینہ سے لگا کر کہنے لگیں وا محمّداہ واعلیاہ ما ذالقینا لبعد کما مِنَ الاعداء والبغاۃ علی طفل بدمہ واسفاہ علی رضیع قطم بسہام الاعداء واحسرتاہ علی قریحہ الجفن والاحشاء"

ترجمہ :۔ وا محمّداً وا علیاً دیکھیے آپ کے بعد دشمنوں نے ہم سے کیا سلوک کیا۔! ہائے افسوس ہے اس بچّے پر جو اپنے خون میں رنگ دیا گیا۔ ہائے افسوس اس شیر خوار پر جس کا دودھ تیروں سے چھڑایا گیا۔ ہائے افسوس اس پر جس کی آنکھیں اور انتڑیاں پارہ پارہ ہوگئیں"۔ یہ الفاظ جناب زینبؑ کے ہوں یا جناب ام کلثومؑ کے آخری الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی اصغرؑ کو صرف ایک تیر نہیں لگا تھا بلکہ اُن پر وقت واحد میں کئی تیر چلا دیے گئے جن سے آپ کی آنکھیں اور امعاء زخمی اور ضائع ہوئیں اور صاحبزادہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔

امام حسینؑ کے اس دودھ پیتے بچّے کے اس بے رحمانہ قتل سے سردارانِ یزید اور لشکریوں کی (جو خود کو مسلمان کہتے تھے) چند کیفیات کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ یہ مسلمان نہ تھے اور اگر مسلمان تھے بھی تو برائے نام مسلمان تھے۔ اُنہوں نے مجبوراً یا مصلحتاً ذاتی نفع اور حصولِ دنیا کے لیے اسلام قبول کر رکھا تھا۔ اُن کے دلوں میں نہ خوفِ خدا تھا نہ رسولؐ کی محبّت اور نہ یہ اسلامی تعلیم پر چلتے تھے۔ دوسرے یہ ان کا ظاہری اسلام ان سے ایام جہالت و کفر کی شقاوت، عداوت اور نجاست

کو دُور نہ کر سکا۔ چونکہ ان لوگوں نے اور اُن کے باپ داداؤں نے رغبت و شوق سے اسلام قبول نہیں کیا تھا اس لیے اُن کے قلوب کی صفائی اور طہارت کبھی نہیں ہو سکی جہالت کی ناپاکی میں مبتلا رہے اور واصلِ جہنم ہوئے۔ تیسرے یہ کہ اس ارشادِ باری کی اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا۔ کی تفسیر و تصدیق ہوتی ہے۔ خاندانِ رسولؐ کے ایک معصوم، بے خطا شیر خوار کا یہ قتلِ عمد یہ ظاہر کرتا ہے رسولؐ اللہ، علیؑ اور اولادِ علیؑ سے ان اشقیاء کے دلوں میں اس قدر بغض و کینہ اور دیرینہ عداوت تھی کہ اسلام لانے کے بعد بھی دُور نہیں ہوئی بلکہ اس میں اور شدّت و زیادتی ہوئی غور کرو کہ آخر یہ بغض و کینہ کس لیے تھا؟ اس لیے کہ دینِ الٰہی یا اسلام کے قیام اور حفاظت کے لیے رسولؐ اللہ کو چند لڑائیاں لڑنی پڑیں اور اُن لڑائیوں میں حضرت علیؑ مرتضیٰ کی تلوار سے چند سردارانِ کفّار مارے گئے اور بس۔ ہمارا آئے دن کا تجربہ ہم کو بتاتا ہے کہ اب بھی ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان ایسے ہیں جن کے دلوں میں آلِ محمدؐ کی عداوت ایسی شدّت کے ساتھ ہے جیسا کہ بنی اُمیّہ اور یزیدیوں کے دلوں میں تھی۔ اگرچہ لعنت ملامت کے خوف سے اُس عداوت کو وہ کھلم کھلا ظاہر نہیں کر سکتے نفاق سے کام لیتے ہیں۔ منہ سے آلِ محمدؐ اور اہلِ بیتؑ کی دوستی کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان کے اعمال و کردار سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے قلوب میں محبّت کا شائبہ تک نہیں ہے۔ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ (یہ لوگ منہ سے جو کہتے ہیں وہ ان کے دلوں میں نہیں ہے) ہم اپنی آنکھوں سے ہر سال دیکھتے ہیں کہ روزِ عاشورا یعنی دسویں محرّم کو بہت سے مسلمان عید مناتے اور اس دن کو یوم العید کہتے ہیں اور سب مرد اور عورتیں خصوصاً عورتیں لباسِ فاخرہ پہنتی ہیں۔ عطر مسّی، کاجل لگاتی ہیں۔ بچّوں کو عید کا لباس پہنایا جاتا ہے۔ اُن کی بعض عورتیں مجالسِ حضرت سید الشہداء میں آتی ہیں تو ایسا لباس پہن کر، جو شادی بیاہ یا کسی خوشی کی تقریب

کے لیے موزوں ہوتا ہے نہ کہ غم و ماتم کی مجلس سے مناسبت رکھتا ہے۔ ہم ان مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا اسلام کی یہی تعلیم ہے۔ کیا محبّت و تولّا کے یہی معنی ہیں کہ جس روز محمدؐ مصطفےٰ کا گھر تباہ و برباد کر دیا گیا اُس روز بجائے سیاہ پوش ہونے، غم و سوگ کرنے اور خاک اُڑانے کے عید منائی جائے، اظہارِ مسرّت و شادمانی کیا جائے اور جو لوگ غم منائیں، خاک اُڑائیں، سر و پا برہنہ رہیں، روئیں پیٹیں تو اُن کی علانیہ طور پر دل آزاری اور تذلیل کی جائے ہم ان مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا کسی گھر میں ایک موت بھی واقع ہو جاتی ہے تو اس گھر میں اس خاندان میں اُس روز عید منائی جاتی ہے اور سامانِ مسرّت و شادمانی فراہم کیے جاتے ہیں؟ اسلام یا کوئی اور مذہب اس خلافِ فطرت طریقہ کو کہ غم میں خوشی اور خوشی میں غم کیا جائے جائز نہیں رکھتا۔ دوست تو دوست اگر کسی سلیم الطبع، با دین، با ایمان کا دشمن بھی مر جائے تو وہ اخلاقاً اظہارِ مسرّت کرنا کم ظرفی، کمینہ پن اور جہالت تصور کرتا اور اس سے پرہیز کرتا ہے۔ الغرض حضراتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی دوستی کا دعویٰ کرتے ہوئے ان کی مصیبت پر ایسے افعال و اعمال کا بجا لانا جن سے اظہارِ خوشی و مسرّت ہو قابلِ افسوس ہے۔ چوتھے یہ کہ بعض علماءِ متقدّمین و متاخرین کا یہ نظریہ اور خیال کہ ہر وہ شخص جس نے رسولؐ اللہ کو دیکھا یا آپ کی صحبت میں رہا وہ خیر پر تھا۔ ہماری رائے میں غلط اور لغو ہے تاریخ بتاتی ہے کہ روزِ عاشورا کربلا میں رسولؐ اللہ کے بعض اصحاب امام حسینؑ کے ساتھ تھے اور بعض یزید کے لشکر میں تھے یعنی بعض اسلام و ایمان کے حامی تھے تو بعض کفر و الحاد کے یار و مددگار تھے۔ اگر محض رسولؐ اللہ کی صحبت ہر شخص کے دل کو نورِ محمدیؐ کی شعاعوں سے روشن و منوّر کر سکتی تو ممکن نہ تھا کہ کربلا میں روزِ عاشورا بعض اصحابِ رسولؐ لشکرِ یزید یعنی کفر و الحاد میں نظر آتے۔ ایسا نظریہ رکھنے والے

علماء نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ آفتاب جہاں تاب دنیا کی ہر شے پر اپنی شعاعیں اپنا نور ڈالتا ہے لیکن وہی شے اس کے نور کو اخذ کر سکتی ہے اور اس سے روشن ہوتی ہے جو خود مصفّا و مجلّیٰ ہو۔ ایک صاف آئینہ میں آفتاب کا عکس پڑ کر وہ آب و تاب دکھاتا ہے کہ انسان کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اس کے برعکس ایک سیاہ آئینہ پر آفتاب کی شعاعیں بے اثر ہوتی ہیں، ایسا کہ گویا آفتاب نے اپنا نور اس پر ڈالا ہی نہیں، حالانکہ اس نے ڈالا اور اسی طرح ڈالا جیسا کہ شفاف آئینہ پر ڈالا تھا۔ اسی طرح انسانی قلوب کی حالت ہے کہ جو قلوب مصفّیٰ و مجلّیٰ ہوتے ہیں وہی یہ قابلیت رکھتے ہیں کہ نورِ ولائے محمدؐ و آلِ محمدؐ کو قبول کر سکیں اور جو قلوب سیاہ و کثیف ہوں اُن پر اس نور کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ پس رسولِ اکرمؐ کے وہ صحابہ جو صفائی قلب اور سچے دل سے آپ پر ایمان لائے وہ تو آپ کے نور سے فیض یاب ہوئے اور جن کے قلوب سیاہ و مکدّر تھے اور جنہوں نے طوعاً و کرہاً یا مصلحتاً آپ پر ایمان لانے کی زحمت گوارا کی تو وہ آپ کے نور سے کچھ بھی حاصل نہ کر سکے اور اُن کی مثال تو ایسی ہی ہے کہ:

خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود   چوں بیاید ہنوز خر باشد

بروایتِ طبرسی علیہ الرحمہ حضرت علی اصغرؑ کا اسمِ مبارک عبداللہ تھا اور آپ کو علی اصغر پکارتے تھے۔ جناب علیؑ ابن الحسین زین العابدین علیہ السّلام علی اکبر کہے جاتے تھے اور عام طور سے جن کو علی اکبر کہتے ہیں وہ درحقیقت علی اوسط تھے۔

بحر المصائب میں لکھا ہے کہ روزِ عاشورا جب امام حسینؑ اہل بیتؑ اور امام زین العابدینؑ سے رخصت ہونے کے لیے خیمہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ امام زین العابدینؑ ایک چمڑے پر سخت تکلیف کی حالت میں لیٹے ہیں اور جناب زینبؑ

آپ کی تیمارداری کر رہی ہیں۔ جناب امام زین العابدینؑ نے پدرِ بزرگوار کو دیکھا تو تعظیم کے لیے اُٹھنا چاہا لیکن شدتِ ضعف و نقاہت سے اُٹھا نہ گیا اور جناب زینبؑ سے عرض کیا کہ سہارا دے کر اُٹھائیں۔ جناب زینبؑ نے آپ کو اُٹھایا اور اپنے سینہ پر تکیہ دے کر بٹھایا۔ امام حسینؑ نے مزاج پُرسی کی۔ امام زین العابدینؑ شکرِ خدا بجا لائے اور عرض کیا کہ اے بابا اس گروہ منافقین نے آپ کے ساتھ کیسا برا سلوک کیا۔ امام حسینؑ نے جواب دیا قد استحوذ علیهم الشیطان فانسٰهم ذکر الله المنان (غالب آ گیا شیطان ان پر اور بھلا دیا اُن کے دلوں سے ذکر اللہ المنان) پھر امام زین العابدینؑ نے پوچھا کہ اے بابا چچا عباسؑ کہاں ہیں؟ آپ کا سوال سن کر جناب زینبؑ کا چہرہ زرد ہو گیا اور امام حسینؑ کے چہرۂ اقدس سے حزن و ملال ظاہر ہوا اور آپ نے فرمایا بیٹا تمہارے چچا عباسؑ کنارۂ فرات شہید کر دیے گئے۔ پھر جناب امام زین العابدینؑ نے حضرت علی اکبرؑ اور ہر ایک عزیز کا فرداً فرداً نام لیا اور ان کے متعلق دریافت کیا تو امام حسینؑ نے فرمایا کہ بیٹا سب شہید ہو گئے اب مردوں میں سوائے تمہارے اور میرے کوئی باقی نہیں اور میں بھی اب وعدۂ شہادت پورا کرنے جا رہا ہوں۔ امام زین العابدینؑ نے یہ سُن کر بہت گریہ فرمایا اور جناب زینبؑ سے کہا کہ اے پھوپی ایک عصا اور ایک تلوار مجھے عنایت فرمائیے۔ امام حسینؑ نے پوچھا کہ بیٹا یہ چیزیں لے کر کیا کرو گے تو آپ نے عرض کیا کہ عصا پر تکیہ کروں گا اور تلوار سے فرزندِ رسولؐ کی حمایت میں جہاد کروں گا۔ اس سے نیک تر مقصدِ زندگی کیا ہو سکتا ہے۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہ اے فرزند تم میری ذریت میں سے افضل و طیب عترت ہو اور میرے بعد میرے وصی و جانشین اور خلیفہ ہو گے ان عورتوں اور بچوں کی میرے بعد قید و بلا کی مصیبت و غربت میں حفاظت کرنا۔ ان کو تسلی و دلاسہ دینا۔ اور اے بیٹا میرے شیعوں کو میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ تمہارا امام غربت میں شہید کیا گیا اس کا ماتم کریں اور اس پر روئیں۔ یہ فرما کر آپ نے

ایک بلند صیحہ کیا اور پھر جناب زینبؑ اور دوسری بیبیوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "سنو اور یاد رکھو کہ یہ میرا فرزند میرا وصی، میرا خلیفہ اور امام مفترض الطاعۃ ہے۔" اس کے بعد جناب زینبؑ سے فرمایا کہ میری شہادت کے بعد اشقیا میرے بدن کے کپڑے تک اُتار لیں گے پس میرے لیے ایک جامہ کہنہ و فرسودہ لاؤ کہ میں اس کو پہن لوں تاکہ اشقیا کم از کم وہ میرے بدن پر چھوڑ دیں اور میری لاش عریاں نہ رہے جناب زینبؑ نے جامہ کہنہ حاضر کیا اور امامؑ نے اس کو جابجا چاک فرما کر بطور زیرِ جامہ پہن لیا۔ تواریخ اور مقاتل بتاتے ہیں کہ کلمہ گو مسلمانوں نے اُس کہنہ و فرسودہ چاک شدہ زیر جامہ کو بھی اُتار لیا اور رسولؐ کے نواسے کی لاش عریاں اور برہنہ جلتی ریگ پر چھوڑ دی۔

ترجمۃ المصائب میں روایت ہے کہ روزِ عاشور بعد شہادت حضرت علی اصغرؑ جب امام حسینؑ نے شہادت کے لیے جانے کا قصد فرما لیا تو جناب فضہ سے فرمایا کہ وہ جامہ کہنہ جو آپ نے ایک خاص لفافہ میں رکھوایا تھا اور جس پر چند مہریں ثبت تھیں، حاضر کریں لیکن اس کی اطلاع جناب زینبؑ کو نہ ہونے پائے۔ جناب فضہ روتی ہوئی جامہ لینے کیلئے چلیں تو جناب زینبؑ نے اُن کو روتا دیکھ کر وجہ گریہ دریافت کی لیکن جناب فضہ نے کچھ جواب نہ دیا تو جناب زینبؑ نے اپنی مادرِ گرامی کی قسم دی اور جناب فضہ نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ یہ سُن کر جناب زینبؑ روتے روتے بیہوش ہو گئیں۔ جناب امام حسینؑ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ آپ آئے اور پانی طلب فرمایا جو میسر نہ ہوا اور آپ رونے لگے۔ آپ کے آنسو جناب زینبؑ کے چہرہ پر گرے اور آپ ہوش میں آئیں اور عرض کیا۔ یا اخی این تروح واختك غریبة بلا محرم وانیس و ناصر (اے بھائی اپنی بہن کو بلا کسی محرم، مونس و ناصر و فریادرس کے غربت میں چھوڑ کر کہاں جاتے ہو) امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ ایک

ایسے امرِ محتوم کی تکمیل کے لیے جاتا ہوں جس سے فرار ممکن نہیں۔ جب جناب زینبؑ نے یہ سُنا تو کہا "اے بھائی آپ کے اس کلام نے میرا دل جلا کر کباب کر دیا۔ اے کاش میری ماں مجھے نہ جنتیں اور نہ پالتیں اور آج میں آپ کے ساتھ نہ ہوتی اور روزِ بد نہ دیکھتی۔

روایت ہے کہ یہ پیراہن جو امام علیہ السلام نے جناب فضہ سے طلب فرمایا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا جو رسول اللہ تک پہنچا تھا اور جناب فاطمۃ الزہرا نے اپنی وفات سے تین روز قبل جناب زینبؑ کے سپرد کیا تھا اور فرما دیا تھا کہ اسے محفوظ رکھیں اور جب جناب امام حسینؑ طلب فرمائیں تو دے دیں اور سمجھ لیں کہ اب ان کی زندگی کی ایک گھڑی باقی رہ گئی ہے

جناب امام حسینؑ کی آخری رُخصت کے لیے اہلِ بیت کے خیمہ میں تشریف لائے اور جناب زینبؑ اور بیبیوں کو دلاسہ اور تسلّی دے کر میدانِ وغا کی طرف جانے کی کیفیت میر انیسؒ اعلی اللہ مقامہٗ نے کیا خوب نظم فرمائی ہے۔ کہتے ہیں:۔

خیمہ میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت ایک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت
آنا تو غنیمت تھا پہ جانا تھا قیامت تھوڑا سا وہ رُخصت کا زمانا تھا قیامت
واں بین ادھر صبر و شکیبائی کی باتیں
افسانۂ ماتم تھیں بہن بھائی کی باتیں

مروی ہے کہ جب امام حسینؑ نے جہاد فرمایا تو آپ زخمی ہو گئے اور زخموں کی کثرت کی وجہ سے آپ پر شدید ضعف طاری ہوا اور آپ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے۔ اشقیا نے آپ کو نرغہ میں لے لیا اور شمشیر و تیر و نیزوں سے آپ پر وار پر وار کرنے لگے اور آپ کا جسمِ اقدس چُور چُور ہو گیا۔ میر انیسؒ اعلی اللہ مقامہٗ نے ان حملوں اور ان حملوں کی کیفیت کو نہایت فصیح و بلیغ اور جامع طور پر ایک مصرعہ میں کس خوبی سے بیان فرمایا ہے۔ کہتے ہیں:۔ "لوہا برس رہا تھا تمہارے امامؑ پر"

گردن جھکائے برچھیاں کھایا کیے امام — خوں میں قبائے رسول کی تر ہو گئی تمام
مینھ کی طرح برسنے لگے شاہِ دیں پہ تیر — تھرّاتے تھے لگ کر تنِ نازنیں پہ تیر
دامن پہ تیر جیب پہ تیر آستین پہ تیر — پہلو پہ تیغ سینہ پہ نیزہ جبیں پہ تیر

داغوں سے خوں کے رختِ بدن لالہ زار تھا
شکلِ ضریحِ سینۂ اقدس فگار تھا

ترکتی لہو میں زلف شکن در شکن جُدا — مجروح لعل لب تھے جُدا اور دہن جُدا
در پے تھے نیزہ دار جُدا تیغ زن جُدا — کٹ کٹ کے ہو گیا تھا ہر ایک عضوِ تن جُدا

سی پارہ تھا نہ صدر فقط اُس جنابؑ کا
پُرزے ورق ورق تھا خدا کی کتاب کا

جنابِ زینبؑ امامؑ کی لڑائی درِ خیمہ سے دیکھ رہی تھیں جب آپ نے بھائی کا یہ حال دیکھا کہ نرغۂ اعدا میں گھرے ہوئے زخم پر زخم کھا رہے ہیں تو خیمہ سے باہر نکل آئیں اور آپ کے پاس تشریف لائیں اور کہا: وااخاہ واسیّداہ لیت السماء اطبقت علی الارض ولیت الجبال تدکدکت علی السھل (ہائے بھائی، ہائے سید و سردار۔ اے کاش آسمان زمین پر گر جاتا اور پہاڑ پارہ پارہ ہو جاتے) پھر آپ نے عمر سعدؑ کو مخاطب کیا اور فرمایا "اے عمر ابن سعد لعنؑ ابوعبداللہ الحسین قتل ہو رہے ہیں اور تو دیکھ رہا ہے۔ عمر ابن سعد یہ سن کر آبدیدہ ہوا اور کچھ جواب نہیں دیا تو آپ دوسرے سردارانِ لشکر سے مخاطب ہوئیں اور فرمایا۔ کہ کیا تم میں کوئی مسلمان نہیں جو رسولؐ اللہ کے نواسے کی مدد کرے۔ لیکن کسی شقی نے کچھ جواب نہیں دیا۔

روایت ہے کہ جب مالک بن یسیر علیہ اللعن نے سرِ اقدس امام حسینؑ پر تلوار ماری اور سرِ مبارک زخمی ہو گیا تو آپ نے خود اُتار دیا اس لیے کہ یہ خون سے بھر گیا تھا اور خیمہ میں تشریف

لا کر جنابِ زینبؑ سے کپڑا طلب کیا اور زخم پر باندھ لیا اس کے بعد فرمایا کہ اے زینبؑ اے ام کلثوم، اے رقیہ، اے سکینہ تم سب پر میرا آخری سلام ہے۔ حضرت زینبؑ یہ سُن کر امامؑ کے قریب آئیں اور کہا یا اخی ایقنت بالقتل (اے بھائی کیا آپ کو اپنے قتل ہو جانے کا یقین ہو گیا؟) امامؑ نے فرمایا کہ وہ شخص جس کا کوئی معین و ناصر نہ ہو کیونکر قتل ہو جانے کا یقین نہ کرے۔ جنابِ زینبؑ نے یہ سُنا تو آپ سے لپٹ گئیں اور کہا فمھلا یا اخی قبل الممات ھنیئۃ لتبرد منی لوعۃ وغلیۃ (اے بھائی مرنے سے قبل تھوڑی دیر یہاں ٹھہر جائیے تاکہ آپ کے رُخِ انور کی زیارت سے دل کی بھڑکی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کر لوں۔) پھر آپ کے دونوں ہاتھوں اور پیروں کے بوسے لیے اور سب بیبیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

بحر المصائب میں روایت مسطور ہے اور جنابِ زینبؑ راوی ہیں کہ جب امام حسینؑ اہلِ بیت اطہار اور امام زین العابدینؑ کو وداع کرنے خیمہ میں تشریف لائے اور کچھ دیر ٹھہرے رہے تو یزیدؑ کے لشکر سے آوازیں بلند ہوئیں کہ اے حسینؑ عورتوں میں کیا بیٹھے ہو باہر آؤ اور یزیدؑ کی بیعت کر دیا مارے جاؤ۔ امام علیہ السلام یہ صدا سُن کر ہم سے رُخصت ہوئے اور باہر جاتے ہوئے مجھ سے ارشاد فرمایا "اے بہن میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ تاکہ میں تم کو ایک عجیب و غریب منظر دکھاؤں"۔ میں حضرت کے پیچھے چلی یہاں تک کہ ہم قتل گاہ میں شہدا کے لاشوں پر پہنچے۔ بھائی حسینؑ نے جوں ہی لاشہائے شہدا کو دیکھا تو اُن کو مخاطب کیا اور فرمایا "اے حبیب ابن مظاہر اے زہیر ابن قین، اے ہلال ابن نافع اور اے شجاعانِ عرصۂ صفا و سوارانِ بیشہ ہیجا تم کو کیا ہو گیا کہ میں تم کو پکارتا ہوں اور تم جواب نہیں دیتے۔ میں تم کو بُلاتا ہوں تم نہیں آتے۔ کیا تم سو گئے ہو کہ میں تمہاری بیداری کی پھر توقع رکھوں یا تم کو موت نے ہمیشہ کے لیے سُلا دیا ہے اور اب تم اپنے امام کی مدد نہ کر سکو گے؟ سنو خاندانِ

رسولؐ کی یہ مخدرات تمہارے نہ ہونے سے نزار و دلفگار ہیں۔ کیا تم وہی نہ تھے جو میری نصرت کرنے اور میرے ساتھ فیضِ شہادت حاصل کرنے کے لیے اپنی بیبیوں کو طلاق دے کر اور گھر دار مال و اسباب چھوڑ کر میرے ساتھ ہوگئے تھے؟ اے اصحابِ کرام اس گہری نیند سے چونکو اور اس قومِ کافر کیش و بداندیش کو حرمِ رسولؐ سے دور کرو۔ ہاں ہاں اگر تم زندہ ہوتے تو حاشا و کلّا میری نصرت سے باز نہ آتے۔ خدا کی قسم موت نے تم کو عاجز و لاچار کردیا ہے۔ زمانہ نے تم سے عذر و فریب کیا میں تمہاری جدائی پر روتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ میں بہت جلد تم سے ملوں گا۔" جنابِ زینبؑ فرماتی ہیں کہ جب بھائی نے تقریر ختم کی تو خدا کی قسم لاشہائے شہدار متحرک اور مضطرب ہوگئیں گویا وہ اُٹھ کھڑا ہونا چاہتے ہیں۔ پھر امامؑ نے ابی الفضل العباسؑ کے جسدِ مطہر کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ "اے بھائی یہ قومِ شوم سمجھتی ہے کہ میں جہاد سے خائف ہوں اور یزید پلید کی بیعت کرلوں لا واللہ ایسا نہیں ہے۔ اس کے بعد بھائی نے مجھے خیمہ کی طرف بھیجدیا اور خود مصروفِ قتال و جدال ہوئے اور دو ہزار پانچ سو اشقیا کو واصلِ جہنم کیا۔ بعض ضعیف الایمان اور بدعقیدہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ایک ایسے انسان کے لیے جو تین دن سے بھوکا و پیاسا ہو کیونکر ممکن تھا کہ ہزاروں کو قتل کرسکتا ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ عزرائیلؑ فرشتہ اگر وقتِ واحد میں لاکھوں کی روح قبض کرسکتا ہے اور رسولؐ اللہ چشم زدن میں ساتوں آسمانوں کی سیر کرکے اپنے مقام پر آسکتے ہیں تو حسینؑ ابن علیؑ بھی ہزاروں کو قتل کرسکتے ہیں۔

مصائب الابرار میں روایت ہے کہ جب امام حسینؑ کے انصار شہید ہوگئے اور آپ نے تنہا جہاد کا قصد فرمایا تو آپ نے سُنا کہ کوئی بی بی کہہ رہی ہیں۔

یاسبط الرسولؐ ارجع انظر الیٰ الغریبان کیف عولن بالحسرات۔

اے فرزندِ رسولؐ ایک دفعہ پھر واپس آئیے اور دیکھیے کہ یہ غریب و بیکس عورتیں کس طرح نالہ و زاری کررہی ہیں۔) امامؑ یہ سن کر پلٹے اور ملاحظہ فرمایا کہ جنابِ زینبؑ ہیں۔ آپ خیمہ میں داخل ہوئے اور اہلِ حرم کی حالتِ اضطراب اور گریہ وزاری دیکھ کر خود بھی روئے۔ جنابِ زینبؑ نے آپ سے معانقہ کیا اور آپ کے گلوئے مبارک کے بوسے لیے اور کہا۔ "اے بھائی جان آپ کی دوری کا تصور میرے دل کو جلاتا ہے اور آپ کی جُدائی کا خیال میرے جگر کو پگھلاتا ہے اور آپ کی شہادت کا خیال مجھے رُلاتا اور میرے آنسو بہاتا اور میرے ہم و غم کو ہیجان میں لاتا ہے اے بھائی آپ کو کیوں کر گوارا ہے کہ آپ کے بعد آپ کے خیام لوٹے جائیں اور آپ کے عیال و اطفال کی چادریں چھین لی جائیں۔" امام علیہ السّلام نے یہ جانگداز تقریر سُن کر فرمایا۔ "اے بہن مصائب اور بلاؤں پر صبر کرو۔ بابا اور مادرِ گرامی کی پیروی کرو کہ اُنہوں نے نزولِ مصائب پر صبر و شکر کیا۔ یہ فرماکر پھر میدانِ جنگ کیطرف لوٹے۔ "مفتاح البکا" میں بھی روایت کا مضمون یہی ہے لیکن آخر میں لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ جنابِ زینبؑ کو صبر و شکر کی تلقین فرماکر جانے لگے تو جنابِ زینبؑ نے کہا کہ ذرا ٹھہر جائیے تاکہ میں مادرِ گرامی کی وصیت پوری کرلوں۔ امامؑ ٹھہر گئے اور آپ قریب آئیں اور گلوئے مبارک کے بوسے لیے اور کہا کہ اماںؑ کی یہی وصیت تھی کہ جس جگہ رسولؐ اللہ بوسے لیتے تھے میں بھی اسی جگہ کے بوسے لوں اس کے بعد بھائی بہن گلے مل کر خوب روئے۔

کتبِ مقاتل میں ہے کہ جب امام حسینؑ زخمی ہوکر گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے اور اعدار نے آپ کے اطراف حلقہ باندھ کر آپ پر وار کرنا شروع کیا تو امام حسن علیہ السّلام کا ایک کمسن صاحبزادہ عبداللہ ابن حسنؑ خیمہ سے آپ کی طرف دوڑا جنابِ زینبؑ نے ہر چند روکنے کی کوشش کی لیکن صاحبزادہ یہ کہتا ہوا کہ میں چچا کو

اس عالمِ بیکسی میں نہیں دیکھ سکتا، اُن کی نصرت کروں گا دوڑ کر امامؑ کے پاس پہنچ گیا اور آپ کی گود میں بیٹھ گیا۔ ایک ملعون شقی نے امامؑ پر تلوار کا وار کیا تو چچا کو بچانے کے لیے صاحبزادے نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے ہاتھ قلم ہو گئے اور امامؑ کی گود میں گرے امامؑ نے جو کثرتِ جراحات کی وجہ سے حالتِ غشی میں تھے کوئی چیز گود میں گرتی ہوئی محسوس فرما کر آنکھ کھولی تو دیکھا کہ بچّے کے کٹے ہوئے ہاتھ گود میں پڑے ہیں اور بچہ تڑپ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے ایک آہِ سرد بھری اور فرمایا۔ "خدایا آلِ محمدؐ کی یہ قربانی بھی قبول ہو"۔ شہدائے کربلا میں یہ صاحبزادہ آخری تھا جس نے اپنی جان امام علیہ السّلام پر قربان کی۔ ہمارے بعض اصحاب نے خیال کیا ہے کہ یہ امام حسن علیہ السّلام کا صاحبزادہ نہیں ہو سکتا بلکہ حضرت کا نواسہ تھا اور استدلال پیش کرتے ہیں کہ امام حسن علیہ السّلام کی شہادت ۴۹ھ ہجری یا ۵۰ھ ہجری میں بتائی جاتی ہے اور کربلا کا واقعہ ۶۱ھ ہجری میں۔ یعنی آپ کی شہادت کے گیارہ یا بارہ برس بعد پیش آیا، تو کیونکر ممکن ہے کہ اس وقت آپ کا ایک کمسن صاحبزادہ جس کی عمر بالعموم چار یا پانچ سال بتائی جاتی ہے موجود ہو۔ ہمارے خیال میں دونوں امکانی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یعنی یہ صاحبزادہ امام حسنؑ کا بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ ان کی عمر گیارہ یا بارہ سال یا اس سے زیادہ کی مان لی جائے لیکن اگر صاحبزادہ کی عمر گیارہ یا بارہ سال یا اس سے زائد تصوّر کر لی جائے تو سوال یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ پھر اس صاحبزادہ نے مثل حضرت محمدّ و حضرات عون اور حضرت قاسم کے جہاد کیوں نہیں کیا اور آخری وقت تک خیمہ میں کیوں رہا۔ روایت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحبزادہ کمسن تھا اسی لیے جناب زینبؑ نے روکنا چاہا۔ پس اگر صاحبزادہ کا کمسن ہونا مان لیا جائے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ صاحبزادہ جیسا کہ بعض اصحاب کا خیال ہے امام حسن علیہ السّلام کا نواسہ تھا۔ جملہ اُمور اور پہلوؤں پر غور

کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ صاحبزادہ امام حسن علیہ السّلام کا نواسہ ہی تھا۔ اس لیے کہ اگر فرزند ہوتا تو عمر گیارہ یا بارہ سال کی ہوتی اور ضرور مثل اپنے بھائی قاسم ابن الحسنؑ کے جہاد کرتا اس طرح اپنے خاندانی روایات کے خلاف گھر میں بیٹھا نہ رہتا۔

روایت ہے کہ جب امام حسینؑ شہید ہو گئے تو جبرئیل امین نے صدا دی کہ الا قد قتل الحسین بکربلا اور آثارِ ظلمت و غبار نمایاں ہوئے۔ جناب زینبؑ آواز سُن کر اور آثارِ غضبِ الٰہی دیکھ کر امام زین العابدینؑ کے پاس آئیں اور فرمایا کہ "بیٹا اٹھو اور دیکھو کہ کیا سانحہ ہوا۔ امام زین العابدینؑ نے پھوپی سے کہا ذرا خیمہ کا پردہ تو اٹھائیے۔ جب پردہ اُٹھا تو آپ نے میدانِ جنگ کی طرف دیکھ کر کہا "پھوپی اماں میرے بابا شہید ہو گئے اور ان کے ساتھ جود و کرم کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اہلِ حرم کو خبر دیدیجیے اور کہدیجیے کہ صبر و ہمّت و استقلال سے کام لیں لُٹنے اور قید ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔

کتب مقاتل میں ہے کہ جب امام حسین علیہ السّلام تنِ تنہا ہزاروں کا مقابلہ کر رہے تھے تو جناب زینبؑ درِ خیمہ سے آپ کی جنگ دیکھ رہی تھیں جب آپ زخمی ہو گئے تو ایک نشیب میں داخل ہوئے اور آپ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو آپ خیمہ سے باہر نکل آئیں اور ایک بلند مقام پر پہنچیں تو بھائی کو ایک گڑھے میں لیٹا ہوا دیکھا اس بلند مقام کا جہاں جناب زینبؑ کھڑی ہوئی تھیں اب بھی نشان ہے اور اس کو تلِ زینبیہ کہا جاتا ہے۔

* * *

باب ۹

حالات جناب زینب علیہا السّلام بعد شہادت امام حسین علیہ السّلام

مقتل ابی مخنف میں روایت ہے کہ بعد شہادت امام آپ کا گھوڑا اپنی پیشانی خون میں رنگین کر کے فریاد و صہیل کرتا ہوا خیمہ اہلِ بیت کی جانب دوڑا ہوا آیا۔ جناب زینبؑ نے گھوڑے کو دیکھ کر جناب سکینہؑ کا ہاتھ تھام لیا اور خیمہ سے باہر آئیں۔ جنابِ سکینہؑ نے گھوڑے کی حالت دیکھی اور گھوڑے کو بلا سوار کے پایا تو شدید گریہ فرمایا اور جناب زینبؑ نے مرثیہ کے طور پر چند اشعار کہے۔

اصولِ کافی۔ انوار الشہادۃ اور بعض کتب مقاتل و تاریخ میں لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ شہید کر دیے گئے اور آپ کا سر اقدس تنِ مطہر سے جُدا کر دیا گیا تو عمر ابن سعد ملعون نے حسب الحکم ابنِ زیاد علیہ اللعن و العذاب حکم دیا کہ آپؑ کی نعشِ مطہر پر گھوڑے دوڑا دیے جائیں اور اس کے لیے گھوڑوں کی از سرِ نو نعل بندی کی گئی۔ اس کی اطلاع جب جناب زینبؑ کو ہوئی تو آپ سخت بیقرار ہوئیں اور آسمان کی طرف سر اُٹھا کر کہا "بارِ الٰہا بنی اُمیہ نے میرے بھائی کو پیاسا شہید کیا اُن کے سرِ مقدس کو نیزہ پر چڑھایا۔ اُن کے بدن کو برہنہ کیا جو دھوپ میں جل رہا ہے اب گھوڑے دوڑا کر بدنِ مطہر کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔ بار الٰہا اس بیاباں میں ہم پر کوئی رحم کرنے والا نہیں"۔ بالآخر جسم اقدس پر گھوڑے دوڑائے گئے اور جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ الشیخ سید الشبلجی مصری اپنی کتاب "نور الابصار فی مناقب آلِ بیت النبی المختار" میں لکھتے ہیں کہ جب جناب امیر المومنین علی علیہ السّلام کا وقتِ انتقال قریب

ہوا تو آپ نے امام حسن علیہ السّلام کو وصایا فرمائیں۔ جن میں ایک یہ وصیت بھی تھی کہ قاتل کو صرف ایک ضرب شمشیر لگانا اس لیے کہ اس نے بھی ایک ہی ضرب حضرت کو لگائی تھی۔ اس کے جسم کا مثلہ نہ کرنا اس لیے کہ رسولؐ اللہ کو آپ نے کہتے ہوئے سُنا تھا کہ ایاکم والمثلہ ولو بالکلب العقور یعنی خبردار تم کبھی کسی کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا چاہے وہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو مسلمانوں کو رسولؐ نے تو یہ تاکید فرمائی لیکن اُنہوں نے اس کی تعمیل یوں کی کہ خود اُنؐ کے نواسے کے جسمِ مطہر پر گھوڑے دوڑائے اور اس کو پاش پاش کر دیا۔

ناسخ التواریخ میں جناب زینبؑ سے روایت ہے کہ بعد شہادت امام حسینؑ عمر بن سعد نے خیموں کو لوٹ لینے کا حکم دیا تو اشقیا خیامِ اہلِ بیتؑ میں داخل ہوئے اور ایک شخص ارزق العینین بیمار علیؑ ابن الحسینؑ کے خیمہ میں داخل ہوا اور وہ چمڑا جس پر وہ لیٹے ہوئے تھے ان کے نیچے سے کھینچ لیا اور وہ خاک پر رہ گئے پھر اُس شقی نے میرے کانوں سے گوشوارے اس بیدردی سے کھینچے کہ کانوں سے خون جاری ہو گیا اور یہ دیکھ کر رونے لگا۔ میں نے پوچھا کہ اے شقی روتا کیوں ہے؟ تو کہا کہ تم لوگوں کی بے بسی اور بیکسی پر روتا ہوں۔ مجھے یہ سُن کر بیحد رنج و ملال ہوا اور میں نے اس کو کہا قطع اللہ یدیك و رجلیك و احرقك بنار الدنیا قبل نار الآخرۃ (خدا تیرے ہاتھ اور پاؤں قطع کرے اور تجھے آخرت کی آگ میں جلانے سے قبل دنیا کی آگ کا مزا چکھائے۔) جناب معصومہ کی بددعا قبول ہوئی۔ لکھا ہے کہ یہ شقی گرفتار ہو کر جب حضرت مختار کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پیر کاٹے جائیں اور یہ آگ میں جلا دیا جائے۔

کتاب "اخبار الدول" میں روایت ہے کہ بعدِ شہادتِ امام حسینؑ جب شمر علیہ اللعن و العذاب امام زین العابدینؑ کے خیمہ میں داخل ہوا اور آپ کو بسترِ

مرض پر پایا تو آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ جناب زینبؑ بھتیجے سے لپٹ گئیں اور شمرؔ سے کہا۔ "خدا کی قسم اس نوجوان کے ساتھ میں بھی قتل ہوں گی۔ شمرؔ نے یہ حال دیکھا تو اپنے ارادے سے باز آیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جناب زینبؑ نے امام زین العابدینؑ کی حمایت کی اور آپ کو قتل ہونے سے بچایا۔

جلاء العینین میں جناب فاطمہؑ بنت الحسینؑ سے منقول ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ "بعد شہادت حضرت سید الشہداء میں درِ خیمہ پر مدہوش کھڑی تھی اور بیابان ناپیدا کنار اور لشکرہائے بیشمار کا نظارہ کر رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ میرے پدرِ بزرگوار اعمام اور بھائیوں کے لاشہائے بے سر مثل گوسفندانِ قربانی زمین پر پڑے ہیں اور اُن کے جسم برہنہ، کوفتہ و فرسودہ پامالِ سمِ اسپاں ہیں۔ میں سوچ رہی تھی کہ اب اشقیاء ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے، اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک سوار نیزہ ہاتھ میں لیے آیا اور زنانِ اہلِ بیت کو مار مار کر لوٹنا شروع کیا۔ اس اثناء میں دوسرے اشقیاء بھی لوٹ پڑے اور لوٹ مار شروع کر دی۔ ایک شقی نے میری طرف رُخ کیا، میں دوڑی کہ پھوپی زینبؑ کے پاس پناہ لوں لیکن اُس نے دوڑ کر میرے شانوں پر پشتِ نیزہ سے مارا اور میں منہ کے بل گر پڑی اور اس نے میرے کانوں سے گوشوارے کھینچ لیے جس سے میرے کان شگافتہ ہو گئے سر سے مقنع اور پاؤں سے خلخال اُتار لیے ..... میرے سر اور کانوں سے خون بہہ رہا تھا اور میں بیہوش ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ پھوپی زینبؑ میرے سرہانے بیٹھی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ بیٹی اُٹھو، دیکھو اور بیبیوں پر کیا گذری۔ میں نے کہا، کوئی کپڑا ہوتا تو سر ڈھانپتی، تو فرمایا یا بنتاہ عمتکِ مثلکِ (بیٹی تیری پھوپی بھی تیری ہی طرح بے ردا و بے مقنع ہے۔) جسمِ مبارک پھوپی کا بھی کعبِ نیزہ کی مار سے نیلگوں ہو گیا تھا۔ بہر حال ہم دونوں اٹھے اور چلے اور جس خیمہ کو دیکھا لوٹا ہوا پایا۔ بھائی علیؑ ابن الحسینؑ بیمار کے خیمہ میں پہنچے

تو دیکھا کہ وہ حضرت زمین پر پڑے ہیں اور شدّتِ مرض، بھوک و پیاس کی وجہ سے بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

کتاب "انوار الشہادۃ" میں روایت ہے کہ بعدِ شہادتِ امام حسینؑ جب سرِ شام اہلِ بیتؑ کے خیمے جلا دیے گئے۔ سامان لوٹ لیا گیا اور چادریں چھین لی گئیں تو سب بیبیاں اور بچے پریشان و ہراساں میدان میں نکل گئے اور منتشر ہو گئے تو جناب زینبؑ نے سب کو ایک جگہ جمع کیا اور حضرت فضّہ کے ذریعہ عمرِ سعد کے پاس کہلا بھیجا کہ سب خیمے جلا دیے گئے، فرش و لباس و سامان لوٹ لیا گیا۔ ہم پر رحم کر اور یتیم بچّوں کے لیے لباس اور سر چھپانے کے لیے ایک خیمہ بھیج دے۔ عمرِ سعد ملعون نے پہلے تو کچھ اعتناء نہ کی لیکن بعد میں ایک جلا ہوا خیمہ بھیجدیا اور جناب زینبؑ نے وہی خیمہ نصب کیا اور بچّوں اور بیبیوں کو اس میں بٹھا دیا اور جناب امِ کلثوم سے فرمایا کہ اے بہن آج تک ابی الفضل العباسؑ، علی اکبرؑ اور قاسمؑ اور دوسرے اقرباء ہماری حفاظت اور نگرانی کرتے رہے لیکن آج ہم تنہا اور حالتِ غربت میں ہیں آؤ آج تم اور میں ان بیواؤں اور یتیم بچوں کی پاسبانی کریں۔ پس سب خستہ و دل شکستہ بیبیوں اور بچّوں کو لٹا دیا گیا اور جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ پاسبانی کرتی رہیں۔ جناب زینبؑ راوی ہیں کہ اندھیری رات میں ہم نے دیکھا کہ کوئی ہماری طرف آ رہا ہے۔ میں نے ندا دی، کون ہے جو اس شب میں پھر بچّوں کو ستانے آ رہا ہے۔ آنے والے نے صدائے نالہ و آہ بلند کی اور کہا کہ بہن زینبؑ میں حسینؑ ہوں تمہاری نگہبانی کے لیے آیا ہوں۔ اے بہن میں زندہ ہوں اور تمہارے مصائب سے میرا دل سوزناک ہے۔ یہ فرما کر آپ نظروں سے غائب ہو گئے اور میں روتی رہ گئی۔ اس روایت میں جناب زینبؑ کا عمر سعد کے پاس خیمہ اور لباس کے لیے جناب فضّہ کو روانہ کرنا جو لکھا ہے وہ صحیح نہیں

معلوم ہوتا۔ اس کا ذکر کسی اور روایت میں نہیں ہے اور عقل و قرینہ سے کبھی یہ واقعہ درست نہیں معلوم ہوتا۔ جناب زینبؑ کی شان اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع تھی کہ آپ اپنے جانی دشمن اور اپنے بھائی کے قاتل سے کسی قسم کا بھی سوال کرتیں یا مراعات کی خواہاں ہوتیں اور پھر جب بخوبی جانتی تھیں کہ یہ سب ملاعین ایسے سنگدل اور شقی القلب ہیں کہ ایک معصوم چھ مہینے کے بچّے کے لیے جب پانی کا سوال کیا گیا تو تیروں سے اس کا جواب دیا اور بچہ کو جامِ آب پلانے کے عوض جام شہادت سے سیراب کیا۔

صاحبِ "بحر المصائب" ابن جوزی کی کتاب مفاتیح الغیب سے نقل کرتے ہیں کہ بعد شہادتِ امام حسینؑ جب خیموں کو آگ لگادی گئی تو جناب زینبؑ اور سب بیبیاں امام زین العابدینؑ کی طرف دوڑیں تاکہ آپ کو بچائیں۔ جناب زینبؑ نے حضرت سجادؑ کو جو حالتِ غشی میں تھے بیدار فرمایا اور کہا کہ اے حجتِ خدا خیموں کو آگ لگادی گئی ہے۔ آگ کی تمازت سے بچّے جھلس رہے ہیں اور اندیشہ ہے کہ جل جائیں، بتاؤ اب ہماری تکلیف کیا ہے اور ہم کو کیا کرنا چاہیے؟ امام زین العابدینؑ جو بوجہ شدتِ ضعف و نقاہت بات نہ کرسکے ہاتھ سے اشارہ فرمادیا کہ صحرا و بیابان کی طرف نکل جاؤ اور حسبِ ارشادِ حجۃ اللہ جناب زینبؑ نے بیبیوں سے فرمایا علیکن بالفرار یعنی تم سب یہاں سے بھاگ نکلو پس بیبیاں اور بچّے میدان میں نکل گئے اور منتشر ہوگئے۔

صاحبِ "بحر المصائب" کہتے ہیں کہ متعدد کتب میں یہ روایت پائی گئی ہے کہ بعد شہادتِ امام حسینؑ حسب الحکم عمر سعد کشتگان لشکر زیاد کو دفن کیا گیا لیکن رسولؐ اللہ کے نواسے اور آپ کے انصار کی لاشیں بلا گور و کفن چھوڑ دی گئیں اور سرہائے شہداء اسی روز زجر ابن قیس کے ذریعہ کوفہ بھیج دیے گئے۔ اہل بیتؑ کا

سامان لوٹ لیا گیا۔ خیمے جلا دیے گئے۔ جب شام ہوگئی تو جناب زینبؑ سب بیبیوں اور بچّوں کو جو اس دار و گیر میں منتشر ہوگئے تھے ایک جگہ جمع کیا اور فرشِ خاک پر بٹھا دیا۔ بچّے جو بھوکے پیاسے تھے بار بار جناب زینبؑ سے لپٹتے تھے اور رو رو کر کہتے تھے کہ بھوک و پیاس نے ہماری انتڑیوں کو جلا دیا ہے۔ ہمیں تھوڑا کھانا اور پانی دیجیے۔ جناب زینبؑ بچّوں کی اس بلبلاہٹ اور بے چینی کو دیکھ کر بیقرار ہو گئیں اور جناب ام کلثوم سے فرمایا۔ ما نصنع بھٰذہ اللیلۃ بھٰذہ الفتیات الضائعات و بھٰذہ الاطفال (اے بہن ام کلثوم بتاؤ اس شبِ تاریک میں ہم ان نیم جان لڑکیوں اور بچّوں کے لیے کیا کریں۔) جناب ام کلثوم نے کہا آپ بزرگ ہیں جو مناسب خیال فرمائیں وہ کریں۔ جناب زینبؑ نے فرمایا میری رائے تو یہ ہے کہ سب بچّوں، لڑکے اور لڑکیوں کو ایک جگہ جمع کیا جائے اور بیمار علیؑ ابن الحسینؑ کو ان کے درمیان لٹا دیا جائے اور تم ایک جانب بیٹھو اور میں ایک جانب بیٹھ جاؤں اور ان سب کی نگرانی اور پاسبانی کریں۔ جناب ام کلثوم نے سمعاً و طاعۃً کہا۔ بچّے اور بیبیاں جمع کی گئیں۔ امام زین العابدینؑ کو ان کے درمیان بلا تکیہ و بستر ریگ بیابان پر لٹا دیا گیا۔ بوجہ شدتِ مرض آپ کی حالت یہ تھی کہ آپ بات نہ کرسکتے تھے۔ نیم غشی کے عالم میں خاموش لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد جناب زینبؑ نے جناب امِ کلثومؑ سے کہا، اے بہن تمام دن بھائی حسینؑ اور آپ کے اصحاب و انصار کے لیے روتے روتے میں بیحد خستہ حال ہوگئی ہوں، چاہتی ہوں کہ ایک ساعت لیٹ رہوں پس تم ہوشیار رہو اور ان بیواؤں اور یتیموں کی حفاظت و نگرانی کرو۔ جناب امِ کلثومؑ نے بسر و چشم کہا اور جناب زینبؑ فرشِ خاک پر لیٹ گئیں۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ جناب امِ کلثوم نے دیکھا کہ بیابان کی طرف سے ایک سیاہی نمودار ہوئی جو آپ کی طرف آتی ہوئی معلوم ہوئی۔ جناب امِ کلثوم یہ دیکھ کر خائف ہوئیں۔

اور جناب زینبؑ کو پکار کر کہا، اے بہن اُٹھو اور دیکھو کہ کوئی سیاہ چیز اس طرف آرہی ہے نہ معلوم اس تاریکیٔ شب میں اور کیا مصیبت ہم پر نازل ہونے کو ہے۔ جناب زینبؑ اُٹھ بیٹھیں۔ جناب ام کلثومؑ کو خوف سے لرزاں پاکر پوچھا کہ تم کیوں اس قدر ترساں و لرزاں ہو، تو جناب ام کلثوم نے کہا، وہ دیکھیے کوئی سیاہ چیز اس طرف آرہی ہے۔ نہ معلوم وہ کوئی وحشی درندہ ہے یا لشکرِ ابن زیاد سے کوئی شقی آرہا ہے۔ اس اثنا میں دوسری بیبیاں اور بچے بھی ہوشیار ہوگئے اور خوف سے ایک دوسرے سے لپٹ گئیں اور صدائے واجداہ وا محمدؐاہ وا علیاہ واحسناہ واضیعتاہ بعدك یا اباعبد اللہ بلند کیں۔ جب وہ سیاہ چیز قریب ہو گئی تو جناب زینبؑ نے دیکھا کہ وہ ایک مردِ سیاہ پوش ہے تو آپ نے ڈانٹ کر کہا بحق اللہ علیك مَن تکون ایها الرجل فقد روعت و اللہ قلوبنا وقلوب هذه الفتیات الضائعات والاطفال الصغار۔ (تجھے خدا کی قسم ہے بتا کہ تو کون ہے اے مرد کہ اندھیری رات میں اس طرح آکر ہمارے اور ان لڑکے، لڑکیوں اور کمسن بچوں کے خوف اور دہشت کا باعث ہوا۔) یہ سن کر اس مرد نے کہا: لا تجزعی انا ابوك علیٌّ اتیت لاحرسك هذه اللیلة۔ (مت ڈرو میں تمہارا باپ علیؑ ہوں جو آج کی رات تم سب کی حفاظت کرنے آیا ہوں۔) جناب زینبؑ نے جب یہ سُنا تو رونے اور منہ پیٹنے لگیں اور کہا اے بابا کاش آپ چند ساعت قبل تشریف لاتے اور اپنے حسینؑ کی حالت ملاحظہ فرماتے کہ وہ ہر چند مدد طلب کرتے تھے لیکن کوئی بھی اُن کی فریاد کو نہ پہنچتا تھا اور جس سے بھی پناہ مانگتے پناہ نہ دیتا تھا۔ اے بابا خدا کی قسم وہ پیاسے شہید ہوئے یہ اشقیا اپنے حیوانوں، گھوڑوں کو بار بار پانی پلاتے تھے لیکن حسینؑ کو ایک قطرہ آب نہ دیا۔ یہ سُن کر جناب امیر علیہ السّلام نے جناب زینبؑ کو سینے سے لپٹا لیا

اور دلاسہ و تسلی دی اور جو رحمت و کرامت خدا نے حضرت سید الشہداء اور شہدائے کربلا اور اہلِ بیتؑ کے لیے مخصوص فرمائی ہے بیان فرمائی۔ صبر کی تلقین کی اور کہا کہ بیٹی تم اب بلا خوف و خطر آرام کرو میں تم سب کی حفاظت کروں گا۔ یہ بھی روایت ہے کہ اسی رات میں جناب فاطمۃ الزہرا بھی تشریف لائیں اور جنابِ زینبؑ اور جنابِ ام کلثومؑ کو یہ فرما کر تسلی دی اصبری یا بنتاہ ان اللہ تبارك وتعالیٰ قد وعدكم اجراً عظیما ومقامات جلیلہ۔
اے بیٹی صبر کرو اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم سب کے لیے اجرِ عظیم اور مقاماتِ جلیلہ مقرر فرمائے ہیں۔) اس کے بعد فرمایا، بیٹی تم آرام کرو میں اور تمہارے باپ آج رات تم سب کی حفاظت اور پاسبانی کریں گے۔

روایت ہے کہ بعدِ شہادت حضرت سید الشہداء جب رات آئی تو جناب سکینہؑ اپنے والدِ ماجد کے جسدِ اقدس کی تلاش میں قتل گاہ چلی گئیں۔ جنابِ زینبؑ نے سب بچوں کو جمع کیا تو آپ کو نہ پایا بیحد پریشان ہوئیں۔ اس لیے کہ جناب امام حسینؑ کی یہ لاڈلی صاحبزادی تھیں اور آپ نے خاص طور سے جناب زینبؑ کو آپ کے متعلق سفارش و وصیت فرمائی تھی۔ جب آپ کو نہ پایا تو بیقراری اور حالتِ اضطراب میں امام حسینؑ کو پکارا اور کہا کہ اے بھائی حسینؑ بتا دو کہ آپ کی پیاری بیٹی سکینہ بنت رباب کہاں ہے۔ آواز آئی اختاہ بنتی سکینۃ فی کنفی۔
اے بہن سکینہؑ میرے پہلو میں ہے)۔

یہ آواز سُن کر جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ نعشِ مطہر حضرت سید الشہداء پر پہنچیں اور جناب سکینہؑ کو باپ سے لپٹی ہوئی پائیں اور سمجھا منا کر واپس لائیں۔

"انوار الشہادۃ" میں روایت ہے کہ بعد شہادت امام حسینؑ سوائے اس خیمہ کے جس میں آپ امامؑ عبادت کیا کرتے تھے باقی سب خیمے جل گئے تو اہلِ حرم نے

اسی خیمہ میں پناہ لی۔ عمر ابن سعد آیا اور پکار کر کہا کہ اے اہلِ بیتؑ خیمہ سے باہر آؤ ورنہ اس خیمہ کو آگ لگادی جائے گی۔ جناب زینبؑ اِس شقی کی یہ صدا سُن کر پریشان ہوئیں اور فرمایا اے عمر خدا سے ڈر اور اس قدر ظلم و ستم نہ کر، تو اُس نے کہا باہر آؤ اور اسیر ہو جاؤ۔ جناب زینبؑ نے باہر نکلنے سے انکار کیا اور عمر سعد ملعون کے حکم سے خیمہ کو آگ لگادی گئی اور بیبیاں اور بچّے واغوثاہ وامحمّداہ واعلیاہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے اور قتل گاہ کی طرف دوڑے۔ جناب زینبؑ نعشِ امام علیہ السّلام پر پہنچیں اور شکستہ دل، غمگین آواز سے کہنے لگیں وامحمّداہ صلّی اللہ علیک ملیک السماء ھٰذا حسین مرمّل بالدماء مقطع الاعضاء بناتک سبایا الیَ اللہِ مشتکیٰ والیٰ محمّدنِ المصطفیٰ والیٰ علیِ المرتضیٰ والیٰ حمزہ سیّد الشھداء وامحمّدا ھٰذا حسین بالعراء یسفی علیہ الصباء۔ قتیل اولاد البغایا۔ یا حزناہ یاکرباہ۔ الیوم مات جدّی رسول اللہ یا اصحاب محمّد ھٰؤلآء ذرّیۃ المصطفیٰ یساقون سوق السبایا۔ (یا محمّد آپ پر آفرینندۂ آسمان رحمت و صلوٰۃ بھیجتا ہے یہ حسینؑ ہیں جو خون کی چادر اوڑھے ہوئے ہیں اور جن کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں اور آپ کی بیٹیاں قید ہو گئی ہیں میں اس ظلم و بیداد کی شکایت خدا سے، آپ سے، علی مرتضیٰ اور حمزہ سیّد الشہداء سے کرتی ہوں۔ یا محمّدؐ یہ حسینؑ چٹیل میدان میں پڑے ہیں جن کے بدن پر خاک اُڑ رہی ہے۔ انھیں فاحشہ عورتوں کی اولاد نے قتل کیا۔ افسوس ہے اس غم و الم پر۔ آج میرے نانا رسولؐ اللہ کی وفات ہوئی۔ اے اصحابِ محمّدؐ دیکھو یہ ذرّیتِ محمّدؐ مصطفیٰ ہیں جو مثل قیدیوں کے ہانکے جا رہے ہیں۔ لکھا ہے کہ جب جناب زینبؑ یہ کلمات کہہ رہی تھیں تو سُن کر دوست اور دشمن زار زار رونے لگے۔ جناب زینبؑ نے اس ارشاد میں فاحشہ عورتوں کی

اولاد (اولاد البغایا) جو فرمایا ہے تو یہ اشارہ ہے ابوسفیان اور عبیداللہ ابن زیاد کی طرف۔ تواریخ میں ہے کہ ابوسفیان کی زوجہ ایک حبشی کی طرف مائل تھی۔ ابن زیاد کے متعلّق تاریخِ فخری میں جو واقعہ لکھا ہے وہ یہ ہے :۔

کانت سمیۃ امّ زیاد بغیا عن بغایا العرب ولھا زوج اسمہٗ عبید۔ فاتفق ان اباسفیان وھو ابومعاویۃ نزل بخمّار یقال لہ ابومریم فطلب ابوسفیان بغیا فقال ابومریم ھل لک فی سمیۃ وکان ابوسفیان یعرفھا۔ فقال ھاتھا علی طول ثدیھا وذفر بطنھا فاتاہ بھا فوقع ابوسفیان علیھا فعلقت منہ بزیاد ثم وضعتہ علیٰ فراش زوجھا عبید۔

(ترجمہ) سمیہ زیاد کی ماں عرب کی بدکار عورتوں میں سے ایک بدکار اور فاحشہ عورت تھی۔ جس کا شوہر عبید تھا۔ ایک روز معاویہ کا باپ ابوسفیان ابومریم خمّار (شراب فروش) کے پاس آیا اور اُس سے خواہش کی کہ ایک عورت فراہم کر دے۔ ابومریم نے پوچھا کہ کیا تو سمیہ کو پسند کرتا ہے۔ ابوسفیان سمیہ سے واقف تھا اس لیے کہا کہ ہاں، اس کو لے آ۔ اُس کے طویل پستانوں اور اُس کے پیٹ کی بدبو کو پسند کرتا ہوں۔ ابومریم خمّار اس کو لایا۔ ابوسفیان نے اس سے ہم بستری کی اور زیاد کا نطفہ قرار پایا اور جب زیاد پیدا ہوا تو سمیہ نے اس کو اپنے شوہر عبید کے بستر پر ڈال دیا۔ (یعنی عبید سے اس کو منسوب کیا) تواریخ میں ہے کہ جب معاویہ ابن ابوسفیان تخت و تاج کے مالک ہوئے تو کوشش کی کہ ابن زیاد کو امیر المومنین علی علیہ السّلام کی پارٹی سے جدا کر کے اس سے بھائی چارا کر لیں اور اپنی طرف کر لیں۔ اس لیے کہ یہ بڑا چلتا پرزہ اور

بڑا مقرر (اسپیکر) تھا۔ زیاد راضی نہ ہوتا تھا اس لیے معاویہ نے اس کو بلایا اور کہا کہ تو میرا بھائی ہے اس پر زیاد بہت بگڑا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ امیر معاویہ نے بھری محفل میں گواہی دلوا دی کہ زیاد ان کا بھائی ہے۔ تاریخِ فخری میں یہ واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے:۔ وحضر شھود مجلس معاویہ۔ فشھدوا بانّ زیاداً ولد ابی سفیان۔ فمن جملۃ شھود ابومریم الخمّار الذی احضر سمیہ الی ابی سفیان وکان ھذا ابومریم قد اسلم و حسن اسلامہ فقال لہ بم تشھد یا ابامریم قال اشھد ان اباسفیان حضر عندی وطلب منّی بغیا فقلت لہ لیس عندی الّا سمیہ فقال ھاتھا علی قذرھا فاتیتہ بھا فخلا معھا۔

ترجمہ: معاویہ کی محفل میں گواہ پیش ہوئے اور گواہی دی کہ زیاد ابوسفیان سے پیدا ہوا منجملہ اور گواہوں کے ابومریم شراب فروش بھی تھا جو سمیہ کو ابوسفیان کے لیے لایا تھا۔ یہ ابومریم مسلمان ہو گیا تھا اور اچھا مسلمان تھا پس معاویہ نے اس سے کہا کہ کیا گواہی دیتا ہے پیش کر۔ ابومریم نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک روز ابوسفیان میرے پاس آئے اور مجھ سے ایک بدکار عورت طلب کی، میں نے کہا کہ اس وقت تو سوائے سمیہ کے اور کوئی عورت میرے پاس نہیں ہے، تو ابوسفیان نے کہا اسی کو لے آ۔ اس لیے کہ اس کی کثافت اور جسم کی بدبو مجھے پسند ہے۔ پس میں سمیہ کو لایا اور ابوسفیان نے اس سے خلوت کی۔

تاریخِ فخری کی عبارتِ بالا سے زیاد کے ابوسفیان کی اولاد ہونے کے علاوہ اور چند عجیب وغریب اُمور کا انکشاف ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ ابوسفیان کا مذاق ان کی طبیعت کی گندگی کو ظاہر کرتا ہے کہ ایک غلیظ وکثیف عورت پردہ مائل

ہوئے اور بوجہ اس کی بدبو اور غلاظت کے اس کو پسند کیا۔ دوسرے یہ کہ معاویہ ابن ابوسفیان کی طبیعت، طینت وخصلت اور دنیا پرستی کا پتہ چلتا ہے کہ یہ دنیا کے اس قدر مرید اور دلدادہ تھے کہ اس کے حصول کی خاطر اپنے باپ کو بھری محفل میں زانی قرار دلوانے میں ذرا بھی تامّل نہیں کیا۔ گواہوں سے باپ کے اس فعلِ شنیع کے متعلق گواہی دلوا کر ہی چھوڑا۔

اہلِ دنیا خصوصاً مسلمان خود غور کریں کہ جب ایسے قماش فطرت اور اخلاق کے لوگوں میں اسلامی حکومت واقتدار منتقل ہو گیا تو انہوں نے کیسی حکمرانی کی ہوگی۔ ایسے لوگوں کی امام حسینؑ، رسول اللہ کے نواسے تو کجا ایک معمولی سچا اور باایمان مسلمان بھی کیونکر بیعت کر سکتا تھا!! افسوس کہ اس پر بھی بعض مسلمان علماء نے امام حسین علیہ السّلام کو یزید کے مقابل میں باغی ٹھہرایا ہماری دعا ان علماء کے لیے یہ ہے کہ خدا اُنہیں روزِ قیامت یزید کے ساتھ محشور کرے اور آخرت میں اُن کا مقام وہی قرار دے جو یزید کا ہوگا۔

تواریخ میں ہے کہ جب حضرت عائشہ کو معاویہ کا ابن زیاد کو اپنا بھائی قرار دینے کا واقعہ معلوم ہوا تو اُنھوں نے کہا رکبت الصلعاء یعنی ایک امرِ شنیع کا مرتکب ہوا۔

افسوس ہے کہ جناب زینبؑ کے پاک تذکرہ میں ایسے ناپاک واقعات کا ہم کو ذکر کرنا پڑا۔ ہم مجبور تھے۔ خیال آیا کہ ممکن ہے بعض کم ایمان، کم عقیدہ حضرات جناب زینبؑ کے ان الفاظ اولاد البغایا (فاحشہ عورتوں کی اولاد) دیکھ کر اعتراض کریں کہ آپ نے خواہ مخواہ غصہ اور نفسانیت کی وجہ سے یزیدیوں کے متعلق ایسے سخت اور ناروا الفاظ استعمال کر دیے۔ پس ہم بتا دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ جناب زینبؑ نے خلاف واقعہ محض غصہ اور نفسانیت کی وجہ سے

ایسا نہیں کہا بلکہ تاریخی اور حقیقی واقعات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اعثم کوفی نے اپنی تاریخ میں جناب زینبؑ کے یہ کلمات جو ہم نے درج کیے، لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ جب حضرت سید الشہداء علیہ التحیۃ والثناء کا خالی گھوڑا اہلِ بیتؑ کے خیمہ پر آیا تو سب بیبیاں قتل گاہ کی طرف روانہ ہوئیں اور جناب زینبؑ نے امام علیہ السّلام کے تنِ بے سر پر پہنچ کر وہ تقریر فرمائی جو ماقبل مسطور ہے۔

مفتاح البکا میں روایت ہے کہ حمید ابن مسلم کہتا ہے کہ جب خیام اہلِ بیتؑ کو آگ لگادی گئی اور خیمے جلنے لگے تو میں نے دیکھا کہ ایک بی بی ایک جلتے ہوئے خیمہ کی طرف دوڑیں اور خود کو آگ میں ڈال دیا اور ایک نوجوان کو کھینچتی ہوئی باہر لائیں اس وقت اس بی بی کے پیر لڑکھڑا رہے تھے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ وہ بی بی زینبؑ بنت علیؑ ابن ابیطالبؑ ہیں اور وہ نوجوان علیؑ ابن الحسینؑ ہیں۔ جب اُس بی بی کی عمر ابن سعد علیہ اللعن پر نظر پڑی تو پکار کر کہا اے پسرِ سعد خدا تیری نسل قطع کرے کیا تیرے باپ سعد نے یہی وصیت تجھے کی تھی کہ ایسے جرائم کا مرتکب ہو۔ ان واقعات سے جو اس روایت میں بیان کیے گئے ہیں، جناب زینبؑ کی ہمت وشجاعت، استقلال وتحمل، عظمت وجلال کی شان ظاہر ہوتی ہے۔

"بحر المصائب" میں روایت ہے کہ جناب زینبؑ امام حسینؑ کی نعشِ مطہر پر پہنچیں تو رسولؐ اللہ کو مخاطب کرکے یہ اشعار کہے۔

ھٰذا الذی قد کنت تلثم نحرہ — امسیٰ نحیرا من حدود ظبائھا
من بعد ھجرک یارسول اللہ قد — القیٰ طریحا فی ثری رمضائھا

ترجمہ: یارسولؐ اللہ یہ وہی حسینؑ ہیں جنکے گلوئے مبارک کو آپ چومتے تھے۔ شام کو وہ ذبح ہوگئے ان اشقیاء کی تلواروں کی دھاروں سے۔ آپ کے دنیا سے جانے کے بعد وہ پچھاڑ دیے گئے گرم ریت پر۔

اور پھر اپنی مادرِ گرامی کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

یا اماہ ھٰذا حسینک غریق بالدما
وعطشان فی ارض المحنۃ والبلا
افاطمہ لوخلت الحسینؑ مجدلاً
وشمر بنعلیہ علی صدرہ یرتقی

ترجمہ: اے امّاں یہ آپ کے حسینؑ ہیں جو پیاسے اور اپنے خون میں ڈوبے ہوئے زمینِ کربلا میں پڑے ہیں۔ اے فاطمہؑ کاش آپ دیکھتیں حسینؑ کو کہ وہ پچھاڑ دیے گئے اور شمر نعلین پہنے ہوئے ان کے سینہ پر چڑھا ہوا ہے۔

روایت ہے کہ جب جناب زینبؑ کو معلوم ہوا کہ دوسرے روز یعنی گیارہویں محرم کو اشقیا سب اہلِ بیتؑ کو اسیر کرکے کوفے جانے والے ہیں تو رات میں آپ نے جناب امِ کلثومؑ سے فرمایا: اختاہ تعالی ان نروح الی جسد اخینا الحسین ونودعہ (اے بہن آؤ بھائی حسینؑ کی نعش پر جائیں اور اُن سے رخصت ہولیں۔) پس دونوں روتی ہوئی روانہ ہوئیں اور امام علیہ السّلام کی نعش مطہر پر پہنچ کر گریہ ونوحہ فرمانے لگیں۔

عاشورا کی کیفیت جناب رازق الخیری صاحب نے "سیدہ کی بیٹی" میں خوب بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"ٹھیک اُس وقت جب مسجدوں میں نمازِ عصر ادا ہورہی تھی کربلا کے ریگستان میں نبیؐ کے پیاروں کے قتل اور بربادی پر شادیانے بج رہے تھے۔ اُدھر فتح کے نقارے اور کامیابی کے قہقہے تھے اور اِدھر حسینی خیموں میں آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کررہے تھے۔"

"اب سیدانیوں کے خیمے کو لوٹا گیا۔ زر و جواہر، مال و متاع کیا ملتا۔ وہاں اللہ کا نام تھا لیکن جن شقی القلب انسانوں کے ہاتھ رسولؐ کے پیاروں کو قتل کرنے کے لیے بڑھے تھے کیا وہ سیدانیوں کی بے حرمتی سے رُک سکتے تھے۔ خاک میں اَٹی ہوئی ردائیں اور قمیصیں جھیر جھیر کی گئیں!!

"ابن اثیر لکھتا ہے کہ اگر کوئی عورت کمر ڈھکنے کے لیے کپڑا اوڑھتی تو وہ بھی چھین لیا جاتا۔"

باب ۱۰

حالاتِ روانگی از کربلا بجانب کوفہ و حالاتِ سفر

* * * * *

ابن اثیر تاریخِ کامل میں لکھتے ہیں کہ بعد شہادتِ امام حسینؑ عمر بن سعد دو روز کربلا میں ٹھہرا رہا اور بارہ محرم کو کوفہ روانہ ہوا۔ اگر ابن اثیر کی روایت صحیح ہو تو اہلِ بیتؑ بارہ محرم کو کوفہ کی جانب روانہ ہوئے اس لیے کہ روزِ عاشورا عصرِ تنگ کے وقت امام حسینؑ شہید ہوئے اور بقول ابن اثیر شہادت کے بعد دو روز عمر بن سعد کربلا میں رہا تو پھر یقیناً بارہ محرم کو شام کے وقت اہلِ بیتؑ کو لے کر کوفہ روانہ ہوا۔

اکثر تواریخ اور مقاتل میں اہلِ بیتؑ کی کوفہ کو روانگی کی تاریخ گیارہ محرم بتائی گئی ہے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ روز عاشورا ہی عصر کے بعد اپنے مقتولین کو دفن کر کے عمر ابن سعد سرِ مغرب کوفہ روانہ ہو گیا۔ یہ خبر صحیح نہیں معلوم ہوتی اس لیے کہ بعض معتبر اور مستند روایات سے پایا جاتا ہے کہ جب امام حسینؑ کے سب انصار و اعزا و شہید ہو گئے تو بعد ظہر آپ نے خود جہاد فرمایا اور زخمی ہو کر گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے اور تقریباً تین ساعت حالتِ غشی میں ریگ پر رہے۔ اس اثنا میں کئی ملاعین سرِ اقدس جدا کرنے آئے لیکن جو آتا تھا آپ اس کو دیکھتے تھے اور وہ ملعون مرعوب ہو جاتا اور یہ کہتا ہوا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ دیکھ رہے ہیں واپس چلا جاتا بالآخر عصرِ تنگ کا وقت ہوا اور آپ اٹھ کر نمازِ عصر میں مشغول ہوئے اور جیسے ہی سجدہ میں تشریف لے گئے گردن کی طرف سے آپ کو

ذبح کر دیا گیا۔ جب عصرِ تنگ کے وقت امام علیہ السّلام کی شہادت واقع ہوئی اور اس کے بعد اشقیا نے اہلِ بیتؑ کا مال و اسباب لوٹا خیمے جلائے، اپنے مقتولین کو دفن کیا تو کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ان سب اُمور سے فارغ ہو کر اسی روز سرِ مغرب کوفہ روانہ ہو جاتے۔

رازق الخیری صاحب نے بھی ۱۲ محرّم تاریخِ روانگی بتائی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"۱۲ محرّم ...... اہلِ بیت کو جن کے کپڑے پھٹے ہوئے جن کے چہرے گرد آلود تھے رسیوں سے کس کر باندھ دیا گیا اور پھر اونٹوں پر جن کی پشت پر کجاوہ بھی نہ تھا بٹھا دیا گیا۔ سیدانیوں کے چہرے کھلے اور اُن کے ہاتھ پشت کی طرف بندھے ہوئے تھے۔"

صاحبِ خصائص زینبیہ" لکھتے ہیں کہ دوسرے روز بعد عصر اہلِ بیتؑ کوفہ روانہ کیے گئے اور عمر سعد نے شہدا کے سرہائے مبارک مختلف قبیلوں کے سرداروں کے سپرد کیے، اس خیال سے کہ راستہ میں لوگ یہ دیکھ کر کہ تمام قبائل جنگ میں شریک تھے مزاحمت کی جرأت نہ کریں۔

ہمارا خیال ہے کہ گیارہ محرم تاریخِ روانگی صحیح ہے اس لیے کہ امام علیہ السّلام کو شہید کر دینے کے بعد یزیدیوں کو اس لق و دق صحرا میں رہنے کی کیا ضرورت تھی انہیں تو کوفہ پہنچنے اور ابن زیاد سے انعام و اکرام حاصل کرنے کی لو لگی ہو گی۔

صاحبِ ریاض الشہادت لکھتے ہیں کہ جب اہلِ بیتؑ کوفہ جاتے ہوئے قتل گاہ میں وارد ہوئے تو ہر ایک بی بی اپنے عزیز و قریب کے جسد سے جا کر لپٹ گئی۔ جناب زینبؑ امام حسینؑ کے جسدِ مطہر سے لپٹیں اور ایک چیخ مار کر شدید گریہ فرمایا اور پھر مدینہ کی طرف منہ پھیر کر فرمایا۔ یا رسول اللہ ھٰذا الحسین قبلۃ والصقت

صدرہ علی صدرک وتلثم نحرہ فقد صرع فی الصحرا مجروح الاعضاء ونحرہ منحور وصدرہ مسکور و راسہ مقطوع من القفا و رفع علی القنا وجسمہ تحت سنابک خیول اھل البغا واولاد الطلقاء یاجداہ نحن اھل بیتک بالذل والھوان فی دار غربۃ وفی اسر کفرۃ فجرہ۔ (یا رسول اللہ یہ آپ کے حسینؑ ہیں جن کو آپ چوما کرتے تھے اور اپنے سینے سے لگایا کرتے تھے اور جن کے گلوئے مبارک کے بوسے لیتے تھے۔ یہ پچھاڑ دیے گئے۔ ان کے اعضا مجروح ہو گئے، ان کا سر گردن سے کاٹا گیا اور نیزہ پر چڑھا دیا گیا۔ ان کا سینہ چور چور ہے اور ان کا جسم باغیوں اور آزاد کردہ لوگوں کی اولاد کے گھوڑوں کے سموں سے پامال اور پاش پاش ہے۔ اے نانا ہم اہل بیتؑ دارِ غربت میں ذلیل و حقیر کر دیے گئے اور کافروں اور فاجروں کے قیدی ہو گئے) کتاب منتخب میں ہے کہ جناب زینبؑ یہ کلمات ارشاد فرما کر گریہ فرما رہی تھیں کہ ایک ملعون قریب آیا اور آپ کی پشت پر اس زور سے کعب نیزہ سے مارا کہ آپ زمین پر گر پڑیں اور شقی نے آپ سے کہا، بھائی سے رخصت ختم ہوئی اب اونٹ پر سوار ہو جاؤ۔ جناب زینبؑ اٹھیں اور امام حسینؑ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اودعک اللہ عزوجل یا ابن اُمی یا یا شفیق روحی فان فراقی ھٰذا الیس عن ضجر ولا عن ملالۃ ولکن یا ابن امی کما تری یا نور بصری فاقرء جدی وابی و اُمی واخی منی السلام ثم اخبرھم بما جری علینا من ھؤلا القوم۔ (اے میرے ماں جائے اے میرے شفیق روح میں آپ کو اللہ عزوجل کے حوالے کرتی ہوں۔ میں ضجر و ملال کی وجہ سے آپ سے جدا نہیں ہو رہی ہوں بلکہ آپ نے خود دیکھ لیا کہ کس جبر و سختی کے ساتھ مجھے آپ سے جدا

کیا جا رہا ہے۔ اے میرے ماں جائے اے میری آنکھوں کے نور نانا، بابا، اماں
اور بھائی کو میرا اسلام کہیے اور سہم پر جو کچھ اس قومِ لئیم کے ہاتھوں گذری ہے خبر دیجیے

صاحبِ "بیت الاحزان" لکھتے ہیں کہ جناب زینبؑ نے قتل گاہ میں جناب امِ کلثومؑ کو نہ پایا تو تلاش میں نکلیں اور آپ کو کنارۂ فرات پر حضرت ابی الفضل العباسؑ کی نعش پر روتے ہوئے پایا اور وہاں سے ساتھ لاکر سوار کرایا۔

بحر المصائب میں روایت ہے کہ جب اہلِ بیتؑ قتل گاہ میں لاشہائے شہداء سے وداع ہو رہے تھے تو جناب سکینہؑ اپنے پدرِ بزرگوار کی لاشِ مطہر سے لپٹی ہوئی گریہ و بین فرما رہی تھیں۔ شمر ملعون قریب آکر ڈرانے دھمکانے لگا اور تشدد کے ساتھ آپ کو نعشِ مطہر سے جدا کرنا چاہا تو جناب زینبؑ اس کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا، اے شمر خدا تیرے ہاتھ قطع کرے تجھے شرم نہیں آتی کہ ایک دل دکھی کمسن لڑکی کو جو اپنے باپ کے لیے رو رہی ہے اور ان کے حلقومِ بریدہ کے بوسے لے رہی ہے تو ڈراتا، دھمکاتا اور سختی کرتا ہے۔

مفتاح البکا میں روایت ہے کہ جب اہل بیتؑ قتل گاہ میں پہنچے تو جناب زینبؑ چاروں طرف غور سے دیکھنے لگیں جیسے کسی چیز کی تلاش ہے پس آپ کی نظر ایک جسدِ بے سر پر پڑی جس کے اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں اور خون بہہ رہا ہے آپ کا دل اس جسد کی طرف بیحد مائل ہوا اور آپ آہستہ آہستہ اس جسد کے پاس آئیں اور فرمایا یا ھٰذا من انت أانت اخی (اے شخص تو کون ہے۔ کیا تو میرا بھائی ہے؟) لاش سے کچھ جواب نہ ملا تو پھر آپ نے کہا اے جسدِ بے سر تجھے نانا رسول اللہؐ کی قسم مجھ سے بات کر، تجھے بابا علی مرتضیٰؑ کی قسم اگر تو میرے شفیق بھائی کا جسد ہے تو مجھ سے بات کر، پھر بھی کچھ جواب نہ ملا تو آپ نے کہا تجھے میری ماں فاطمۃ الزہراؑ کی قسم اگر تو ہی میرا بھائی ہے تو مجھ سے بات کر، پھر بھی جواب نہ ملا تو بیحد بیقرار ہوئیں اور کہا۔

یا ھٰذا السلام علی جسمک المجروح وبدنک مطروح (اے شخص میرا سلام ہے تیرے جسمِ مجروح اور بدنِ مطروح پر) اس دفعہ حلقومِ بریدہ سے آواز آئی۔ یا اختاہ ھٰذا الیوم الثانی والفراق وھٰذا الیوم وعدنی جدی (اے بہن آج کا دن جدائی اور فرقت کا ہے اور اس دن کا نانا نے مجھ سے وعدہ لیا تھا) جب جناب زینبؑ نے بھائی کا یہ کلام سنا تو کہا۔ "اے بھائی اگر تم میرے بھائی ہو تو اٹھ بیٹھو۔ جسدِ بے سر اٹھ بیٹھا اور جناب زینبؑ نے سینہ سے لگا لیا۔ حلقومِ بریدہ پر منہ رکھ کر دھاڑیں مار کر ایسا روئیں جیسا کہ جوان بیٹے کے لیے ماں روتی ہے اور پھر بطور نوحہ چند اشعار پڑھے۔

"بحر المصائب" میں ہے کہ جناب ام کلثومؑ فرماتی ہیں کہ جب میں قتل گاہ میں پہنچی تو مجھے خیال آیا کہ بھائی حسینؑ جہاد کے لیے گئے تو ایک جامۂ کہنہ بطور زیرِ جامہ پہن کر گئے تھے تاکہ اشقیا کم از کم اس کو بدن پر چھوڑ دیں۔ پس یہ دیکھنے کیلیے کہ آیا وہ جامۂ کہنہ بھی اشقیاء نے چھوڑا یا نہیں۔ میں نعشِ مطہر کے پاس گئی تو دیکھا کہ بہن زینبؑ بیٹھی ہوئی ہیں اور گریہ فرما رہی ہیں اور اشقیاء نے وہ زیرِ جامہ بھی اتار لیا ہے اور آپ کی نعش خاک و خون میں غلطاں عریاں پڑی ہے۔

محبان اور غلامانِ حسینؑ ذرا غور و فکر و تصور سے کام لیں تو صرف یہ ایک مصیبت عمر بھر خون رلانے اور خاک اڑانے کے لیے کافی ہے۔ جناب زینبؑ، جناب امِ کلثومؑ اور دوسری مخدراتِ عصمت و طہارت کا کیا حال ہوا ہو گا جب انہوں نے اپنے آقا و سردار و امامؑ کی یہ حالت دیکھی ہو گی کہ جسمِ اقدس بلا سر ہے۔ مجروح و مطروح خاک و خون میں آلودہ عریاں ریگِ گرم پر پڑا ہے اور دفن و کفن کا کوئی سامان نہیں۔ جب عمر سعد جلدی کرنے لگا اور اہلِ بیتؑ کو جلد اونٹوں پر سوار ہو جانے پر اصرار کیا اور سب بیبیاں سوار ہو گئیں تو جناب زینبؑ نے اہلِ کوفہ و

شام کو مخاطب کرکے فرمایا یا اصحاب محمدؐ هٰؤلآء ذریۃ المصطفیٰ
یساقون سوق السبایا واویلا واحزنا۔ (اے محمد مصطفیٰؐ کے اصحاب
(اُمتیو!) ہم تمہارے پیغمبر محمد مصطفیٰؐ کی ذریت ہیں اور تم ہم کو مثل قیدیوں کے
ہانکے لے جاتے ہو واویلا واحزنا۔

بروایتے معتبر جناب امام زین العابدینؑ سے منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں
کہ روزِ عاشورا ہم پر جو کچھ گذرنا تھا گذر گیا۔ دوسرے روز کوفہ لیجانے کے لیے
ہم کو اونٹوں پر سوار کر دیا گیا اور ہم قتل گاہ میں پہنچے تو میں نے عجیب دلفگار اور
جگر خراش منظر دیکھا کہ شہداء کے لاشہائے مطہر خاک وخون میں آلودہ بلا سروں
کے ریگ بیابان میں پڑے ہیں۔ اشقیاء نے اُنھیں دفن تک نہیں کیا حالانکہ اپنے
مقتولین کو دفن کر دیا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے اس قدر قلق واضطراب ہوا کہ قریب تھا
کہ جان تن سے نکل جائے۔ میری اس حالت کا مشاہدہ فرماکر پھوپی زینبؑ نے
مجھ سے پوچھا مالی اراك تجود نفسك یا بقیۃ جدی ابی واخی
(اے میرے نانا، بابا اور بھائی کی یادگار تجھے کیا ہو گیا میں دیکھ رہی ہوں کہ تیرا
دم نکلنے کو ہے۔) میں نے عرض کی، اے پھوپی جان کیونکر میرا یہ حال نہ ہو جبکہ میں
دیکھ رہا ہوں کہ میرے بابا، چچا اور بھائیوں کے لاشہائے بے سر بلا گور وکفن اس
میدان میں پڑے ہیں۔ ان کے کپڑے تک اُتار لیے گئے اور ان کے دفن وکفن کا کوئی
سامان نہیں۔ پھوپی زینبؑ نے میرے ان کلمات کو سُن کر فرمایا: لا یجزعنك ما
تریٰ فواللہ ان ذالك لعهد من رسول اللهؐ الیٰ جدك وابیك
وعمك ولقد اخذ الله میثاق اناس من هٰذه الامة لا
تعرفهم فراعنه هٰذه الارض وهم معروفون فی اهل السمٰوٰت
انهم یجمعون هٰذه الاعضاء المتفرقه فیوارونها وهٰذه

الجسوم من المضرجة وینصبون لهٰذا الطف علماً لقبر
ابیك سید الشهداء علیه السّلام لا یدرس اثره ولا
یعفو رسمه علی کرور اللیالی والایام ولیجتهدن ائمة
الکفر واشیاع الضلالة فی محوه وتطمیسه فلا یزداد
اثره الّا ظهوراً وامره الّا علواً۔

ترجمہ: بیٹا تم کو یہ منظر جو دیکھ رہے ہو پریشان نہ کرے۔ خدا کی قسم یہ
رسول اللہؐ کا وہ معاہدہ ہے جو آپؐ نے تمہارے دادا، تمہارے باپ اور تمہارے
چچا کے ساتھ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کے چند لوگوں سے میثاق لیا ہے
جن کو اس اُمّت کے فراعنہ نہیں جانتے۔ حالانکہ وہ لوگ اہلِ سمٰوات کے درمیان
مشہور ومعروف ہیں۔ پس وہ لوگ ان پراگندہ اعضاء اور ان خون میں بھرے ہوئے
اجسام کو جمع کرکے اُن کو مٹی میں دفن کریں گے اور اس بیابان میں تمہارے باپ
سید الشہداءؑ کی قبر کا نشان قائم کریں گے کہ جس کا اثر اور نشان سالہائے سال
تک نہیں مٹے گا حالانکہ ائمہ کفر اور گمراہوں کی جماعتیں اس کے مٹانے کی کوشش
کریں گے لیکن جوں جوں وہ مٹانا چاہیں گے وہ نشانِ قبر اور ظاہر ہوتا جائے گا
اور اس کا معاملہ بلند اور مستحکم ہوتا جائے گا۔ اس کے بعد جناب زینبؑ نے حضرت
اُم ایمن کی ایک حدیث بیان فرمائی کہ جناب اُم ایمن نے آپ سے فرمایا کہ
ایک روز جناب رسولِ خداؐ جناب فاطمۃ الزہراؑ کے پاس تشریف لائے۔ جناب
صدیقۃ الکبریٰ آپ کے لیے حریرہ تیار کرکے لائیں اور جناب امیر علیہ السّلام نے
کھجوریں پیش کیں اور خود جناب اُم ایمنؓ مسکہ اور دودھ لے کر حاضرِ خدمت
ہوئیں۔ آنحضرتؐ، علیؑ، فاطمہؑ اور حسنینؑ نے یہ چیزیں نوش فرمائیں اس کے
بعد جناب امیر علیہ السّلام نے آنحضرتؐ کے ہاتھ منہ دُھلائے۔ آنحضرتؐ نے ہاتھ

منہ دھونے کے بعد دونوں ہاتھ چہرۂ مبارک پر پھیرے اور جناب امیرؑ، جناب فاطمہؑ اور حسنینؑ کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔ آپ کے چہرے سے سرور کے آثار نمایاں تھے۔ پھر آپ آسمان کی طرف تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے اس کے بعد روبقبلہ ہو کر کچھ دعا پڑھی اور سجدہ میں گئے اور رونے لگے۔ کچھ دیر بعد جب آپ سجدے سے اُٹھے تو آپ کی ریشِ مبارک پر آنسو مثل قطرہائے آبِ باراں ٹپک رہے تھے۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر جناب فاطمہؑ، جناب امیرؑ اور جناب حسنینؑ محزون وملول ہوئے۔ جب دیر تک آپ کا گریہ جاری رہا تو جناب امیرؑ اور جناب فاطمہؑ نے عرض کیا، یا رسولؐ اللہ خدا آپ کی آنکھوں کو نہ رُلائے، آپ کے گریہ وبکا نے ہمارے قلوب کو مجروح کر دیا ہم نے کبھی آپ کی ایسی حالت نہیں دیکھی بتائیے کہ آخر آپ کے گریہ وبکا کا کیا سبب ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے میرے حبیب اے علیؑ میں آج تم سب کو دیکھ کر مسرور وشاد ہوا کہ کبھی ایسا مسرور نہیں ہوا تھا اور میں خدا کی ان نعمات کا شکر بجا لا رہا تھا کہ جبرئیلؑ امین نازل ہوئے اور کہا کہ یا رسولؐ اللہ، خدائے جلیل آپ کی دلی حالت سے واقف ہوا۔ جو خوشی آپ کو اپنے بھائی، صاحبزادی اور نواسوں کے دیدار اور صحبت سے حاصل ہوئی اس سے آگاہ ہوا اور اس نعمت کو آپ کے لیے مکمل فرما دیا۔ ان بزرگواروں کو آپ کی ذرّیت قرار دیا ان کے دوست اور شیعہ آپ کے ساتھ جنّت میں ہوں گے اور اسی طرح زندگی بسر کریں گے جیسا آپ بسر فرمائیں گے۔ آپ ان سے راضی وخوش رہیں گے لیکن یا رسولؐ اللہ اس کے ساتھ یہ ہوگا کہ اس دنیائے دُنی میں آپ کی ذرّیت اور ان کے شیعوں پر بلیّات اور مصائب نازل ہوں گے آپ کی اُمّت سے ایک گروہ جو آپ کے دین کو برائے نام اختیار کرے گا ان پر مظالم ڈھائے گا اور انھیں وہ مظالم برداشت کرنا ہوں گے۔ وہ گروہِ اشقیا بظاہر تو آپ کی اُمّت سے ہوگا لیکن خدا اور رسولؐ سے بیزار

ہوگا اور آپ کی ذرّیت اور ان کے شیعوں کو قتل کرے گا، ایذائیں پہنچائے گا اور ان کے قبور وآثار کو مٹاتا رہے گا۔ یا رسولؐ اللہ، خدا نے آپ کی اولاد، اہلِ بیتؑ اور اُن کے شیعوں کے لیے یہ مصائب اور بلائیں اس لیے پسند فرمائے ہیں کہ اُن کے درجات بلند ہوں اور انھیں مقاماتِ عالیات اس کے پاس حاصل ہوں۔ پس آپ خدائے عزّوجل کا شکریہ بجا لائیں اور اس کی قضا وقدر پر راضی ہوں۔ پس میں نے اظہارِ رضامندی کیا اور شکرِ خدا بجا لایا۔ پھر جبرئیلؑ نے کہا یا رسولؐ اللہ یہ آپ کے بھائی علیؑ آپ کے بعد آپ کے دین وآئین کو قائم اور جاری رکھنے کی کوششوں کی وجہ سے دشمنانِ دین کی مخالفت کا شکار ہوں گے۔ اس اُمّت کے فراعنہ اور اشقیا ان پر غالب آجائیں گے اور وطن سے دور ایک شہر میں ہجرت کریں گے اور ایک بدترینِ مخلوق جو مثل پے کنندۂ ناقۂ صالح ہوگا، کے ہاتھ سے قتل کیے جائیں گے۔ وہ شہر جہاں یہ شہید ہوں گے اُن کے اور اُن کے صاحبزادوں کا مفرس ہوگا۔ اُن کی شہادت کے بعد آپ کے اہل بیتؑ اور اُن کے شیعوں کے مصائب میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ آپ کا یہ صاحبزادہ حسینؑ ابن علیؑ اپنے اعزار واقربا اور چند مخصوص نیک بندوں کے ساتھ نہرِ فرات کے کنارے زمینِ کربلا پر شہید کیا جائے گا اور اس سرزمین کو وہ حرمت حاصل ہوگی جو کسی اور زمین کو حاصل نہ ہوگی اور اس زمین کی قدر ومنزلت برابر ہوگی زمینِ بہشت کی قدر ومنزلت کے۔ جس روز یہ صاحبزادہ شہید ہوگا تو دنیا میں عجیب ہیجان ہوگا۔ زمین ہلنے لگے گی۔ پہاڑ لرزاں ہوں گے۔ سمندروں اور دریاؤں میں تلاطم ہوگا، اور غضبِ الٰہی کے ایسے آثار نمایاں ہوں گے کہ اہلِ آسمان مضطرب وپریشان ہو جائیں گے اور یہ سب اس لیے ہوگا کہ معلوم ہو جائے کہ خدائے جلیل کو آپ کی ذرّیت کی حرمت اور عزّت کا کس قدر لحاظ ہے اور اُن کی ایذارسانی پر اُس کا

قہر وغضب کس طرح نازل ہوسکتا ہے۔ پھر ایک زمانہ آئے گا کہ دنیا کی ہر چیز کو خدا حکم دے گا کہ آپ کی مظلوم اور ضعیف ذرّیت کی نصرت کرے کیونکہ وہ اُس کی مخلوق پر آپ کے بعد اس کی (اللہ کی) حجت ہوں گے۔ پس اللہ وحی فرمائے گا آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں، سمندروں اور ان میں جو مخلوق ہوں سب کو کہ میں اللہ قادر ہوں مجھ سے فرار ممکن نہیں اور نہ مجھے کوئی عاجز کرسکتا ہے۔ اور میں انتقام لینے پر پورا قادر ہوں۔ میری عزت وجلال کی قسم میں عذابِ شدید دوں گا اُن کو جنہوں نے میرے حبیب، میرے رسول سے دشمنی کی اس کو اذیت دی، اس کی ہتک حرمت کی، اس کی عترت کو قتل کیا، ان کی بے حرمتی کی۔ یارسولؐ اللہ جب حسینؑ اور ان کے انصار زخمی ہوجائیں گے تو خدائے عزوجل خود ان کی ارواح قبض فرمائے گا اور آسمانِ ہفتم سے ملائیکہ یاقوت وزمرّد کے ظروف لائیں گے جن میں آبِ حیات ہوگا اور چند فرشتے حلّہ ہائے بہشت اور بہشت کی مٹی لیے ہوئے نازل ہوں گے اور اس طیّب پانی سے انھیں غسل دیں گے حلّہ ہائے بہشت اُن کے کفن ہوں گے اور بہشت کی مٹی حنوط ہوگی۔ پھر خدائے تعالےٰ آپ کی اُمت سے ایک گروہ مقرر کرے گا جس سے کفار واقف نہ ہوسکیں گے۔ اور جس نے عملاً یا قولاً آپ کی ذرّیت کے خون میں حصہ نہ لیا ہوگا اور یہ گروہ لاشوں کو دفن کرے گا اور حسینؑ اور ان کے انصار کے قبور کے آثار کربلا میں قائم کرے گا۔ جو اہلِ حق کے لیے علمِ ہدایت اور مومنین کے لیے باعثِ فوز وبرکت ہوں گے۔ ایک لاکھ ملائکہ آسمان صبح وشام اُن قبور کی زیارت کریں گے۔ وہاں تسبیح وتہلیل اور اُن کے زوّاروں کے لیے طلبِ مغفرت کریں گے۔ زوّاروں کے آباواجداد، اُن کے قبیلوں اور شہروں کے نام لکھ لیا کریں گے۔ زوّاروں کی پیشانیوں پر نورِ خدا سے لکھ دیا جائے گا کہ "یہ زائرِ قبرِ سیدالشہدا رہے۔" روزِ قیامت یہ تحریر

اس قدر روشن ہوگی کہ اس کی روشنی سے دوسروں کی آنکھیں چوندھیائی جائیں گی اور یہ زوّار اس روز اس تحریر سے پہچانے جائیں گے یا رسولؐ اللہ وہ منظر اس وقت میرے سامنے ہے کہ آپ میرے اور میکائیل کے درمیان ہیں اور آپ کے بھائی علیؑ ہمارے سامنے ہیں اور ہمارے ساتھ بیشمار ملائکہ ہیں اور ہم میدانِ حشر سے زوّارانِ حسینؑ کو ان کی پیشانی کی تحریر دیکھ کر چُن رہے ہیں تاکہ اُن کو اس روز کی ہول اور وحشت سے نجات دلائیں۔ یارسولؐ اللہ یہ خدا کے احکام اور عنایت وعطا ہے اُس کے لیے جو زیارت کرے آپ کے بھائی علیؑ ابن ابیطالبؑ اور حسنینؑ کے قبروں کی اور ہاں یارسولؐ اللہ کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہوں گے جو علیؑ اور آپ کی ذرّیت کی قبروں کو مٹانے کی کوشش کریں گے لیکن انہیں کامیابی نہ ہوگی۔ اُن پر خدا کی لعنت اور اس کا عذاب ہوگا۔ یہ بیان فرمانے کے بعد آنحضرت نے فرمایا کہ یا علیؑ یا فاطمہؑ، جبرئیل کی اس تقریر نے مجھے اس قدر رُلایا اور یہی میرے حزن وملال اور گریہ وبکا کا سبب ہوا۔

اس روایت کے لکھنے اور امام زین العابدینؑ کے اضطراب کی حالت اور جناب زینبؑ کا دلاسہ وتسلّی دینے کا ذکر کرنے کے بعد صاحب "طراز المذہب" کہتے ہیں کہ اس سے جناب زینبؑ کے علوِ مقام ومنزلت ورفعتِ درجہ ومرتبت مکشوف ہوتے ہیں اور ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کن اُسرار اور اخبارِ مخزونہ کی مالک تھیں اور آپ کے صبر وتحمل و استقلال کی کیا شان تھی۔ باوجود عورت ہونے کے ایسے ہولناک اور غمناک موقعوں پر جب کہ مردوں کے دل پانی ہوجائیں، کلیجے پھٹ جائیں۔ آپ نے کس صبر سے کام لیا اور کن سنجیدہ کلمات سے بھتیجے کو تسلّی دی۔ کیا عجب ہے کہ امام زین العابدینؑ نے بعد میں اس واقعہ کو اسی غرض وغایت سے بیان فرمایا ہو کہ دنیا کو ان معظمہ سلام اللہ علیہا کے پارۂ مراتب سے واقف کرادیں۔

ہم کو صاحبِ "طراز المذہب" کے ان خیالات سے پورا اتفاق ہے اور ہم کہتے ہیں کہ حضرت ام ایمن کی طولانی روایت پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں جو واقعات اور امور بیان کیے گئے ہیں وہ کس قدر صحیح ثابت ہوئے۔ تاریخ دان واقف ہیں کہ بعد رسالتمآبؐ حضرت علی علیہ السّلام پر وہ سب امور گذر گئے جنکی پیشگوئی اس روایت میں کی گئی ہے۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے متعلق بھی جو کچھ کہا گیا پورا ہو کر رہا۔ امام حسینؑ کے قبر کے آثار مٹانے کی بارہا کوششیں کی گئیں لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ ذرّیتِ رسولؐ کی قبور کے مٹانے کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ وہابیوں کے ہاتھوں مدینہ میں ان بزرگواروں کے قبور کا جو حال ہوا اس سے باخبر لوگ واقف ہیں

* * * * *

باب ۱۱

حالاتِ سفرِ کوفہ اور واقعاتِ کوفہ

* * * * * *

کربلاءِ معلّٰی سے نجفِ اشرف کا فاصلہ پچاس میل بتایا جاتا ہے۔ آجکل یہ مسافت موٹر کے ذریعہ تین چار گھنٹوں میں طے ہوتی ہے۔ کوئی باضابطہ پختہ راستہ نہیں ہے۔ ریت کے چٹیل میدان میں جو سطح ہے موٹریں چلتی ہیں اس لیے ۱۵ یا ۱۷ میل سے زائد رفتار نہیں ہوتی اور پھر راستہ میں دو تین مقام پر تھوڑی دیر انجن ٹھنڈا کرنے اور چائے وغیرہ پینے کے لیے ٹھہرتے ہیں۔ نجف اشرف سے کوفہ چھ میل ہے ممکن ہے کہ اہل بیتؑ کو انہیں راستوں میں سے کسی ایک راستے سے لے گئے ہوں جو ان دنوں جاری ہیں یا اور کوئی راستہ اختیار کیا گیا ہو۔ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سفر بہت سرعت کے ساتھ طے کیا گیا تھا کیوں کہ اشقیا چاہتے تھے کہ جلد تر کوفہ پہنچ جائیں اور ان ملاعین کی جلدی کی وجہ سے اہلِ حرم کو بہت زحمت و تکلیف پہنچی۔ ذرّیتِ رسولؐ کو ایذا پہنچانے اور ان کی توہین اور تذلیل کرنے کی غرض سے انہیں شترہائے بے کجاوہ پر بٹھایا گیا جو بجائے خود بہت تکلیف دہ تھا اور پھر جلدی کی خاطر اونٹوں کو ایسا بے موقع ہانکا جاتا تھا کہ بچّے گر گر پڑتے تھے۔ تواریخ اور مقاتل میں ہے کہ اہلِ بیتؑ ۱۱ محرّم کو صبح میں کربلا سے روانہ ہوئے اور اسی روز شام کے وقت کوفہ پہنچے۔ سفر دس بارہ گھنٹہ میں طے ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اونٹوں کو بڑی تیزی سے چلایا گیا کہ تقریباً ستّاون میل کا فاصلہ اتنی قلیل مدت میں طے ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ راستہ میں کہیں تھوڑی دیر

بھی ٹھہرایا نہ گیا کہ اہلِ بیتؑ آرام لیتے۔ اب اس بات کو سمجھنے کے لیے کہ اس جلدی اور تیز رفتاری سے ان مخدّراتِ عصمت و طہارت اور بچّوں پر جو شترانِ بے کجاوہ پر سوار تھے کیا مصائب اور اذیّتیں گذری ہوں گی تصوّر شرط ہے۔

"ریاض الاحزان" میں روایت ہے کہ جب عمر سعد کوفہ کے قریب پہنچا اور ایک فرسخ فاصلہ رہ گیا تو ٹھہر گیا اور ابن زیاد کو اطّلاع دی۔ ابن زیاد علیہ اللعن و العذاب نے سرِ اقدس حضرت سید الشہداؑ کو جو اس کے پاس پہلے ہی پہنچ گیا تھا، عمر ابن سعد کے پاس بھیجا اور تاکید کی کہ یہ سر نیزہ پر بلند کیا جائے اور قیدی اہلبیتؑ کے ساتھ شہر میں داخل ہو۔ جب سرِ مبارک امامؑ نیزہ پر چڑھایا گیا تو جناب زینبؑ نے بڑی حسرت و یاس سے بھائی کے سر کو دیکھا۔ روئیں اور چند اشعار بطور نوحہ پڑھے۔ پہلا دردناک شعر یہ تھا۔

یا اخی کان ھلالا غاب طلوعہ   فمن فقدہٖ اضحیٰ نہاری کلیلتی

ترجمہ: اے بھائی تم ایک چاند (ہلال) تھے کہ جن کا طلوع ہونا اب موقوف ہو گیا اور تمہارے نہ ہونے سے میرا دن رات میں بدل گیا۔

(۲) جلد سوم ابواب الجنان میں ہے اور سید بن طاؤس علیہ الرحمہ نے بھی یہ روایت بیان کی ہے کہ جب اہل بیتؑ بیرونِ شہرِ کوفہ پہنچے تو انھیں ایک محلّہ میں ٹھہرایا گیا۔ اس محلّہ میں ایک عورت اپنے گھر میں مشغولِ عبادت تھی اس کو واقعہ کربلا کی مطلق خبر نہ تھی ناگاہ اس نے شور و غوغا عظیم کی آواز سنی اور چادر اوڑھ کر بالائے بام آئی اور دیکھا کہ کچھ فوج ہے اور اس کے ساتھ نیزوں پر چند سر بلند ہیں جو مثل آفتاب درخشاں و فروزاں ہیں اور شترہائے بے کجاوہ پر چند عورتیں بلا مقنع و چادر سوار ہیں جو حسرت و یاس سے اُن سروں کو دیکھ رہی ہیں۔ سب کے سامنے کے اونٹ پر ایک بلند قامت بی بی ہیں جن کی گود میں ایک تین یا چار سال

کی لڑکی ہے جو ترساں و لرزاں اور پیاسی ہے اور بار بار اس بی بی سے پانی مانگ رہی ہے یہانتک کہ شدّتِ پیاس سے بیہوش ہو گئی اور وہ بی بی بچّی کی یہ حالت دیکھ کر مغموم و محزون ہو کر رونے لگیں۔ یہ تماشہ بیں عورت یہ کیفیت دیکھ کر سخت بیتاب ہوئی اور پکار کر پوچھا کہ تم کس قوم اور قبیلہ کے قیدی ہو تو اُس بی بی نے فرمایا ہم آلِ محمدؐ ذرّیتِ رسولؐ ہیں۔ اس عورت نے جب یہ سُنا تو اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگی اور کہا کہ اے بی بی میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ شاہِ ولایت امیر المومنین علیؑ ابن ابیطالبؑ کی بڑی صاحبزادی سے مشابہت رکھتی ہیں۔ برائے خدا نام بتائیے اور فرمائیے کہ ان سروں میں جو سر سردار کا ہے اُن کا نام کیا ہے۔ اس وقت جناب زینبؑ نے اس عورت کو غور سے دیکھا اور فرمایا کہ اے عورت میں ہی زینبؑ بنتِ علیؑ ہوں اور وہ سرِ مبارک سر در و سردار سید الشہداءِ کربلا حسینؑ ابن علیؑ میرے بھائی کا ہے۔ جب اس عورت کو یہ حال معلوم ہوا تو سر اور منہ پیٹتی بام سے اُتری اور اس کے پاس جتنے مقنع و چادریں تھیں لا کر جناب زینبؑ کی خدمت میں پیش کیں جو اشقیاء نے چھین لیں۔

(۳) یہ بھی روایت ہے کہ جناب اُم حبیبہ کنیز جناب امام حسنؑ ان دنوں کوفہ میں رہتی تھیں۔ اُن کا عقد ایک شخص مسمیٰ عبد اللہ بن رافع سے ہو گیا تھا۔ امام حسنؑ کی شہادت جب واقع ہوئی تو یہ خبرِ شہادت سُن کر روتے روتے نابینا ہو گئیں۔ انھیں امام حسینؑ کی شہادت کی اطلاع نہ تھی۔ جب اہلِ بیتِ طاہرین کوفہ میں داخل ہوئے تو شور و غل سن کر بالائے بام گئیں اور جب انھیں معلوم ہوا کہ چند قیدی لائے گئے ہیں تو پکار کر پوچھا کہ تم کس قوم اور قبیلہ کے قیدی ہو۔ اس وقت اتفاقاً وہ اونٹ جس پر جناب زینبؑ تشریف رکھتی تھیں اُن کے بام کے سامنے ہی تھا اور آپ نے جواب دیا نحن اساریٰ آل محمدؐ یعنی ہم

خاندانِ رسالت کے قیدی ہیں۔ ام حبیبہ نے چند اور سوالات کیے اور جب انھیں معلوم ہو گیا کہ آپ جناب زینبؑ دخترِ امیر المومنینؑ ہیں تو روتی پیٹتی بام سے اتریں چادریں اور لباس حاضر کیں لیکن اشقیاء نے یہ لباس اور چادریں چھین لیں اور جناب یہ چیزیں لینے نہ پائیں۔

(۴) فاضل دربندی اعلی اللہ مقامہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ ان بیبیوں کی غیرت اور جلالت قابلِ دید اور بے نظیر تھی۔ جب یہ مخدرات بازارِ کوفہ میں پہنچیں تو شہر کے جہلاء و عوام جمع ہو کر انہیں دیکھنے اور اُن کا تماشہ کرنے لگے۔ بچوں کو خرما، روٹی دینے لگے تو جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ نے اُنہیں ڈانٹا اور فرمایا "اے بے حیا اور بے شرم لوگو! اپنی آنکھیں نیچی کر لو اور ہمارے بچوں کو صدقہ نہ دو کہ آلِ محمدؐ پر صدقہ حرام ہے۔" اور صدقات بچوں کے ہاتھوں سے چھین کر پھینک دیتی تھیں۔

جناب فاضل فرماتے ہیں۔ ان بیبیوں کے ان کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حالتِ اسیری و پریشانی، خستگی و درماندگی میں بھی انہیں اپنے حفظِ مراتب، عفت و عزت کا اس قدر خیال تھا کہ اہلِ کوفہ کو عتاب آمیز خطابات سے مخاطب کیا۔

(۵) جاحظ نے اپنی کتاب "البیان" میں خزیمہ الاسدی کی روایت لکھی ہے احتجاج میں بھی یہ روایت ہے لیکن راوی کا نام حذام الاسدی لکھا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں کوفہ میں اسی روز داخل ہوا جس روز قیدیان آل محمدؐ کربلا سے کوفہ آئے۔ اس روز میں نے دیکھا کہ کوفہ کی اکثر عورتیں چاک گریباں، پاپیادہ گھروں سے نکل آئی تھیں اور گریہ و ندبہ کر رہی تھیں۔ جناب زینبؑ نے جب زنانِ کوفہ اور ان کے مردوں کا یہ رونا پیٹنا دیکھا تو ان کو اشارہ کیا کہ خاموش ہو جائیں اور اشارہ کے ساتھ ہی سب خاموش اور دم بخود ہو گئے اور جرس وطبل کی آوازیں تک بند ہو گئیں اور جناب زینبؑ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ راوی کی اصل

عبارت یہ ہے:- قد اشارت الی الناس ان انصتوا فارتدت الانفاس و سکنت الاجراس۔

روزِ عاشورا امام حسینؑ نے بھی ایک دفعہ عمر ابن سعد سے کہا تھا کہ لشکر کو خاموش اور ساکت کرے لیکن یہ ملعون کچھ نہ کر سکا۔ تو امام علیہ السّلام نے اپنے دستِ معجز نما سے اشارہ فرمایا اور اس اشارہ کے ساتھ ہی ایسا سکوت سکون طاری ہوا کہ مچھروں کے بھنبھنانے کی آواز سنائی دینے لگی۔ بازارِ کوفہ میں جناب زینبؑ کے دست مبارک کے اشارہ نے بھی وہی اثر پیدا کیا۔ اس سے ظاہر و ثابت ہوتا ہے کہ آپ بھی اسی روحانی اقتدار و تصرف کی مالک تھیں جو آپ کے شہید بھائی و امامؑ کو حاصل تھا۔ اب ہم جناب زینبؑ کا خطبہ درج ذیل کرتے ہیں:-

خطبۂ جناب زینب سلام اللہ علیہا در بازارِ کوفہ

الحمد للہ والصلوٰۃ علی ابی محمد و آلہ الطیبین الاخیار اما بعد یا اھل الختل والغدر والخذل والمکر اتبکون فلا رقأت الدمعة ولا ھدأت الزفرة۔ فانما مثلکم کمثل التی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا۔ تتخذون ایمانکم دخلا بینکم الا وھل فیکم الا الصلف والنطف والصدر الشنف والکذب والملق الاماء وغمز الاعداء والمرعیٰ علیٰ دمنة اوکقصة علیٰ ملحودۃ الا ساء ما قدمت لکم انفسکم۔ ان سخط اللہ علیکم و فی العذاب انتم خالدون۔ اتبکون وتنتحبون اخی اجل

والله فابکوا فانکم احریاء بالبکاء۔ فابکوا کثیرا واضحکوا
قلیلا فقد بلیتم بعارها ومنیتم بشنارها ولن ترحضوها
بغسل بعدها ابدا۔ وانی ترحضون قتل سلیل خاتم النبوۃ
ومعدن الرسالۃ وسید شباب اهل الجنۃ وملاذ حربکم و
معاذ حزبکم ومقر سلمکم واساس کلمتکم ومفزع نازلتکم
ومنار حجتکم ومدرۃ سنتکم والمرجع عند مقالتکم الا ساء
ما قدمتکم لانفسکم وساء ما تذرون لیوم بعثکم وبعدا لکم
وسحقا وتعسا ونکسا لقد خاب السعی وتبت الایدی وخسرت
الصفقۃ فبؤتم بغضب من الله وضربت علیکم الذلۃ
والمسکنۃ ویلکم یا اهل الکوفۃ اتدرون ای کبد لمحمد
فریتم وای عهد نکثتم وای کریمۃ له ابرزتم وای
دم سفکتم وای حرمۃ هتکتم لقد جئتم شیئا ادا
تکاد السموات یتفطرون منه وتنشق الارض وتخر الجبال
هدا۔ لقد جئتم بها شوهاء خرقاء صلعاء عنقاء فقماء
کطلاع الارض وملاء السماء۔ أفعجبتم ان مطرت
السماء دماء ولعذاب الاخرۃ اخزی وهم لاینصرون
فلا یستخفنکم المهل فانه عز وجل لا یحفزه البدار
ولا یخاف علیه فوت الثار وان ربکم لبالمرصاد۔

(ترجمہ خطبہ جناب زینب سلام اللہ علیہا)

تعریف ہے خدا کے لیے اور درود میرے باپ محمدؐ اور اُن کی آل پر جو پاک و طیب اور اخیار ہیں۔ اما بعد اے اہلِ کوفہ! اے دھوکے بازو، اے اہلِ غدر و مکر۔

اے اہل خذل تم اب روتے ہو؟ خدا تمہارے آنسو خشک نہ کرے اور تمہارے سینے آتش غم و اندوہ سے ہمیشہ جلتے رہیں۔ تمہاری مثال اس عورت کی طرح ہے جس نے بڑی محنت و مشقت سے مضبوط ڈوری بانٹی اور پھر اس کو خود کھول دیا اور اپنی کی ہوئی محنت کو ضائع اور رائگاں کیا۔ تم ایسی جھوٹی قسمیں کھاتے ہو جن میں صدق و سچائی کا مطلق دخل نہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارے پاس سوائے یاوہ گوئی، جھوٹی شیخی، فسق و فجور، بغض و کینہ، کذب و چاپلوسی کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ آگاہ ہو کہ تمہاری حالت لونڈیوں اور زرخرید کنیزوں جیسی ہے جو ذلیل ترین ہوتی ہیں۔ تمہارے دلوں میں عداوت و کینہ بھرا ہوا ہے۔ تمہاری کیفیت مثل اس سبزی کے ہے جو غلیظ و کثیف زمین میں اُگتی ہے اور سرسبز ہوتی ہے یا اس گچ کی ہے جو قبروں پر لگائی جاتی ہے آگاہ ہو کہ تم نے بڑے ہی بُرے اعمال کا اقدام کیا ہے اور اپنی آخرت کے لیے ناپسندیدہ توشہ تیار کرلیا جس کی وجہ سے خداوند متعال تم سے سخت ناراض ہوا اور تم پر اُس کا عذاب وارد ہوگا۔ اب تم میرے بھائی کے لیے روتے اور گریہ و زاری کی آوازیں بلند کرتے ہو؟ ہاں! خدا کی قسم روؤ اس لیے کہ تم سزاوار رونے کے ہو۔ ہاں، خوب روؤ اور کم ہنسو! اس لیے کہ تم امام زمان کے قتل کے ننگ و عار میں مبتلا ہو چکے ہو۔ ان کے خونِ ناحق کا دھبہ تمہارے دامنوں پر لگ چکا ہے جس کو اب تم دھو نہیں سکتے اور سلیل خاتم النبوۃ، معدن الرسالۃ اور سید شباب اہل الجنۃ کے قتل کے الزام سے بَری نہیں ہو سکتے۔ تم نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا ہے جو تمہارا پشت و پناہ تھا، جو تمہاری گفتار و کلام کا اساسہ تھا، جو تمہاری مصیبت میں تمہارا پشت و پناہ، تمہاری حجت کا منارہ، تمہاری سنت کا عالم اور تمہارے قول کا مرجع تھا۔ آگاہ ہو کہ اس دنیا میں بہت ہی بُرے کام کے تم مرتکب ہوئے ہو اور کیا ہی بُرا توشہ روزِ قیامت کے لیے تم نے تیار کرلیا۔ لعنت ہو تم پر اور ہلاکت و بربادی ہو

تمہارے لیے۔ تمہاری کوششیں ناکام رہیں اور تم ہلاک ہوگئے۔ تمہاری تجارت گھاٹے میں رہی۔ تم مغضوبِ الٰہی ہوگئے اور ذلّت وخواری میں مبتلا ہوگئے۔ وائے ہو تم پر اے اہلِ کوفہ، کیا تم جانتے ہو کہ تم نے محمدؐ مصطفےٰؐ کے جگر کے کس ٹکڑے کو کاٹا اور کون سا عہد وپیمان توڑا؟ کس کا خون تم نے بہایا؟ کس کی ہتک حرمت تم نے کی ہے؟ تحقیق کہ تم ایسے فعلِ شنیع وقبیح کے مرتکب ہوئے ہو کہ اس کی وجہ سے قریب ہے، کہ آسمان زمین پر گر پڑے، زمین شق ہو جائے، پہاڑ پارہ پارہ ہو جائیں، تم نے اپنے امامؑ کو قتل کر کے عجیب فعلِ بد، حماقت، کارِ شنیع، سرکشی وناسپاسی کی ذمہ داری لے لی۔ ان سب امور کے واقع ہو جانے کے بعد اگر آسمان سے خون برسے تو کیا تم کو تعجب ہوتا ہے؟ ہاں یاد رکھو کہ آخرت کا عذاب بہت سخت ہوگا، اس وقت تمہاری کوئی مدد اور نصرت کرنے والا نہ ہوگا۔ خدا نے جو تم کو تھوڑی مہلت دی ہے، اس کو حقیر وذلیل نہ سمجھو اور اس سے مطمئن نہ ہو جاؤ اس لیے کہ خدا کو جلدی سے کام نہ لینا عاجز نہیں کرتا اور وہ انتقام کا وقت گذر جانے کا اندیشہ نہیں رکھتا۔ تمہارا خدا تمہاری گھات میں لگا ہوا ہے۔

ہم نے حتی الامکان لفظی ترجمہ کر دیا ہے لیکن عربی داں حضرات سمجھ لیں گے کہ اصل خطبہ کو ترجمہ سے کیا مناسبت ہے۔ زمین وآسمان کا فرق ہے۔ وہ بلاغت و فصاحت، قوت واختصار جو جناب معصومہ علیہا السّلام کے کلام میں ہے ترجمہ میں ممکن نہیں۔ صاحبِ "طراز المذہب" نے خطبہ تحریر فرمایا ہے۔ ترجمہ کیا اور شرح لکھی ہے۔ چنانچہ اصل خطبہ اسی کتاب سے ہم نے نقل کیا ہے۔ ترجمہ اور شرح سے مدد لی ہے۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ خطبہ کے بعض الفاظ اور دقیق نکات کی مختصر شرح کر دیں تاکہ جناب معصومہؑ کے کلام پر مزید روشنی پڑے اور بخوبی سمجھ میں آ جائے۔

والصلوٰۃ علیٰ ابی محمدؐ: جناب زینبؑ نے فرمایا کہ درود ہو میرے باپ محمدؐ پر۔ آپ نے جو لفظ ابی یعنی میرے باپ محمدؐ کہا، اس کی غرض وغائت ومصلحت یقیناً یہی تھی کہ لوگ جان لیں اور واقف ہو جائیں کہ آپ کون ہیں آپ کا تعلق کس خاندان سے ہے۔ آپ بخوبی واقف تھیں کہ خاندانِ رسالت سے خلافتِ نبوی کے دور ہو جانے اور معاویہ ابن ابو سفیان کی مخالفانہ کارروائیوں اور پروپیگنڈے کی وجہ سے جو اُنہوں نے جناب امیر علیہ السّلام اور اہلِ بیت طاہرینؑ کے خلاف کیا تھا عام طور سے مسلمان آلِ رسولؐ اور اُن کے مراتب وفضائل سے ناواقف ہو گئے تھے اور اکثر تو جانتے بھی نہ تھے کہ سوائے بنی اُمیّہ کے ذرّیتِ رسولؐ باقی بھی ہے۔ اس لیے جناب زینبؑ نے اس امر کو ظاہر کرنے کے لیے کہ آپ حقیقی ذرّیتِ رسولؐ اور اہلبیت نبیؐ ہیں۔ خاص طور پر صلوٰۃ علیٰ ابی محمدؐ فرمایا۔ (اس مسئلہ پر کہ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد مسلمان اہلِ بیت رسولؐ سے کس قدر ناواقف کر دیے گئے تھے ہم نے اپنی کتاب "اقوال اہلبیت نبی المختار در ترجمہ جلد اول بحار الانوار" میں مفصل بحث کی ہے۔) اس کے علاوہ جناب زینبؑ کو کوفیوں پر ان کی شقاوت بے ایمانی اور کفر کا ظاہر کر دینا مقصود تھا کہ تم ایسے بے ایمان اور کافر ہو کہ برائے نام تو میرے باپ محمدؐ مصطفےٰؐ کا کلمہ پڑھتے ہو اور پھر انہیں کی اولاد کو قتل کرتے اور اُنکی ذریت کو قید کرتے ہو۔ اُن کی حرمت کا تم کو لحاظ تک نہیں۔

خذل: یہ بابِ نصر ینصر سے ہے اس کے معنی ہیں مدد کرنے سے باز آنا یعنی مدد نہ کرنا۔ قول ہے: **المومن اخو المومن لایخذلہ** یعنی مومن بھائی ہے مومن کا، بُرے وقت میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔

نکث: یہ باب ضرب، یضرب سے ہے۔ معنی ہیں عہد وپیمان کرنے کے بعد توڑ دینا۔ اہلِ جمل یعنی وہ لوگ جو امیر المومنین علی علیہ السّلام

کے خلاف جنگِ جمل میں لڑے ناکثین کہے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ اُنھوں نے آپ سے بیعت کرنے کے بعد نکث کیا اور برسرِ پیکار ہو گئے۔

نقضت غزلها من بعد قوة انکاثا۔ یہ الفاظ قرآنی ہیں عرب میں ایک عورت گذری ہے جس کا نام ربطہ بنت سعد ابن تیم تھا اُس کا لقب حمقاء بقولے خفراء یا خرقاء تھا۔ اس کے پاس متعدد کنیزیں تھیں ایک فلکہ بزرگ اور اندازاً ایک رش دو کہ تھا۔ یہ صبح سے دوپہر تک خود رسّی بانٹتی تھی اور کنیزوں سے بھی یہی کام لیتی تھی اور پھر دوپہر سے شام تک اُن بٹی ہوئی رسیوں کو کھول دیتی تھی۔ روزانہ یہی کیا کرتی تھی اس کو یہ خبط ہو گیا تھا۔ خدا نے قرآن میں نکث عہد و پیمان کی اسی سے تشبیہ دی ہے۔ صلف بفتح یعنی لاف زدن۔ شیخی مارنا۔ بیہودہ گفتگو کرنا ہے۔ حدیث میں مومن کی صفت بیان کی گئی ہے کہ المومن لا عنف و لا صلف: یعنی مومن میں لاف زنی اور شیخی نہ ہونی چاہیے۔

دمن: اس کے معنی سرگین ہیں۔ حدیث ہے: ایاکم وخضراء الدمن (پرہیز کرو تم ایسی کھیتی سے جو بظاہر سرسبز ہو لیکن بُری اور کثیف زمین پر نشوونما پاتی ہو۔) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایسی عورت سے پرہیز کرو جو دیکھنے میں حسین و جمیل ہو لیکن بُرے اور پست خاندان سے ہو اور صاحبِ عفت و عصمت اور نیک چلن نہ ہو۔ عربی میں دمنہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں قبائل آکر اترتے ہیں اور منزل کرتے ہیں۔ اُن کے مویشی اور اُونٹ غلاظت کرتے ہیں یہ غلاظت کھاد کا کام دیتی ہے اور وہاں سبزہ اُگتا ہے اونٹ اُس کو چرتے ہیں یہ سبزہ بظاہر تو خوشنما معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل کثیف و غلیظ ہے۔ اسی لیے حدیث میں ایسی عورت کو جو دیکھنے میں خوبصورت ہو لیکن بُرے اور پست خاندان

سے ہو اور چال چلن خراب رکھتی ہو دمنہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور خضراء الدمن کہا گیا ہے۔

کقصعة علی ملحود یعنی وہ گچ جو قبروں پر کی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بظاہر تم زندہ ہو مسلمان بھی ہو لیکن تمہارے دل مردہ ہو گئے ہیں ان میں اسلام و ایمان کی بُو نہیں ہے۔

صلعاء: بفتح صاد، بروزن صحرا، اس کے معنی ہیں کارِ بزرگ و سخت امرِ بد و شنیع یعنی سخت بُرا و بدنما کام۔ جب معاویہ ابن ابوسفیان نے زیاد ابن ابیہ کو اپنا بھائی قرار دیا اور حضرت عائشہؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو کہا رکبت الصلیعاء یعنی (معاویہ) امرِ شنیع اور کارِ بد کا مرتکب ہوا۔

حزیمۃ الاسدی راوی ہے۔ کہتا ہے۔ لم ار والله خفرة قط انطق منها کان تنطق وتفرع من لسان امیرالمومنین علی علیہ السّلام (قسم خدا کی میں نے نہیں دیکھا کسی باحیا اور غیور عورت کو جناب زینبؑ سے بہتر تقریر کرتے ہوئے۔ آپ جناب امیر علیہ السّلام کی زبان سے تقریر فرماتی تھیں۔)

بعض مقاتل میں بشر ابن حزیم اسدی کی روایت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں نے جناب زینبؑ دختر جناب امیرالمومنین علی علیہ السّلام سے افصح اور انطق کوئی عورت نہیں دیکھی۔ جب آپ تقریر فرماتی تھیں تو آپ کی بلاغت و فصاحت و خطابت، رعب و جلال کی وہی شان ہوتی تھی جو جناب امیر علیہ السّلام کی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جناب امیر علیہ السّلام تقریر فرما رہے ہیں۔ کہتا ہے کہ جب جناب زینبؑ نے اہلِ کوفہ کو مخاطب فرما کر خطبہ ارشاد فرمایا تو واللہ رأیت الناس حیاریٰ قد ردوا ایدیهم فی افواههم (قسم خدا کی دیکھا

میں نے کہ سامعین حیران تھے اور اپنے ہاتھ چباتے تھے۔) اور ایک مرد ضعیف جو میرے
قریب کھڑا تھا اس قدر رویا کہ آنسو اس کی داڑھی پر بہنے لگے اور وہ کہہ رہا تھا

بابی انتم وامی کھولکم خیر الکھول وشبانکم خیر الشبان
ونساکم خیر النساء ونسلکم خیر لا یخیب ولا یخزی

(میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں تمہارے بوڑھے سب بوڑھوں سے بہتر و
افضل ہیں اور تمہارے جوان سب جوانانِ عالم سے بہتر ہیں۔ اور تمہاری
عورتیں سب عورتوں سے افضل ہیں۔ تمہاری اصل و نسل سب سے بہتر اور اعلیٰ
ہے جو کسی حالت میں بھی ذلیل و خوار نہیں ہو سکتی۔) اور پھر اس نے یہ شعر پڑھا

کھولھم خیر الکھول ونسلھم
اذا عُدّ نسل لا یبور ولا یخزی

(ان کے بوڑھے سب بوڑھوں سے بہتر و افضل ہیں اور ان کی نسل
کا شمار کیا جائے تو وہ ایسی ہے جو نہ ہلاک ہوگی اور نہ رسوا۔)

جناب زینبؑ کے اس خطبے اور دوسرے ارشادات کے متعلق صاحب
"طراز المذہب" نے جو کچھ لکھا ہے وہ بجنسہ ہم نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

" در کلمات این نسوۂ طاہرات کہ از اہلِ بیتِ سیّدِ
کائنات ہستند علیہم آلاف التسلیم و التحیات علومی بسیار
و حکمتہائے بیشمار و احتجاجات کاملہ براہین وافیہ متضمن است
وازین است کہ علماءِ بزرگِ دین و آئین این احتجاجات
ائمہ طاہرین و حجج معصومین صلوات اللہ اجمعین
مذکور داشتہ اند۔"

جنابِ زینبؑ کے خطبے میں جو تعبیرات و تشبیہات و استعارات ہیں اُن کے

متعلق صاحبِ طراز المذہب تحریر فرماتے ہیں:-

" فصحا و بلغاءِ روزگار را متحیر و مبہوت میدارد۔" اور کہتے ہیں:-

" از تمامت کلمات و کنایات و استعاراتِ احسن و اصدق
و ابلغ است چہ آن جماعت بحالتی اندر آمدند کہ اسلام
ایشان نہ در دنیا و نہ آخرت برائے ایشان سود مند است
و آن خونی را بریختند کہ در قصاصش ہیچ خونی چارہ نکند و
دیتش را تمام اموالِ جہان وافی نیاید۔ چہ خونِ رسولِ
خدا، علیِ مرتضیٰ بلکہ ثار اللہ را ریختہ اند و آن لطمہ در
دین اسلام فرود آوردند کہ ہیچ چیزش چارہ نکند و بآن
غیرت ہتکِ حرمت کردہ اند کہ تلافی و تدارک ندارد و آن
چشمہا گریان داشتہ اند کہ ہرگز خشکیدن نباشد و آن دلہا
را باتشِ اندوہ بسوختہ اند کہ بہ ہیچ آبی سرد نگردد۔ و آن گناہ
و خیانتِ عظیم را مرتکب شدہ اند کہ بہ ہیچ استغفار رستگار نگردند
و آن گونہ از حد و قدرِ خویش بیرون تاختہ اند کہ دیگر مقامِ خویش
در دنیا بند و آن گونہ از دین ارتداد یافتہ اند کہ بہ ہیچ حدے
آسایش بجویند و آن عیب و شنار را بر لود نہادہ اند کہ تا
پایانِ روزگار نتوانند از چہرہ بزدایند و آن تکبر و تمرد و بغض
و کین بورزیدہ اند کہ بہ ہیچ میزان سنجیدن نگیرد۔ ....
و حق نفاق را ادا کردہ بملق و غمرا مدار کہ ہمہ برخلاف آداب
و شیم مسلمانان است ہم از آمدہ اند و این اسلام ظاہری
ایشان باآن باطن خبیث ایشان در حکم ہمان مرعی وگیا"

خوش رویست کہ در سرگین گاہ اشتران و گوسپندان بروید
گجی است کہ قبور اموات و احجار منصوبہ برنغوش اجساد ملحوہ
را بیارائند .... آنانکہ بفہم ذکا آراستہ
باشند و بآثار باطنہ شناختہ گردند میدانند کہ علوم این نسوان
نہ چو علوم عامی باشد کہ ہمہ نہ نیرد ی تعلم و تفکر و اکتساب
است بلکہ دارائے علوم موہوبہ ہستند کہ نزدیک علومِ
لدنی و آثارِ باطنیہ است۔"

جناب زینبؑ کے خطبہ کے متعلق علامہ مولوی علی نقی صاحب کتاب "شہیدِ انسانیت" میں تحریر فرماتے ہیں:-

"شترِ لاغر پر سر برہنہ سوار اور عام نظروں سے دوچار زینبؑ نے اس سے پہلے شاید بلکہ یقیناً کسی عام مجمع میں کوئی تقریر نہ کی تھی اور نہ شاید کسی مقید اور مقہور اللسان نے اس سے زیادہ مخالف ماحول میں کبھی تقریر کی ہے مگر جب آپ نے تقریر شروع کی تو کوفہ کا وہ حصہ جو جناب معظمہ کی حدِ نظر میں تھا آپ کے ایک اشارہ کے ساتھ خاموش ہوگیا۔ اس کامل خاموشی میں تقریر ہوئی جس کا ہر لفظ اپنے حدِ سماعت پر چوٹ مار رہا تھا اور سننے والے مجبوراً منفعل اور مبہوت سُن رہے تھے اور وہ سُن رہے تھے جس کی انہیں اُمید نہ تھی اور جس کا انہیں خیال نہ تھا۔ اپنی اندوہ ناک حالت نہیں دکھائی جاتی اور اس پر رحم و کرم کی التجا نہیں کی جاتی بلکہ بولنے والی زبان خود اُن نفوس کی اصلیت اور اُن کے گناہ کی حقیقت کو اُن

کے سامنے چیر کر رکھ دیتی ہے۔ وہ آنکھیں جو ان قیدیوں کا تماشا دیکھنے کے لیے بلند ہوئی تھیں زمین میں گڑ گئیں اور ہر نفس اپنے کو مجرم محسوس کرنے لگا۔ علیؑ کی بیٹی کا نفس مجمع پر چھا گیا تھا اور ان کی قوتِ ارادی اس پر حکومت کر رہی تھی۔"

علامہ شیخ محمد حسینؒ آلِ کاشف الغطاء لکھتے ہیں:-

جناب زینبؑ نے دربار ابن زیاد میں جس منزل کو طے کیا وہ اس مرحلہ سے زیادہ دشوار تھا جس کو انصارِ حسینؑ نے کربلا کے میدان میں قطع کیا۔ ان طاقت رُبا اور ہمت شکن حالات میں ابن زیاد کے سامنے زینبؑ کی زبان میں لکنت یا اُن کے دل میں کسی قسم کا اضطراب یا ان پر کسی خوف و دہشت کا اثر تھا؟ کیا یہ واقعہ نہیں کہ انہیں نے اس موقع پر حقائق پر تقریریں کیں جن کو اگر ایک فارغ البال اور مطمئن شخص کئی رات دن کی فکر میں تیار کرتا تب بھی وہ اپنی نوعیت میں یادگار کی حیثیت نہ رکھتیں۔ پھر جناب زینبؑ نے تو ہزاروں اشخاص کے مجمع میں ایسے موقع پر ان خطبوں کو ارشاد فرمایا تھا جب وہ مصائب اور شدائد کے بتّیس دانتوں میں زبان کی طرح گھری ہوئی تھیں۔"

اس مسئلہ میں کہ اہلِ بیتؑ بے پردہ تھے اور شترہائے بے کجاوہ و محمل پر بٹھائے گئے تھے یا یہ کہ محملوں میں پسِ پردہ تھے۔ مورخین میں اختلاف ہے بحار الانوار اور سید بن طاؤس علیہ الرحمہ کی بعض تصانیف میں لکھا ہے کہ جب اہل بیتؑ کوفہ

میں داخل ہوئے تو جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ ہودج میں تشریف رکھتی تھیں اور پسِ پردہ سے خطبے ارشاد فرمائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخدراتِ عصمت و طہارت بے پردہ منکشفات الوجوہ (کھلے منہ) نہ تھے اور محملوں میں سوار تھے۔ دوسرے اکثر مقاتل اور تاریخوں میں اس کے برعکس لکھا ہے یعنی یہ کہ بیبیاں بِلا مقنع وچادر شترہائے بے کجاوہ پر بٹھائی گئی تھیں۔ صاحبِ "طراز المذہب" لکھتے ہیں کہ ممکن ہے جو حالت بحار الانوار۔ ناسخ التواریخ اور سید ابن طاؤس کی کتاب میں بتائی گئی ہے کہ اہل بیتؑ اطہار محملوں میں پسِ پردہ تھے۔ دوسری دفعہ اہلِ بیتؑ کے کوفہ داخلہ کے متعلق ہو یعنی شام سے مدینہ جاتے ہوئے اور کسی غلط فہمی کی بنا پر صاحبِ "بحار"۔ صاحبِ ناسخ التواریخ اور سید بن طاؤس نے دوسری دفعہ کی حالت کو پہلی دفعہ سے چسپاں کر دیا۔

فاضل دربندی اعلی اللہ مقامہٗ کتاب "اسرار الشہادۃ" میں ایک بیان کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ اکثر اخبار سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ کھلے سر اور کھلے منہ نہ تھیں بلکہ بچے اور کنیزیں ایسی حالت میں تھیں اور فرماتے ہیں کہ ان مخدراتِ طہارت نے مواقع شرع کا عالم سوگواری میں بھی اسی طرح سے لحاظ رکھا اور پابندی کی جس طرح معمولی حالات میں کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ جناب امام زین العابدینؑ باوجود علالت اور نقاہت کے جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ اور سب بیبیوں، بچوں اور کنیزوں کو خود سوار کرایا کرتے اور اونٹوں سے اتارا کرتے تھے۔ کسی نامحرم کو پاس پھٹکنے نہ دیتے تھے۔

تاریخ طبری میں ہے کہ اہلِ بیتؑ جب ابن زیاد کے دربار میں لائے گئے تو بے پردہ تھے۔ بعض دوسرے اہلِ خبر لکھتے ہیں کہ بے پردہ نہیں تھے بلکہ حسب احکام شرع اپنے کو چھپائے ہوئے تھے البتہ اُن کا لباس درست نہ تھا۔ سفر کی گرد و غبار اور

لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے کپڑے پھٹے ہوئے اور میلے کچیلے تھے۔

رازق الخیری صاحب کا یہ خیال ہے کہ اہل بیتؑ اطہار شترہائے بے کجاوہ پر تھے اور بے مقنع وچادر تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"مغرب کی سمت ناموسِ محمدؐ کی بے حرمتی کی تاب نہ لا کر آفتاب روپوش ہو رہا تھا کہ مشرق کی طرف سے لشکرِ عمر سعد کی تلواروں کی چمک دمک شہر کوفہ پر پڑنی شروع ہوئی۔ یہ وہی کوفہ تھا جس کی زمین نے کئی سال تک زینبؑ بنتِ علیؑ کے قدم سر پر رکھے اور پاؤں سے آنکھیں ملی تھیں۔ یہ وہی کوفہ تھا جس کی خواتین سیدۃ النساء کی بیٹی کے مواعظ اور ارشادات پر پروانہ وار گرتی اور بیان سُن کر گھنٹوں روتی تھیں اسی سرزمینِ کوفہ پر آسمان کی گردش کیا دکھا رہی ہے۔ وہی زینبؑ اس حالت میں داخل ہوتی ہیں کہ اونٹ کی ننگی پشت پر بیٹھی ہیں۔ کھلے چہرے پر بال پڑے ہیں اور کپڑے جھیر جھیر اور تار تار ہیں۔"

مولانا سبط حسن صاحب ہنسوی لکھتے ہیں:۔

"وہ شہر کوفہ جو قبۂ اسلام سمجھا جاتا تھا جس کی آبادی و رونق میں خلیفۂ دوم عمر بن الخطاب نے کافی اہتمام کیا تھا۔ مخصوص قبائلِ عرب کو آباد کر کے اس کی آبادی کو مخصوص نوعیت کے ساتھ بڑھایا تھا۔ جہاں حضرت زینبؑ وام کلثومؑ بحیثیت شاہزادیوں کے کبھی قیام فرما چکی تھیں۔ آج اسی تاریخی شہر میں عجیب چہل پہل ہے۔ مسرت کے شادیانے بجائے جا رہے ہیں۔ ہزاروں تماشائیوں کا ہجوم ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ حکومت

نے یہ اعلان کیا ہے کہ مسلمانوں کے امیر پر ایک خارجی نے خروج کیا تھا اس کے مقابلہ میں اسلامی حکومت کو کامیابی ہوئی۔ آج اُسی کے اہل وعیال گرفتار کرکے کوفہ لائے جارہے ہیں قبل اس کے کہ مظلوموں کا قافلہ کوفہ میں داخل ہو حاکم کا یہ حکم ہے کہ اس موقع پر کوئی شخص سلاحِ جنگ کے ساتھ نہ نکلے۔ کوئی شخص ہتھیار لگائے ہوئے کوفہ میں دکھلائی نہ دے۔ دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے بعد جگہ جگہ پر کسی دہشت کے سبب سے پیادوں کی ایک بڑی تعداد (جن کی تعداد دس ہزار بتلائی گئی ہے) متقرر کردی گئی ہے (روضۃ الاحباب) بازارِ کوفہ میں ایک اژدہام ہے بعضوں کو اصل واقعہ کی خبر ہے اور بعض بے خبر سرکاری رپورٹ پر اعتبار کرتے ہوئے یہی سمجھ رہے ہیں کہ مخالفینِ اسلام کی جماعت پسپا ہوئی اور اُن کے اہل وعیال گرفتار ہوئے سہل شہزوری حجِ بیت اللہ سے فارغ ہو کر عین اسی وقت کوفہ پہنچے۔ دیکھا کہ بازار سجا ہوا ہے لوگوں کے چہروں پر مسرّت کے آثار ہیں اس مجمع میں کچھ ایسے بھی نظر آتے ہیں جن کے چہرے اُترے ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے ایک بڈھے سے حال دریافت کیا وہ اُن کو ایک گوشہ میں لے گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری کرتے ہوئے خاندانِ رسالت کی تباہی کی خبر اس مرثیہ کو پڑھ کر دی۔

"کیا تم نے دیکھا کہ قتلِ حسینؑ سے سورج کو گہن لگ گیا اور

ہم بدو تباہی میں پڑ گئے۔ ہائے خاندانِ رسالت تو لوگوں کے لیے فریاد رس تھا لیکن آج وہ خود مبتلائے مصیبت ہوگیا اور سچ تو یہ ہے کہ یہ مصیبتیں بڑی عظیم و سخت ہیں۔ بہ تحقیق کہ شہیدِ کربلا کی شہادت نے مسلمانوں کی گردنوں میں رسوائی و ذلّت کے طوق کو ڈال دیا اور در اصل وہ ذلیل بھی ہوگئے۔"

ابھی یہ مرثیہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ فتح کے باجوں کی آوازیں آنے لگیں اور اہلِ بیتؑ رسولؐ کا تباہ قافلہ بازار میں داخل ہوگیا۔ آگے آگے نیزوں پر شہداء کے سر تھے اور پیچھے اسرائے آلِ محمدؐ تھے۔" (ماخوذ از شہیدِ انسانیت)

کتاب "اسرار الشہادۃ" میں عامر شیعی کی روایت ہے کہ اہلِ بیتؑ جب ابنِ زیاد کی مجلس میں داخل ہوئے تو سب کے چہرے کھلے تھے اور سب بے مقنع وچادر تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ قیل دخلت زینب بنت علیؑ علی ابن زیاد وھی تستر وجھھا بکمھا لان قناعھا قد اخذ منھا۔ (جب جناب زینبؑ ابن زیاد کے سامنے گئیں تو اپنے چہرہ کو آستین سے چھپاتی تھیں کیونکہ مقنع چھین لیا گیا تھا۔)

القصہ اس مسئلہ میں کہ اہلِ بیتؑ کوفہ و شام میں بے مقنع وچادر، بے پردہ تھے اور شترہائے بے کجاوہ پر بٹھائے گئے تھے یا پردہ کا انتظام تھا اور محملیں مہیا کی گئی تھیں۔ روایات مختلف ہیں جو ہم نے بیان کردیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ یقیناً اہلبیتؑ مقنع وچادر نہ رکھتے تھے اور اشترانِ بے کجاوہ پر بٹھائے گئے تھے۔ یہ امر سمجھنے اور غور کرنے کے قابل ہے کہ جو اشقیاء رسولؐ اور آلِ رسولؐ کی عداوت میں اس قدر شدید

ہوں کہ رسولؐ کے نواسے، اُن کے جوانوں اور بچوّں کو بیرحمی اور بیدردی کے ساتھ پیاسا شہید کر دیں اور بعدِ شہادت درعوض غسل و کفن و دفن اُن کی لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر اُنہیں پاش پاش کر دیا جائے، شہدا کے لباس تک اُتار لیے جائیں اور لاشوں کو ریگِ گرم پر عریاں چھوڑ دیا جائے۔ اہلِ بیتؑ کا مال و اسباب لوٹ لیا جائے، خیام جلا دیے جائیں کہ یہ غریب صحرا میں منتشر ہو گئے، تو ایسے بے ایمان سنگ دل اشقیا نے اگر بیبیوں کی چادریں چھین لی ہوں اور اُنہیں شتر ہائے بے کجاوہ پر سوار کیا ہو تو کون سا تعجب کا مقام ہے۔ عقلِ سلیم تو یہ رہنمائی کرتی ہے کہ ضرور ایسا ہی ہوا ہو گا۔ بلکہ ایسا نہ ہونا بعید از قیاس ہے۔

جیسا کہ فاضل دربندی فرماتے ہیں کہ ان مخدّرات یعنی اہلِ بیتؑ نے ہر وقت احکام شرع کا لحاظ رکھا۔ یہ درست ہے۔ مقنع و چادر کے غیاب میں بیبیوں نے یقیناً اپنے بالوں سے اپنے چہروں کو چھپایا ہو گا۔

بحرالمصائب میں روایت ہے کہ جناب زینبؑ نے خطبہ ختم کرنے کے بعد بھی اہلِ کوفہ کو قدح و ملامت کی اور ایک موقع پر فرمایا۔

”اے قوم مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ تم پر بلائیں نازل فرمائے گا۔ اس کا عذاب تم پر وارد ہو گا اور وہ تم کو بُری طرح ہلاک کرے گا۔ پس تم غضبِ رحمٰن اور دوزخ کی آگ کی تیزی اور شدّت سے ڈرتے رہو۔ تم کو اللہ عزّ و جل کے سامنے جانا ہے۔ آگاہ ہو کہ بہت سے اُممِ ماضیہ ہلاک ہو گئے جن میں سے ایک اہلِ ارم بھی تھے۔“

جناب زینبؑ علیہا السّلام نے اہلِ ارم کا بطورِ خاص اِس لیے نام لیا کہ یہ قوم

اپنی بداعمالیوں کے بعد بھی اپنے مقاصد اور مطلوب کو حاصل نہ کر سکی اور ہلاک ہو گئی۔ یہی حال کوفیوں اور قاتلانِ حسینؑ کا ہوا۔ جنابِ زینبؑ نے گویا پیشین گوئی فرما دی کہ تم نے اعزاز و اکرام و انعام کی تمنّا و توقع میں حسینؑ کو شہید کیا ہے اور ہم پر مظالم کر رہے ہو لیکن تم ان چیزوں کو حاصل نہ کر سکو گے بلکہ تمہارا وہی حشر ہو گا جو اہلِ ارم کا ہوا کہ تم عنقریب بُری طرح ہلاک کیے جاؤ گے۔ تاریخ داں جانتے ہیں کہ حضرت مختار رضی اللہ عنہ کے دَور میں سوائے معدودے چند کے یہ سب اشقیا گرفتار کیے گئے اور قتل کیے گئے حتیٰ کہ عمر ابن سعد۔ عبیداللہ ابن زیاد۔ شمر ذی الجوشن علیہم اللعن و العذاب بھی حضرت مختارؒ اور حضرت ابراہیمؒ بن مالک اشترؒ کی تلواروں سے نہ بچ سکے۔

(۶) ابو اسحٰق اسفرائینی لکھتے ہیں کہ سرِ مقدّس امام حسینؑ سے ایک عمودِ نور ساطع تھا جو زمین سے آسمان تک ملا ہوا نظر آتا تھا اور حاملانِ سر شبِ تاریک میں اس نور کی روشنی سے راستہ دیکھ سکتے تھے۔ جب اہلِ کوفہ کو اہلِ بیتؑ کے کوفہ پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو یہ لوگ لباسِ فاخرہ پہن کر گھروں سے نکلے اور کوچہ و بازار میں حسینؑ کے لٹے ہوئے قافلے کے شہر میں داخلے کے منتظر تھے۔ تھوڑی دیر بعد اونٹ نمودار ہوئے اور حرمِ حسینؑ پہنچ گئے۔ جناب امام زین العابدینؑ نے تماشائیوں کا ہجوم ملاحظہ فرما کر چند دردناک اشعار پڑھے جن کو سُن کر بعض لوگ رونے لگے۔ تماشائیوں نے بچوّں کو خرما روٹی دینا شروع کیا تو جناب ام کلثومؑ نے انہیں ڈانٹا اور کہا یا اھل الکوفہ حجر فی راس من یتصدّق علینا (پتھر پڑے اُس پر جو ہم کو صدقہ دیتا ہے) اور پھر فرمایا غضوا ابصارکم عنّا (ہماری طرف سے آنکھیں نیچی کرو) اور جب اہلِ کوفہ کی عورتیں زار و قطار رونے لگیں تو آپ نے اُن کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

”وائے ہو تم پر اے اہلِ کوفہ کی عورتو! تمہارے مردوں

ہی نے ہمارے مردوں کو قتل کیا اب تمہاری آنکھیں ہمارے لیے رو رہی ہیں؟ خدائے عزّوجل روزِ قیامت ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ خدا کی قسم اس دنیا میں اللہ کی نصرت ہم کو اس لیے حاصل نہیں ہوئی کہ نعیمِ آخرت سے ہم مستفیض ہوں اور آخرت میں مقاماتِ عالیہ درفیعہ ہم کو حاصل ہوں اور تم عنقریب جہنّم میں ڈالے جاؤ گے۔ افسوس ہے تم پر کیا تم جانتے اور سمجھتے ہو کہ کس کا خون تم نے بہایا اور کس کے گوشت کے ٹکڑے کو تم نے ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے۔"؟

(۷) کتبِ مقاتل میں ہے کہ جب قیدیانِ اہلِ بیتؑ کوفہ کے قریب پہنچے تو ابنِ زیاد علیہ اللعن نے سرہائے شہداء عمر ابنِ سعد ملعون کے پاس روانہ کیے اور حکم دیا کہ ان کو نیزوں پر بلند کیا جائے اور قیدیوں کے ساتھ کوفہ کے کوچہ و بازار میں گشت کرایا جائے۔ لکھا ہے کہ جب سر نیزوں پر بلند کیے گئے اور جناب زینبؑ کی نظر حضرت سیّد الشہداء کے سرِ اقدس پر پڑی تو فرطِ غم والم سے آپ نے اپنا سر چوبِ محمل پر اس زور سے دے مارا کہ خون جاری ہو گیا۔ صاحبِ "طراز المذہب" یہ روایت تحریر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ بعید از قیاس ہے اور صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لیے کہ جناب زینبؑ حاملِ وصایائے امامت اور دارائے ریاست اور حجّۃِ خدا تھیں۔ امام زین العابدینؑ کو ہمیشہ دلاسہ و تسلّی دیتی تھیں، بیواؤں اور یتیموں کی نگرانی اور دلداری فرمایا کرتی تھیں پس آپ سے توقع نہیں کی جا سکتی کہ ایسی حرکت کرتیں جس سے عدمِ استقلال اور قلّتِ صبر ظاہر ہو۔ ہم کو صاحبِ طراز المذہب کی رائے سے اتفاق ہے۔ ہم

بھی سمجھتے ہیں کہ جناب زینبؑ شدید ترین مصائب اور سخت ترین بلاؤں میں ضبط وصبر کا لاجواب مظاہرہ فرمایا تو کیونکر ممکن تھا کہ بازارِ کوفہ میں جہاں لوگوں کا ہجوم تھا اس طرح کا عمل فرماتیں جس سے بیقراری اور بے صبری آشکار ہو۔ ممکن ہے کہ آپ کی کنیزوں میں سے کسی سے یہ حرکت صادر ہوئی ہو اور راوی نے بوجہ لاعلمی اور بے احتیاطی اس واقعہ کو جناب معصومہ سے منسوب کر دیا ہو۔ پھر اگر یہ روایات کہ اہلِ بیتؑ کے اونٹوں پر محملیں نہ تھیں اور سب شترہائے بے کجاوہ پر بٹھائی گئی تھیں صحیح ہوں تو جناب زینبؑ یا کسی کنیز کے لیے چوبِ محمل پر سر مارنے کا امکان ہی باقی نہیں رہتا اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ روایت ہی صحیح نہیں۔

تواریخ میں لکھا ہے کہ جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ اہلِ بیتِ اطہارؑ کوفہ پہنچ گئے ہیں تو اس ملعون نے ایک مجلس آراستہ کی جس میں خاص وعام کو شرکت کی اجازت دی اور حکم دیا کہ جب سب لوگ جمع ہو جائیں تو سرہائے شہداء لائے جائیں اور سرِ اقدس حضرت سید الشہداء علیہ السّلام طشتِ طلاء میں اس ملعون کی کرسی کے پاس رکھا جائے اور اس کے بعد اہلِ بیتؑ کو مجلس میں داخل کیا جائے۔

لکھا ہے کہ اس مردود کی مجلس میں اہلِ بیتؑ طوعاً وکرہاً آئے اور جناب زینبؑ ایک گوشہ میں بیٹھ گئیں اور کنیزوں نے آپ کے اطراف حلقہ باندھ لیا تاکہ حاضرینِ مجلس کی نظروں سے آپ کو مخفی کر دیں۔ ابن زیاد علیہ اللعن خادمات سے مخاطب ہوا اور پوچھا کہ یہ کون ہے جن کو تم نے حلقہ میں لے لیا ہے۔ کنیزوں نے جواب نہیں دیا۔ اُس شقی نے پھر پوچھا اور کچھ جواب نہ پایا تو اُس کے ملازمین میں سے کسی نے کہدیا کہ یہ زینبؑ بنتِ علیؑ ابن ابیطالبؑ ہیں۔ یہ سُن کر ابن زیاد آپ سے مخاطب ہوا اور کہا "شکر ہے خدا کا کہ اُس نے تم کو قتل اور رُسوا کیا اور تمہارے غلط دعوے اور جھوٹ کو آشکارا اور ظاہر کر دیا۔ جناب زینبؑ نے اس ملعون کو جواب دیا۔

الحمد للہ الذی اکرمنا بنبیہ محمد وطھرنا
من الرجس تطھیرا۔ انما یفتضح الفاسق ویکذب
الفاجر وھو غیرنا۔ (شکر ہے خدا کا کہ جس نے ہم کو بزرگی و کرامت عطا فرمائی اپنے نبی محمد مصطفیٰ کی وجہ سے اور پاک کیا ہم کو ہر نجاست و ناپاکی سے جو حق پاک کرنے کا ہے۔ تحقیق کہ عنقریب فاسق رسوا و ذلیل ہوگا اور فاجر جھوٹا ہے اور ہم ان لوگوں میں نہیں وہ ہمارے سوائے دوسرے ہیں (ہمارے غیر ہیں) ابن زیاد نے پھر کہا۔ کیف رأیتِ صنع اللہ من اخیکِ الحسینؑ (تم نے دیکھا کہ خدا نے تمہارے بھائی حسینؑ سے کیا سلوک کیا؟) جناب زینبؑ نے فرمایا: ما رأیتُ اِلّا جمیلا ھؤلاء قوم کتب اللہ علیھم القتل
فبرزوا الیٰ مضاجعھم وسیجمع اللہ بینک وبینھم و
تتحاجون وتتخاصمون عندہ وان لک یا ابن زیاد
موقفا فاستعد لہ جوابا وانی لک بہ فانظر لمن
الفلج یومئذ ثکلتک امک یا ابن مرجانۃ۔ (میں نے سوائے نیکی اور خیر کے اور کوئی چیز خدا کی جانب سے نہیں دیکھی۔ اے ہا میری قوم تو خدا نے شہادت ان کے لیے مقسوم فرمائی تھی اس لیے وہ لڑے، شہید ہو گئے اور اپنی خوابگاہوں کو پہنچ گئے۔ لیکن اے زیاد کے بیٹے اللہ تجھ کو اور ان کو ایک جگہ جمع کرے گا جہاں تم سب حجّت پیش کرو گے اور مخاصمہ کرو گے۔ اے پسر زیاد تیری ماں تیرے غم میں روئے، تجھے ایک دن خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا۔ پس اُس دن کے لیے تیار رہ اور خوب سمجھ لے کہ اس روز کامیابی کس کو ہوگی؟) جناب زینبؑ کا یہ جواب سن کر ابن زیاد اس قدر برہم ہوا کہ اس نامرد بے حیا نے آپ کے قتل کا حکم دیا۔ ایک شخص عمرو بن حریث جو

اس کے قریب بیٹھا تھا کہا، کہ اے ابن زیاد یہ عورت ہے اور عورت کے کلام کا مواخذہ نہیں کیا جاتا اور اس طرح انتقام نہیں لیا جاتا۔ بروایتے ابن حریث نے کہا ”اب تجھ میں اتنی غیرت اور حمیت بھی باقی نہیں رہی کہ عورتوں پر ہاتھ اُٹھانے لگا اور انہیں قتل کرنے لگا“۔ بہرحال ابن حریث کی گفتگو کا اس شقی پر اثر ہوا اور یہ جناب زینبؑ کے قتل سے باز آیا۔ لیکن پھر جناب زینبؑ (معصومہ) سے مخاطب ہوا اور اپنی زبان نحس کے نشتر سے آپ کے قلب حزیں کو مجروح کرنا شروع کیا اور کہا ”حسینؑ طاغی اور ان کے سرکش و خطاوار ساتھیوں کے قتل سے خدا نے میرے دل کو ٹھنڈا کیا“۔ جناب زینبؑ نے اس ملعون کی یہ سخت کلامی اور گستاخی سُنی تو رونے لگیں اور فرمایا لعمری لقد قتلت کھلی وابرزت
اھلی وقطعت فرعی واجتثثت فان کان ھذا اشفائک
فقد اشتفیت (میری جان کی قسم بیشک تو نے ہمارے بوڑھوں کو قتل کیا، ہمارے اہل بیتؑ کی پردہ دری کی اور ہماری شاخ و برگ کو قطع کیا اور جڑ کو اکھاڑ ڈالا اگر یہ سب اُمور تیرے لیے باعثِ شفا ہوئے تو بیشک تو نے شفا پائی) آپ کا یہ جواب سُن کر ملعون ابن زیاد نے کہا کہ یہ عورت شجیعہ (بہادر) ہے۔ اور خدا کی قسم ان کے باپ علیؑ ابن ابیطالبؑ بھی بہادر اور شاعر تھے۔ جناب زینبؑ نے فرمایا عورتوں کے لیے شجاعت نہیں۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں، کہ ابن زیاد نے شجاعہ نہیں بلکہ یہ کہا کہ ”یہ عورت سجیعہ ہے“۔ یعنی سجع اور قافیہ میں بات کرتی ہے۔ جناب زینبؑ نے جواب دیا کہ میں نے جو کچھ کہا اس میں نہ شاعری ہے اور نہ خطابت بلکہ یہ سچی باتیں ہیں۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ فضول باتیں کر رہا ہے“!

ابن نما سے روایت ہے کہ جب ابن زیاد نے جناب زینبؑ سے کہا کہ

حسینؑ کے قتل سے میرے دل کو شفا ہوئی۔ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

انی اعجب ممن یشتفی بقتل ائمتہ ویعلم انھم منتقمون منہ فی دار الاخرۃ (مجھے حیرت ہے اس شخص سے جو اپنے پیشواؤں یعنی اماموں کو قتل کرتا اور کہتا ہے کہ اس سے اُس کو شفا حاصل ہوئی حالانکہ وہ جانتا ہے کہ آخرت میں اس سے مواخذہ کیا جائے گا اور بدلہ لیا جائے گا۔)

بعض روایات میں ہے کہ جناب زینبؑ نے فرمایا۔ یا ابن زیاد ان کان قرت عینک بقتل الحسین فقد کان عین رسول اللہ تقر برویتہ وکان یقبلہ ویمص شفیتہ ویحملہ ھو واخاہ علیٰ ظھرہ فاستعد غدا للجواب

اے پسرِ زیاد تو کہتا ہے کہ قتلِ حسینؑ سے تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں لیکن حسینؑ وہ تھے کہ جن کے دیدار سے رسولؐ اللہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی تھیں۔ آنحضرتؐ انھیں چومتے تھے۔ ان کے ہونٹوں کو چوستے تھے اور اُن کو اور اُن کے بھائی کو اپنی پشت (یعنی کاندھے یا کمر پر) پر بٹھاتے تھے۔ پس فردائے قیامت جوابدہی کے لیے تیار ہو جا۔)

ہمارے خیال میں مختلف راویوں نے جو مختلف جوابات بیان کیے ہیں، تو بہت ممکن ہے کہ جناب زینبؑ کی جوابی تقریر کے اجزا ہوں جو راویوں نے جدا کر کے ٹکڑے کر دیے اور اپنے یاد اور حافظ کے مطابق بیان کر دیے۔ یقیناً یہ آپ کی ایک ہی تقریر تھی جو جناب زینبؑ نے ابن زیاد کے گستاخانہ کلام کے جواب میں فرمائی تھی۔ جس کے راویوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ کسی نے کچھ حصہ یاد رکھا اور بیان کر دیا اور کسی نے دوسرا حصہ یاد رکھا اور بیان کر دیا۔ اگر ان مختلف راویوں کے بیان کردہ ٹکڑوں کو جمع کیا جائے تو ایک مدلل

اور مکمل تقریر اس طرح ہو جاتی ہے:۔

لعمری لقد قتلت کھلی وابرزت اھلی وقطعت فرعی واجتثثت فان کان ھذا شفائک فقد اشتفیت انی اعجب ممن یشتفی بقتل ائمتہ ویعلم انھم منتقمون منہ فی دار الاخرۃ۔ یا ابن الزیاد ان کان قرت عینک بقتل الحسین فقد کان عین رسول اللہ یقر برویتہ وکان یقبلہ ویمص شفیتہ ویحملہ ھو واخاہ علیٰ ظھرہ فاستعد غداً للجواب۔

ترجمہ: میری جان کی قسم بیشک تُو نے ہمارے بوڑھوں کو قتل کیا، ہم اہلِ بیتؑ کی پردہ دری کی، ہماری شاخ و برگ کو قطع کیا اور ہماری جڑ کو اُکھاڑ ڈالا اگر یہ سب اُمور تیرے لیے باعثِ شفا ہوئے تو بیشک تُو نے شفا پائی۔ بہ تحقیق کہ مجھے اس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو اپنے (پیشواؤں) اماموں کو قتل کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اس سے اُس کو شفا حاصل ہوئی درآنحالیکہ وہ جانتا ہے کہ آخرت میں اُس سے اِس کا مواخذہ کیا جائے گا۔ اے زیاد کے بیٹے تو کہتا ہے کہ قتلِ حسینؑ سے تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ تو خوب جانتا ہے کہ حسینؑ وہ تھے کہ جن کے دیدار سے رسولؐ اللہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی تھیں۔ اور آنحضرتؐ اُن کے ہونٹوں کو چومتے اور چوستے تھے اور اُن کو اور اُن کے بھائی (حسنؑ) کو اپنی (پیٹھ) پشت مبارک پر بٹھاتے تھے۔ پس۔ اے پسرِ زیاد فردائے قیامت جوابدہی کے لیے تیار ہو جا۔

روایت ہے کہ جب اہلِ بیتؑ ابن زیاد کی مجلس میں آئے تو جناب زینبؑ نے بلند اور مستقل آواز سے حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ غضوا ابصارکم عنا

یعنی اپنی آنکھیں نیچی کرلو اور ہمیں نہ دیکھو۔ اور پھر کنیزوں کے حلقہ میں ایک گوشہ میں بیٹھ گئیں۔ ابن زیاد نے پوچھا مَن ھٰذہِ المُتکَبِّرہ ؟ یعنی یہ کون عورت ہے جس کی ناک بھوں اِس قدر چڑھی ہوئی ہیں۔ کسی نے کہا کہ یہ زینبؑ بنت علیؑ ہیں۔ تو پھر وہ ملعون آپ سے مخاطب ہوا۔

ناظرین! ابن زیاد علیہ اللعن کے کلام اور جناب زینبؑ علیہ السّلام کی تقریر کو اگر بغور دیکھیں تو واضح ہو جائے گا کہ جناب زینبؑ اور ابن زیاد پلید کے کلام میں کس قدر زمین آسمان کا فرق ہے۔

جناب زینبؑ کے کلام میں سنجیدگی، متانت، علمیت و قابلیت، فصاحت و بلاغت ہے تو ابن زیاد کی گفتگو سے اس کا سفلہ پن، کم ظرفی، گستاخی، جہالت عداوت و شقاوت، کینہ پروری اور انتقامی جذبہ نمایاں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اولاد البغایا یعنی فاحشہ عورتوں کی مجہول النطفہ اولاد سے اور کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

جب ابن زیاد کو جناب زینبؑ نے دندان شکن جوابات سے عاجز کردیا تو اس ملعون نے جناب امام زین العابدینؑ سے مخاطب ہوکر بدزبانی شروع کی اور حضرت نے بھی ترکی بہ ترکی ایسے جوابات دیے کہ اس کو غصّہ آگیا اور اس نے آپ کے قتل کا حکم دیا۔ اس وقت جناب زینبؑ بے حد مضطرب ہوئیں اور امامؑ سے لپٹ گئیں۔ اور فرمایا: یا ابن زیاد حسبك من دمائنا واعتنقته والله لا افارقه فان قتله فاقتلنی معه (اے ابن زیاد تو نے ہمارا کافی خون بہایا ہے۔ قسم خدا کی میں اس نوجوان کو نہ چھوڑوں گی اگر تو اس کو قتل کرانا چاہتا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کرا دے) بعض کتبِ مقاتل میں ہے

کہ جناب زینبؑ نے فرمایا یا ابن زیاد نذرت علیٰ نفسك انك لا تبقیٰ من نسل محمّد صغیرا وکبیرا فاسئلك بالله لا تقتله حتیٰ تقتلنی (اے پسرِ زیاد کیا تو نے نذر کی ہے کہ تو محمدؐ مصطفےٰ کی نسل میں سے کسی چھوٹے یا بڑے کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ میں خدا کی قسم دے کر تجھے کہتی ہوں کہ اگر اس نوجوان کو قتل کرتا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کردے۔) جب ابن زیاد نے یہ صورتِ حال دیکھی تو کہا "خون کا جوش و محبت بھی عجیب چیز ہے۔ یہ بی بی چاہتی ہیں کہ اس نوجوان کے ساتھ اپنی جان بھی دے دیں۔ یہ نوجوان علیل و مریض ہے اس کو چھوڑ دو اس کی بیماری خود اس کو ہلاک کردے گی۔" تواریخ میں لکھا ہے۔ جب ابن زیاد نے امام زین العابدینؑ کے قتل کا حکم دیا تو آپ نے اُس شقی کو ڈانٹ کر کہا کہ "ابن زیاد تو مجھے موت سے ڈراتا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے اور شہادت ہماری فضیلت ہے۔"

سبط ابن جوزی نے بھی جناب زینبؑ اور ابن زیاد کی گفتگو کے الفاظ تھوڑے اختلاف کے ساتھ اسی طرح بیان کیے ہیں۔

شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے امالی میں روایت لکھی ہے کہ اہلِ بیتؑ جب کوفہ میں داخل ہوئے تو اسی وقت اور اسی روز ابن زیاد کے پاس لائے نہیں گئے بلکہ زندان میں بھیج دیے گئے اور بعد میں کسی وقت اس شقی نے اُن کو اپنی مجلس میں طلب کیا۔

بعض اخبار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ بیتؑ کوفہ میں شام کے وقت وارد ہوئے اور تمام شب کوفہ کے باہر میدان میں ٹھہرا دیے گئے۔ اور دوسرے روز صبح میں

ابن زیاد نے اپنی مجلس میں انہیں طلب کیا۔

کتاب نور العین میں ابو اسحٰق اسفرائینی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب اہلِ بیتِ اطہار ابنِ زیاد کی مجلس میں لائے گئے تو جناب زینبؑ ایک گوشہ میں بیٹھ گئیں اس لیے کہ آپ کا لباس پھٹا ہوا اور غبار آلود تھا اور آپ نہ چاہتی تھیں کہ حاضرینِ مجلس کی نگاہیں آپ پر پڑیں۔ ابن زیاد علیہ اللعن نے آپ کو دیکھ لیا اور حاجب سے پوچھا کہ یہ کون بی بی ہیں جو علیحدہ ایک گوشہ میں بیٹھ گئی ہیں۔ حاجب ملعون نے کہا کہ یہ حسینؑ خارجی (معاذ اللہ) کی بہن زینبؑ بنت علیؑ ہیں۔ یہ سُن کر ابن زیاد آپ سے مخاطب ہوا اور کہا۔ یا زینبؑ أرأیت صنع اللہ فی اخیک و کیف قطع دابرکم لانہ کان یرید الخلافۃ لیتم بھا اٰمالہ فخیّب اللہ منھا رجائہ و اٰمالہ۔

(اے زینبؑ تم نے دیکھ لیا کہ خدا نے تمہارے بھائی سے کیا سلوک اور کس طرح تمہاری نسل کو قطع کیا۔ تمہارے بھائی مسندِ خلافت کے متمنّی تھے تاکہ اس کو حاصل کر کے اپنے دلی آرزوئیں اور تمنّائیں پوری کریں اللہ نے انھیں ناکامیاب کیا اور ان کی اُمیدیں پوری نہ کیں) جناب زینبؑ نے جواب دیا:۔

یا بن زیاد ان کان اخی طلب الخلافۃ فھی میراث ابیہ وجدّہ واما انت یا ابن زیاد اعدّ جوابا اذا کان القاضی اللہ والخصم جدّی والشھو الملائکۃ والسجن جھنم وانما ھؤلاء القوم کتب اللہ علیھم القتل فبرزوا الیٰ مضاجعھم وغدًا

یجمع اللہ بینک وبینھم فتحاج وتخاصم

اے پسرِ زیاد اگر میرے بھائی خلافت کے طالب تھے تو حق بجانب تھے اس لیے کہ یہ اُن کے باپ دادا کی میراث تھی اور تو اے زیاد کے بیٹے اس دن جوابدہی کے لیے تیار ہو جا جب اللہ قاضی ہوگا۔

میرے نانا رسولؐ اللہ مدعی ہوں گے ملائکہ گواہ ہوں گے اور جہنم قید خانہ ہوگا۔ آگاہ ہو کہ وہ لوگ جنہیں تم نے قتل کیا ہے اُن کے لیے منجانب اللہ شہادت مقسوم ہو چکی تھی۔ پس وہ شہید ہو گئے اور اپنی خوابگاہوں کو پہنچ گئے۔ اے پسرِ زیاد فردائے قیامت خدا انہیں اور تجھے جمع کرے گا اس وقت حجتیں پیش ہوں گی اور جھگڑے تصفیہ پائیں گے۔)

مقتل ابی مخنف میں روایت ہے کہ جب اہلِ بیتِ طاہرینؑ مجلسِ ابن زیاد میں داخل ہوئے تو اس ملعون نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور دیکھا کہ ایک بی بی بلا مقنع وچادر ہیں اور اپنی آستین سے اپنا منہ چھپائے ہوئے ہیں۔ حاجب سے پوچھا یہ کون ہے۔ اس نے جواب دیا زینبؑ خواہرِ حسینؑ ہیں۔ یہ سُن کر شقی ابنِ زیاد آپ سے مخاطب ہوا۔ آپ نے کچھ اعتناء نہیں کی اور جواب نہیں دیا۔ بعد اس کے اصرار پر فرمایا: ما ترید یا عدو اللہ ورسولہ لقد ھتکتنا بین البر والفاجر

(اے دشمنِ خدا و رسول اچھے اور بُروں میں ہماری ہتکِ حرمت کرنے کے بعد اب تو کیا چاہتا ہے؟) اس کے بعد ابی مخنف نے مکالمہ وہی لکھا ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔

ابی مخنف لکھتے ہیں کہ جب امام زین العابدین علیہ السلام نے دیکھا کہ ابن زیاد علیہ اللعن اپنی گستاخی اور سخت کلامی سے جناب زینبؑ کی دلآزاری

کر رہا ہے تو آپ سے بالآخر صبر نہ ہو سکا اور آپ نے اس شقی کو مخاطب کیا اور فرمایا یا ابن اللئام انی تہتک عمتی و تعرّفہا لمن لا یعرفہا قطع اللہ یدیک و رجلیک (اے لئیم کے بیٹے تو کب تک میری پھوپی کی ہتک حرمت و عزت کرے گا اور جو لوگ ان سے واقف نہیں ہیں انہیں اس طرح واقف کراتا رہے گا۔ خدا تیرے ہاتھ پاؤں قطع کرے۔) یہ چیز غور کرنے اور سمجھنے کے قابل ہے کہ حجت اللہ اور امام برحق کی یہ جرأت اور ہمت ہوتی ہے کہ ایسے موقع پر اس طرح کلام کر سکے۔ ابن زیاد کی شقاوت و عداوت حکومت و اقتدار کو دیکھو اور علیؑ ابن الحسینؑ غریب و علیل ضعیف و نحیف طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے اسیر کو دیکھو اور پھر اس کلام پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ سوائے حجۃ اللہ، لسان اللہ، امام مؤید و منصوص من اللہ کے کوئی دوسرا ان حالات کے تحت ایک کافر، بے دین، سرکش، ظالم و غدار کو ان الفاظ کے ساتھ مخاطب کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا صرف حجج اللہ اور وہ صاحبانِ ایمان و عرفان جو ان حجج اللہ سے فیض حاصل کیے ہوئے ہوں تلوار کے سائے میں کلمۂ حق کہے اب بھی کہہ سکتے ہیں اور آئندہ بھی کہیں گے۔

روضۃ الشہداء میں روایت ہے کہ جب ابن زیاد علیہ اللعن نے جناب زینبؑ سے کہا "تمہارے بھائی حسینؑ کی سرکشی اور بغاوت کے خطرے اور برے نتائج سے خدا نے ہم کو بچایا اور آسودہ کیا۔" تو آپ نے جواب میں فرمایا:

یا ابن زیاد فقد جئت شیاء اذا و اتیت امرا عجیبا و خطبا غریبا فمع ذالک کیف تتوقع الراحۃ فی دار الدنیا ھیھات ھیھات انت سکران مغرور

ومفتون بمال الدنیا وجلالھا تزول تلک السلطنۃ ولا تعیش ذالک بعد ذالک ابدا ولا تری وجہ الاستراحۃ ھل تعلم ما فعلت بعترۃ الاطہار واولاد الاخیار فمع ذالک متفاخر بقتلھم ولا تنال نیلک ومقصودک و قد فعلت امرا یبقی عارہ علیک

ترجمہ: اے پسر زیاد تو ایک امر منکر و عظیم کا مرتکب ہوا ہے۔ ایک فعلِ عجیب و غریب تجھ سے سرزد ہوا ہے باوجود اس کے تو کیونکر متوقع ہے کہ تجھے راحتِ دنیا نصیب ہوگی۔ افسوس افسوس کہ تو عارضی قوت و اقتدار کے نشہ میں چور ہے۔ مال و جاہِ دنیوی نے تجھے فریفتہ و مغرور کر دیا ہے۔ آگاہ ہو کہ یہ حکومت اور سلطنتِ دنیا زائل ہونے والی چیز ہے اور تو ہمیشہ اس دنیا میں زندہ نہ رہے گا اور نہ راحت و آرام تجھے نصیب ہوگا۔ کیا تو جانتا اور سمجھتا ہے کہ تو نے عترتِ اطہار اور اولادِ اخیار سے کیا سلوک کیا ہے؟ تو اپنے برے اعمال پر اور ان نیک بندوں کو قتل کرنے پر فخر و مباہات کرتا ہے یاد رکھ کہ تو ایسے مکروہ و مذموم فعل کا مرتکب ہوا ہے کہ ابد الآباد اس کا عار و ننگ تیرے گلے کا ہار رہے گا اور تو اپنے مطلوب و مقصود کو کبھی حاصل نہ کر سکے گا۔

تاریخ ثابت کرتی ہے کہ جناب زینبؑ کی پیشین گوئی کس قدر جلد مکمل طور پر پوری ہوئی۔ آقا السید ابن حسن رضوی جارچوی نے اپنی کتاب "فلسفۂ آلِ محمدؐ" میں ان تاریخی واقعات کو جو امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ظاہر ہوئے بڑی خوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

" دنیا میں بہت سے انقلابات آچکے ہیں اور آتے رہتے ہیں لیکن حسینی انقلاب اپنی شان میں نرالا تھا حسینؑ

نے کربلا کی سہ روزہ زندگی میں اپنے اور اپنے
مخالفوں کے طرزِ عمل میں مقابلہ کر کے تمام دنیا
پر ثابت کر دیا کہ حق کس طرف ہے اور باطل کا
دامن کون پکڑے ہوئے ہے۔ یزید خوش تھا کہ وہ
دیار و امصار میں اہل بیتِ رسولؐ کی تشہیر کر کے
اُن کی تذلیل کر رہا ہے اسے یہ خبر نہ تھی کہ یہی عمل
ہے جس سے آلِ محمدؐ کے مصائب کی داستان عالمگیر
ہوتی جا رہی ہے اور اُن کی صداقت کا نقش دلوں
پر پائیدار ہو رہا ہے۔ کوفہ، حلب، موصل و دمشق
کے شہروں میں ہزاروں لاکھوں آدمیوں نے آلِ محمدؐ
کے مصائب کا ڈرامہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور مخدراتِ
عصمت کی جگر خراش اور رقت خیز تقریروں کو سُنا تو
ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک آگ سی
لگ گئی۔ محبتِ آلِ محمدؐ کا وہ جذبہ جو استبدادیت کے
سبب سے دب گیا تھا پھر ظاہر ہو گیا اور وہ آگ جو
زر پرستی اور سرمایہ داری کی وجہ سے بجھنے لگی تھی پھر
بھڑک اُٹھی۔ اس آگ نے ایک طرف تو عصیان سوزی
کا کام کیا تو دوسری طرف بنی اُمیّہ کی آرزوؤں کو جلا
کر خاکستر کر دیا۔ شعر:

خونِ او تازہ چمن ایجاد کرد
تا قیامت قطع استبداد کرد

دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ سلطنت جس کے خوف سے
قیصرِ روم کے قصر میں زلزلہ پڑ جاتا تھا جس کی ہیبت کے
سامنے صنادیدِ عجم تھرّانے لگتے تھے چند سال کے اندر پاش
پاش ہو گئی اور بنی اُمیّہ کا گھر ایسا برباد ہوا کہ کوئی نام لیوا
نہ رہا۔ دمشق کا وہ قصرِ ابیض جس میں کافوری شمعیں جلا
کرتی تھیں جو اِندر کا اکھاڑا بنا ہوا تھا جہاں سلاطینِ
عالم کے سر جھکتے تھے آج ویران ہے اور حسینؑ کا وہ اُجڑا
ہوا بن جہاں ریگستان کے سوا کچھ نہ تھا آج گلزار بنا
ہوا ہے۔ تو کیا اہلِ بصیرت کے لیے قدرت کا یہ فیصلہ
کافی نہیں۔ کلّا اِنّہٗ تذکرۃ فمن شاء
ذکرہ۔" پھر لکھتے ہیں:

"معاویہ اور اولادِ معاویہ کی سیہ کاریاں باوجود
کوشش کے طشت از بام ہوئے بغیر نہ رہ سکیں
اور مدبّرینِ اسلام تاریخ کے ہر دور میں ان اسلام
سوز حرکات پر ماتم کرتے چلے آئے ہیں علیؑ اور اولادِ
علیؑ کے فضائل روپیہ کے لالچ سے تلوار کے خوف سے
اور طاقت و سلطنت کے دباؤ سے مٹائے گئے مگر آج
بھی کتابیں ان کے احصاء سے معذور ہیں اور زبانیں
اُن کے بیان سے عاجز ہیں۔ . . . . حیرت ہے کہ
بنی اُمیّہ جن کے پاس حکومت تھی سلطنت تھی جو
ہزاروں انسانوں کی قسمت کے مالک تھے جن کے

دروازوں پر شاہانِ وقت ذلیل کیے جاتے تھے آج صفحۂ دنیا سے بالکل نیست و نابود ہوگئے اور فاطمہؑ کی فاقہ کش اولاد نبیٔ عربی کی مصیبت زدہ عترت شاہانِ وقت کے جور واستبداد کے صدمے اُٹھانے کے باوجود اب تک دنیا میں عزت وآبرو کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ کیا صداقت کا یہ نشان متلاشیٔ حق کے لیے کم ہے؟"

پھر ایک جگہ مولانا ابن حسن لکھتے ہیں:۔

" حسینؑ شہید ہوگئے۔ اُن کا جسمِ نازنین گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر دیا گیا۔ آج باطل کی مسرت کا دن تھا۔ حق اور اُس کی تمام قوتیں مضمحل نظر آتی تھیں میدان جنگ فتح وظفر کے شادیانوں سے گونج رہا تھا۔ حق کے علمبرداروں کی خون آلودہ لاشیں اپنے سردار کے گرد خاک پر پڑی تھیں...... نتیجۂ جنگ بالکل عیاں تھا۔ خیامِ اہلِ بیتؑ میں آگ لگی ہوئی تھی اور آگ کے شعلے بلند ہو ہو کر یزید کی فتح کا اعلان کر رہے تھے۔ حسینؑ کے پسماندگان کی اسیری زبانِ حال سے اپنی شکست کی گواہ تھی۔ کس کو خبر تھی کہ آگ کے یہ شعلے حسینی بارگاہ کو نہیں بلکہ بنی اُمیہ کے خرمنِ آرزو کو جلا رہے ہیں۔ کون جانتا تھا کہ آلِ محمدؐ کی اسیری ایک عالمگیر آزادی کا پیش خیمہ ہے۔ قوموں کی تاریخ میں

صدیاں لمحوں کے برابر ہیں۔ آنکھ بند کرتے ہوئے نسلیں گذر جاتی ہیں۔ ابھی چند سال نہ گذرے تھے کہ ان ہی آنکھوں نے جو حسینؑ کو خاک وخون میں لوٹتا ہوا دیکھ چکی تھیں بنی اُمیہ کا زوال بھی دیکھا۔"

مولانا السید ابن حسن صاحب کا بیان ختم ہوا۔ اب ہم علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے چند اشعار درج کرتے ہیں ان ہی خیالات کو مرحوم نے نظم میں خوب ادا کیا ہے۔ کہتے ہیں:۔

رمزِ قرآں از حسینؑ آموختیم	ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم
شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت	سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت
تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز	تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز
اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں	اشکِ ما بر خاکِ پائے او رساں

تواریخ میں ہے کہ عبید اللہ ابن زیاد علیہ اللعن والعذاب نے جب جناب امام زین العابدینؑ اور اہلِ بیت طاہرینؑ کو اپنی زبان کے نشتر سے مجروح کرنے کے بعد حکم دیا کہ ان بزرگواروں کو اس کی مجلس سے لے جائیں اور ایک ویرانہ مکان میں رکھیں۔ ایک روایت کے مطابق قید خانہ بھجدیا۔

صاحب طراز المذہب لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کہ قیام کوفہ کے زمانہ میں اہلِ بیتؑ قید خانہ میں رکھے گئے یا کسی مکان میں۔ روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ اہلِ بیتؑ جب کربلا سے کوفہ پہنچے تو شام ہوگئی تھی اس لیے زنداں میں داخل کر دیے گئے۔ دوسرے روز صبح میں بازارِ کوفہ میں جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ نے جو خطبے ارشاد فرمائے اور مجلسِ ابن زیاد میں جو گفتگو ہوئی اس سے عوام میں انتشار پیدا ہوا اس لیے

ابن زیاد خائف ہوا اور اہلِ بیتؑ کو مکرر قید خانہ نہیں بھیجا بلکہ ایک ویرانہ مکان ان کے رہنے کے لیے مقرر کیا اور یزید کو خط لکھا اور جواب کا منتظر رہا۔

بحر المصائب میں روایت ہے کہ جب اہلِ بیتِ طاہرینؑ ابن زیاد کی مجلس میں لائے گئے اور یہ شقی جو کچھ گفتگو کرنی تھی کر چکا تو دیر تک خاموش بیٹھا ہوا سوچتا رہا اور پھر حکم دیا کہ اہلِ بیتؑ کو لے جائیں اور جامع مسجد سے متصل سرائے میں ٹھہرا دیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ابن زیاد کے خوف سے اہلِ کوفہ سرائے کے قریب بھی قدم نہ رکھ سکتے تھے اور نہ کوئی ان ستم رسیدہ قیدیوں کی احوال پرسی کر سکتا تھا۔

بحار الانوار میں مسطور ہے کہ اہلِ بیتؑ جامع مسجد سے متصل ایک مکان میں ٹھہرائے گئے اور جنابِ زینبؑ سے روایت ہے، آپ فرماتی ہیں کہ ہمارے قیامِ کوفہ کے زمانہ میں سوائے کنیزوں کے کوئی زنِ عربی ہم سے ملنے نہیں آئی۔

بحار میں یہ بھی روایت ہے کہ ابن زیاد نے اہلِ بیتؑ کو زنداں میں رکھا اور اطراف و اکناف کے شہروں اور قریوں کو سوار روانہ کیے کہ امام حسین علیہ السلام کے قتل کی خوش خبری لوگوں کو دیں۔

امالی میں شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے ابن زیاد کے حاجب کی روایت لکھی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ابن زیاد نے مجھے حکم دیا کہ علیؑ ابن الحسینؑ کو زنجیروں میں خوب جکڑ دیا جائے اور ان کو اور سب عورتوں کو قید خانہ میں داخل کر دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں نے کی۔ جب ان قیدیوں کو میں زندان لے جا رہا تھا تو دیکھا کہ جن مقامات سے ان کا گذر ہوتا تو لوگ ان کی حالتِ زار دیکھ کر روتے اور منہ پیٹتے تھے۔ بہرحال اہلِ بیتؑ زندان میں داخل کر دیے گئے اور درِ زندان مقفل کر دیا گیا اور محافظین کو تاکید کر دی گئی کہ ان قیدیوں پر سخت

نگرانی کریں اور ان سے کسی قسم کی نرمی نہ کریں۔ ہمارے خیال میں حاجب کی یہ روایت ہی صحیح ہے۔ ابن زیاد جیسے شقی القلب اور دشمنِ خدا و رسولؐ سے ایسی توقع کرنا کہ وہ قیدیانِ اہلِ بیتؑ کو کسی مکان یا سرائے میں ٹھہرائے بعید از عقل و قیاس ہے۔ خصوصاً جب کہ بعض اہلِ کوفہ کی ان حضرات سے ہمدردی کا حال اس کو معلوم ہو گیا ہوگا۔

صاحبِ ریاض الاحزان لکھتے ہیں کہ کتبِ سیر و مقاتل سے قطعی طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ قید خانے کی کیا حالت تھی وہ مسقف تھا یا بغیر سایہ تھا لیکن یہ تو بالکلیہ ثابت ہے کہ اہلِ بیتؑ کی قید سخت ترین تھی۔ ان بزرگواروں کو باہر آنے کی اجازت نہ تھی اور نہ کوئی باہر سے اندر داخل ہو سکتا تھا۔ آب و طعام اس قدر کم مقدار میں دیا جاتا تھا کہ بچے بڑے بھوک و پیاس کی شدت سے تلملاتے اور بلبلاتے رہتے تھے۔ خادم و مخدوم، بردہ و خاتون سب ایک کمرہ میں بند کر دیے گئے تھے۔

روایت ہے کہ جب اہلِ بیتؑ قید خانہ میں داخل کر دیے گئے اور انھیں ایک کمرہ میں مقفل کر دیا گیا تو جنابِ زینبؑ ایک گوشہ میں بیٹھ گئیں اور سب بیبیاں اور بچے ترساں و پریشاں آپ کے اطراف جمع ہو گئے اور سب مل کر نالہ و فریاد کرنے لگے اور یہ منظر ایسا دردناک تھا کہ جس کے نظارہ سے پتھر بھی پانی ہو جائے اور سمندر کی مچھلیاں کباب ہو جائیں۔

صاحبِ طراز المذہب اہلِ بیتؑ اطہار کے کربلا سے کوفہ تک کے واقعات بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ان حالات اور واقعات کے دیکھنے کے بعد ناظرین پر اہلِ بیتِ طاہرینؑ کے مراتبِ عالیہ ہو جانا چاہیے۔ کربلا سے روانہ ہو کر کوفہ پہنچنے تک بازارِ کوفہ میں مجلسِ ابن زیاد میں، زندانِ کوفہ میں جو صدمات آفات و مصائب ان مقدس ہستیوں پر وارد ہوئے وہ ایسے سخت اور جانکاہ تھے کہ اگر کوہ پر واقع ہوتے تو کاہ ہو جاتے۔ اگر سمندروں پر پڑتے تو وہ خشک ہو جاتے

اگر آسمانوں پر نازل ہوتے تو انہیں متزلزل کر دیتے مگر اہلِ بیتِ طاہرینؑ نے حفظِ مراتب
خاندانِ رسالت کا لحاظ و خیال رکھتے ہوئے ان مصائبِ عظمیٰ کو بڑے صبر و استقلال
اور وقار کے ساتھ برداشت فرمایا اور کسی وقت بھی ذرا سی ذلّت گوارا نہ کی اور نہ کبھی
کوئی ایسا کلمہ منہ سے نکالا جس سے خدا کی شکایت یا ناشکری کا شبہ بھی ہو۔ پہاڑوں
کے مانند بلاؤں کو جھیل لیا۔ اور مصائب کے سمندروں کو زیرِ پا کر لیا اور چیں بر
جبیں نہ ہوئے۔ جب موقع پایا اہلِ دنیا کو اپنا حق جتایا۔ اپنے مخالفین کی باطل
پرستی، گمراہی، ظلم وجور کو بخوبی واضح و روشن کر کے دکھایا۔

اِس مسئلہ میں کہ اہلِ بیتؑ کوفہ میں کتنے روز رہے۔ روایات میں اختلاف
ہے۔ عموماً اخبار سے پایا جاتا ہے کہ اہلِ بیتؑ تیرہویں محرّم کو کوفہ پہنچے اس کے
بعد ابن زیاد نے یزید کو خط لکھا جس میں امام حسینؑ کی شہادت اور اہلِ بیتؑ کی
اسیری کا حال لکھا۔ جب یہ خط یزید علیہ اللعن کو پہنچا تو اس نے اپنے مشیرانِ خاص
سے مشورہ کرنے کے بعد ابن زیاد کو لکھا کہ سرہائے شہداء اور اہلِ بیتؑ کو دمشق
بھیج دیا جائے۔ ان کے ساتھ سوار و پیادہ کی فوج رہے اور اس فوج کا کوئی بہادر
اور دلیر شخص افسر مقرّر کیا جائے تاکہ کوفہ سے دمشق تک کے راستہ میں اہلِ قصبات و
قبائل مزاحمت نہ کر سکیں۔ اگر کریں تو فوج مقابلہ کر سکے اور اہلِ بیتؑ رہا نہ ہونے
پائیں۔ جب یزید کا خط ابن زیاد کو موصول ہوا تو اس ملعون نے حسبہٗ عمل کیا۔ یزید
کے ان تاکیدی احکام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ملعون خطرہ کو محسوس کرنے لگا تھا اور
سمجھ گیا تھا کہ حسینؑ ابن علیؑ کا خون بہانا اور اُن کے اہلِ بیتؑ کو قید کرنا کوئی
معمولی بات نہیں اور یہ بہت جلد رنگ لائے گی۔

بعض مورّخین نے لکھا ہے کہ جب اہلِ بیتؑ کوفہ پہنچے تو اُن کا حالِ زار
دیکھ کر اور جناب امام زین العابدینؑ، جناب زینبؑ، جناب ام کلثومؑ کے خطبات

اور ارشادات سُن کر اہلِ کوفہ میں انتشار و اضطراب پیدا ہو گیا اور ابن زیاد نے
اس خیال سے کہ کہیں اس ملعون کے خلاف شورش اور بغاوت نہ ہو جائے یزید
کے بلا استمزاج اہلِ بیتؑ کو مع سرہائے شہداء، شام روانہ کر دیا۔ صاحبِ
"طراز المذہب" تحریر فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف اور غیر صحیح ہے۔ امرِ واقعہ
جو معتبر روایات سے ظاہر اور ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ گیارہ محرّم کی شام میں
اہلِ بیتؑ کوفہ پہنچے اور چودہویں محرّم کو ابن زیاد نے یزید کو خط لکھ کر روانہ کیا۔
اور یہ خط اواخرِ محرّم میں اس کو ملا۔ یزید نے خط کا جواب دیا جو سولہ روز بعد ابن
زیاد کو وصول ہوا اور یہ خط ملنے کے بعد تین روز ابن زیاد اہلِ بیتؑ کی روانگی
کے انتظامات اور تیاریوں میں مصروف رہا اور چوتھے روز اہلِ بیتؑ کا قافلہ
کوفہ سے شام روانہ ہوا۔ یہ قافلہ کربلا ہوتا ہوا شام گیا۔ قافلہ کربلا میں ۱۸ صفر
کو پہنچا اور یہاں دو روز قیام کیا اور بیس صفر کو وہاں سے روانہ ہوا۔ ان روایات
کے بموجب اہلِ بیتؑ کا قیام کوفہ میں ایک مہینہ سات یوم رہا اور یہ تمام
زمانہ قید میں گذرا۔

* * * * *

باب ۱۲

کوفہ سے شام تک سفر کے حالات اور واقعات

روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸ صفر کو اہلِ بیتؑ کوفہ سے شام کی طرف روانہ ہوئے اور اسی روز شام میں کربلا پہنچے اور دو روز قیام کیا اور بیس صفر کو جانب دمشق روانہ ہوئے۔

بعض کتبِ مقاتل میں ہے کہ جب ابن زیاد نے چند بہادر بے دین و سخت ترین دشمنانِ آلِ رسولؐ سپاہیوں کا دستہ تیار کر لیا تو اُن کو مکمّل طور پر مسلح کیا اور یہ فوج قید خانہ پر آئی۔ اہلِ حرم جو بحالتِ سوگواری اور پریشانی مقید تھے سواروں اور پیادوں کا ہمہمہ اور شور سن کر خوف زدہ اور ہراساں ہو گئے بچے ڈر کر رونے لگے اور ماؤں سے لپٹ گئے لیکن بیباک ظالم سپاہیوں نے اہلِ بیتؑ خواجہ لولاک کو اونٹوں پر سوار کر کے مثل اسرائے ترک و دیلم کوفہ سے لے چلے۔ جناب امام زین العابدینؑ، جناب زینبؑ، جناب ام کلثومؑ اور دیگر مخدرات بوقت روانگی خلقت کا اژدہام و ہجوم، اپنا لٹا ہوا سامان اور سرہائے شہدا دیکھ کر اپنی بیچارگی اور دربدری پر گریاں و نالہ کناں ہوئے۔

یہاں ہم ایک واقعہ کی طرف ناظرین کی توجہ منعطف کرانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ یہ کوفہ وہی مقام تھا جو جناب امیر علیہ السّلام کی خلافتِ ظاہرہ کے زمانہ میں آپ کا دار الخلافہ تھا جہاں جناب زینبؑ کی ایسی عزّت و توقیر کی جاتی تھی

کہ اہلِ کوفہ کی کوئی عورت بھی بلا حصولِ اجازت آپ کی ملاقات سے مشرف نہ ہو سکتی تھی اور آج اسی شہرِ کوفہ میں یہ شہزادی بطور قیدی اونٹ پر سوار تھیں اور اہلِ کوفہ تماشہ بینی کے لیے جمع تھے۔ اس وقت جناب صدیقۃ الصغریٰ کے دل پر کیا گذری ہوگی اور آپ کے قلبِ حزیں کا کیا حال ہوا ہوگا، اس کا تصور ہمارے دلوں کو پانی کر دینے اور خون رُلانے کے لیے کافی ہے۔ اگر اس ایک مصیبت پر ہی ہم روتے روتے جاں بحق ہو جائیں تو حق بجانب ہوگا۔

مقتل ابی مخنف اور بعض دیگر کتبِ معتبرہ میں سہل کی روایت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب مجھے اطلاع ہوئی کہ بڑے اہتمام و انتظام کے ساتھ اہلِ بیتِ رسولؐ کو شام روانہ کیا جا رہا ہے تو میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ کسی طرح بھی قافلہ کے ساتھ ہو جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے ایک ہزار دینار اور ایک ہزار درہم بطور خرچ سفر ساتھ لیے اور قافلہ کے ہمراہ ہو گیا۔ جب قافلہ قادسیہ پہنچا تو اہلِ بیتؑ نے مجلسِ عزا برپا کی اور جناب ام کلثومؑ نے چند اشعار بطورِ مرثیہ ارشاد فرمائے۔

ناسخ التواریخ میں روایت ہے کہ جب اہلِ بیتؑ منزل نصیبین پہنچے اور وہاں اُترے تو سرہائے شہدا اُن کے قیام گاہ کے پاس رکھے گئے۔ جناب زینبؑ کی نظر اُن سرہائے بُریدہ پر پڑی تو آپ نے فرمایا:

أتشهر ما بين البرية عنوة — ووالدنا أوحى اليه جليل

كفرتم برب العرش ثم نبيه — كأن لم يجئكم في الزمان رسول

لحاكم الله العرش يا شر أمة — لكم في لظى يوم المعاد عويل

ترجمہ: (۱) کیا لوگوں میں ہماری اس بُری طرح تشہیر کی جائے حالانکہ ہمارے باپ (رسولؐ) کی طرف خدائے جلیل نے وحی بھیجی تھی۔

(۲) تم نے ربِ عرش اور اس کے نبیؐ کی تکفیر کی۔ گویا کہ تمہارے درمیان کبھی نبیؐ

آئے ہی نہ تھے۔

(۳) اے امتِ بد، خدا تمہارا بُرا کرے۔ تم روزِ حشر جہنم میں چیختے اور چلاتے پڑے رہو گے۔

کتاب بحر المصائب اور سرور المومنین میں روایت ہے کہ امام حسینؑ کے ایک برادرِ رضاعی تھے جن کا نام عبداللہ بن قیس انصاری تھا۔ یہ بزرگوار امام حسن مجتبیٰ علیہ السّلام کی شہادت کے بعد مدینہ چھوڑ کر حلب چلے آئے تھے اور یہاں کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ ہر سال حج کو جاتے تو مدینہ آتے اور جنابِ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی ملاقات سے مشرّف ہوتے۔ اس سال جب حضرت سید الشہداءؑ کربلا روانہ ہوئے تو یہ بزرگوار تحائف و ہدایا لے کر حلب سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے کہ حضرت سے ملاقات کریں۔ جب یہ نصیبین پہنچے تو ایک سایہ دار مقام پر اُتر پڑے تاکہ قدرے آرام کریں۔ ناگاہ دیکھا کہ ایک کارواں چلا آرہا ہے۔ یہ خوش ہوئے کہ چلو اور لوگ بھی آرہے ہیں تنہائی نہ رہے گی ان لوگوں کی صحبت ملے گی۔ یہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور چلے کہ دریافت کریں کون لوگ ہیں کس کا قافلہ ہے۔

جب پہنچے تو دیکھا کہ سواروں اور پیادوں کے حلقہ میں چند اونٹ ہیں جن پر عورتیں سوار ہیں۔ یہ قافلہ نہرِ آب پر پہنچا اور وہاں اُتر گیا۔ ایک بی بی جو بلند قامت تھیں اور جن کی گود میں ایک تین چار سال کی لڑکی تھی اونٹ سے اُتریں نہر پر پہنچیں اور پینے کے لیے چلّو میں پانی لیا اور اس قدر گریہ کیا کہ پانی آنسوؤں سے مخلوط ہو گیا اور فرمانے لگیں أشرب الماء وقتل اخی عطشانا۔ (ہائے کیا میں یہ پانی پیوں جب کہ میرا بھائی پیاسا شہید ہوا۔) پھر انہوں نے دیکھا کہ ایک اونٹ پر ایک نوجوان مریض سوار ہے جو طوق و زنجیر میں جکڑا ہوا ہے۔ یہ نوجوان اونٹ سے اُترنے کی کوشش میں زمین پر گر پڑا اور سب بیبیاں دوڑ کر

اُس کو اُٹھانے لگیں۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں بھی دوڑ کر قریب پہنچ گیا کہ مدد کروں لیکن اُس بلند قامت سیاہ پوش بی بی نے بلند آواز سے مجھ سے کہا "اے نامحرم دور ہو جا"۔ میں نے کہا اے بی بی میں نیک نیتی سے اس نوجوان کو اٹھانے اور آپ کی مدد کرنے کی غرض سے قریب آگیا ہوں۔ ایک مردِ مسافر ہوں اور اپنے بھائی کی ملاقات کے لیے کوفہ جا رہا ہوں۔ یہ سُن کر وہ بلند قامت بی بی (جنابِ زینبؑ) نے مجھ سے پوچھا۔ ما اسمك یا فتیٰ ومن اخوك (اے شخص تیرا کیا نام ہے اور تیرا بھائی کون ہے؟) میں نے جواب دیا کہ میرا نام عبداللہ بن قیس الانصاری ہے اور میرے بھائی حسینؑ ابن علیؑ ابن ابیطالبؑ ہیں۔ جب نامِ حسینؑ سُنا تو اُس بی بی نے ایک آہِ سرد بھری اور وا محمداہ وا علیاہ کہا اور نوکِ نیزہ پر ایک سر کو بتاتے ہوئے مجھ سے کہا ھٰذا راس اخی الحسین ان کنت زائرہ فزرہ (دیکھو یہ سر ہے میرے بھائی حسینؑ کا اگر تم ان کی زیارت کے لیے جا رہے تھے تو لو زیارت کر لو۔)

جب قافلہ شہرِ قنسرین میں پہنچا تو یہاں کے لوگ جو شیعیانِ امیر المومنینؑ سے تھے مسلح ہو کر نکل آئے اور فوجِ کفار پر جو اہلِ بیتؑ کے ساتھ تھی حملہ کر دیا اور اس شہر میں ٹھہرنے نہیں دیا۔

جب شہرِ سیبور میں پہنچے تو اہلِ سیبور نے اہلِ بیتؑ رسولؐ کی حمایت میں پوری قوّت سے فوجِ محافظ پر حملہ کیا اور چند اشقیا کو واصلِ جہنم کیا اور جنابِ اُمِ کلثومؑ نے اہلِ شہر کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

اور چند منازل طے کرنے کے بعد اہلِ بیتؑ بعلبک پہنچے اور اس شہر کے لوگوں نے اظہارِ مسرت و شادمانی کیا اور جنابِ زینبؑ اور جنابِ اُمِ کلثومؑ نے ان پر نفریں کی۔

صاحبِ طراز المذہب لکھتے ہیں کہ اہلِ بیتؑ طاہرینؑ نے اس سفر میں کوفہ سے دمشق تک کتنے منازل طے کیے اور اُن کے کیا نام تھے اور اُن منازل پر کس بی بی نے کیا ارشادات فرمائے اِن اُمور کے متعلق تواریخ و مقاتل میں مختلف روایات ہیں۔

مقتل ابی مخنف میں جو روایت ہے اس میں حسب ذیل منازل بتائے گئے ہیں:۔

(۱) کوفہ سے کربلا
(۲) کربلا سے قادسیہ
(۳) قادسیہ سے موصل
(۴) موصل سے نصیبین
(۵) نصیبین سے دعوات
(۶) دعوات سے قنسرین
(۷) قنسرین سے معرہ
(۸) معرہ سے بشیرز
(۹) بشیرز سے سیبور
(۱۰) سیبور سے حماہ
(۱۱) حماہ سے حمص
(۱۲) حمص سے بعلبک
(۱۳) بعلبک سے دمشق۔

ابی مخنف کی روایت سے تیرہ منزل ہوتے ہیں۔ بعض مورخین بارہ منزل کہتے ہیں۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اہلِ بیتؑ کو چوالیس ۴۴ منزلوں پر ٹھہرتے ہوئے دمشق لے گئے۔ لیکن منازل کے نام نہیں بتائے۔

صاحبِ مفتاح البکاء لکھتے ہیں کہ میری تحقیق میں ثابت ہوا ہے کہ اہلِ بیتؑ نے بیس منازل میں بیتوتہ کیا یعنی مقام کیا اور کوفہ سے روانگی کے بیسویں دن دمشق پہنچے۔ ممکن ہے کہ اس سے زیادہ مقامات پر ٹھہر گئے ہوں لیکن مجھے اس کا علم نہ ہو سکا۔ ہماری رائے میں صاحبِ مفتاح البکار کی تحقیق صحیح یا صحت کے قریب تر ہے اس لیے کہ مقتل ابی مخنف میں ایک روایت ہے جس کا راوی وہی سہل ہے جو کوفہ سے اہلِ بیتؑ کے قافلہ کے ساتھ ہو گیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ کوفہ سے دمشق

تک فاصلہ چوبیس منازل میں ختم ہوا اور منازل کے نام بھی بیان کرتا ہے جو حسب ذیل ہیں:۔

(۱) منزل اول قادسیہ۔
(۲) منزل دوم تکریت۔
(۳) منزل سوم طریق اکبر۔
(۴) منزل چہارم اعلےٰ۔
(۵) منزل پنجم دیر عروہ
(۶) منزل ششم صلیبا
(۷) منزل ہفتم وادی النخل
(۸) منزل ہشتم لیتا یا ارمیاہ
(۹) منزل نہم کحیل
(۱۰) منزل دہم موصل
(۱۱) منزل یازدہم تل اعفر
(۱۲) منزل دوازدہم جبل سنجار
(۱۳) منزل سیزدہم نصیبین۔
(۱۴) منزل چہاردہم عین الورد۔
(۱۵) منزل پانزدہم دعوات۔
(۱۶) منزل شانزدہم قنسرین۔
(۱۷) منزل ہفدہم شیرز۔
(۱۸) منزل ہجدم کفر تاب۔
(۱۹) منزل نوردہم سیبور۔
(۲۰) منزل بستم حمص۔
(۲۱) منزل بست و یک کنیہ قیس۔
(۲۲) منزل بست و دو بعلبک۔
(۲۳) منزل بست و سہ صومعہ۔
(۲۴) منزل بست و چہار دمشق

مولانا سید اولاد حیدر فوق بلگرامی نے صحیفۃ العابدین میں حسب ذیل منازل بتائے ہیں:۔

(۱) منزل۔ کربلا۔
(۲) منزل۔ قادسیہ۔
(۳) منزل۔ موصل۔
(۴) منزل۔ تکریت۔
(۵) منزل۔ وادی نخلہ۔
(۶) منزل۔ شہر لبا۔
(۷) منزل۔ دیہ کحیل۔
(۸) منزل۔ نصیبین۔
(۹) منزل۔ دعوات۔
(۱۰) منزل۔ قنسرین

(۱۱) منزل ۔ مقبرۃ النعمان ۔
(۱۲) منزل ۔ شیرز ۔
(۱۳) منزل ۔ ارض سیبور ۔
(۱۴) منزل ۔ حماہ ۔
(۱۵) منزل ۔ حمص ۔
(۱۶) منزل ۔ بعلبک ۔
(۱۷) منزل ۔ دیر راہب ۔
(۱۸) منزل ۔ حرّان ۔
(۱۹) منزل ۔ دمشق ۔

اس کے علاوہ اور بہت سی روایات ہیں جو صاحبِ طرازالمذہب نے بیان کی ہیں لیکن ہم نظر انداز کرتے ہیں ۔

منازل کی تعداد جو کچھ بھی ہو مگر یہ ظاہر ہے کہ اس سفر میں اہلِ بیتؑ طاہرین پر بلا کی صعوبات اور مصائب گذر گئے ۔ اونٹوں کا سفر خود باعثِ تکلیف و زحمت ہوتا ہے ۔ وہی شخص اس کی تکلیف کو محسوس کر سکتا ہے جس نے اونٹ پر ایک مختصر سا سفر بھی کیا ہو ۔ اہلِ بیتؑ کا سفر تو تقریباً چھ سو میل کا تھا ۔ فی زمانہ بغداد سے دمشق کو موٹر میں سفر کیا جاتا ہے تو یہ فاصلہ کم و بیش چھ سو میل ہے اور تقریباً تیس گھنٹوں میں طے ہوتا ہے ۔ بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ اشقیاء، اہلِ بیتؑ کو نامعلوم راستوں اور گذر گاہوں سے لے گئے تھے تاکہ راستہ میں مزاحمت اور مخالفت کا سامنا نہ ہو ۔ بعض وقت ایسا بھی ہوا کہ ایک مقام پر منزل کرنے کا قصد رکھتے تھے لیکن جب ان کو معلوم ہو جاتا کہ وہاں کے لوگ دوستانِ اہلِ بیتؑ میں سے ہیں تو لڑائی کے اندیشہ سے راستہ کاٹ کر دوسری طرف نکل جاتے تھے اور اس میں بسا اوقات اونٹوں کی رفتار تیز کر دی جاتی تھی ۔ ناظرین، غور فرمائیں کہ اس دوڑ دھوپ اور کشمکش میں بیمارِ علیؑ ابن الحسینؑ، مخدرات اور چھوٹے چھوٹے بچوں پر کیا کچھ مصائب نہ گذرے ہوں گے ۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ بعض مقامات پر فوج محافظ اور اہالیانِ شہر کے درمیان جھڑپیں بھی ہو گئیں

طرفین کے کچھ لوگ مارے گئے یہ جھگڑے اور لڑائیاں بھی یقیناً بیبیوں اور بچوں کی دہشت اور خوف کا باعث ہوئی ہوں گی ۔ بعض ایسے مقامات پر سے گذر ہوا کہ جہاں کے باشندے دشمنانِ آلِ رسولؐ سے تھے اور جب اہلِ بیتؑ یہاں پہنچے تو ان بدبختوں نے اظہارِ شادمانی کیا تو اہلِ بیتؑ کو اس کا صدمہ نہ ہوا ہو گا، کیا اس سے ان کے قلوب مجروح نہ ہوئے ہوں گے ؟ کیا یہ مصیبت کوئی معمولی مصیبت تھی ؟ لا واللہ، ان تمام مصائب پر عظیم تر مصیبت یہ تھی کہ سب صدمات و تکالیف گذر رہے تھے لیکن کوئی دلجوئی کرنے والا، دلاسہ و تسلی دینے والا بھی نہ تھا بلکہ اس کے برخلاف اشقیاء جو بطور محافظ ساتھ تھے انواع و اقسام کی جسمانی اور روحانی ایذائیں پہنچاتے تھے ۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بے دینوں کی زدوکوب اور بے جا سختی کی وجہ سے کئی بچے اثناءِ سفر میں ہلاک ہو گئے ۔ اونٹوں کو بعض وقت اس قدر تیزی سے ہانکتے تھے کہ بچے اونٹوں سے گر کر ضائع ہو جاتے تھے ۔ ہم چند منازل کے واقعات بیان کرتے ہیں جن سے ہمارے بیان کی تصدیق ہو گی اور اس پر مزید روشنی پڑے گی ۔

بحرالمصائب میں مسطور ہے کہ جب اہلِ بیتؑ موصل پر پہنچے تو شہر کے لوگ تماشہ بینی کے لیے نکل آئے اور ان کا ہجوم دیکھ کر جنابِ زینبؑ بیحد متاثر و مغموم ہوئیں اور گریہ فرمایا اور اس مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "اے یزیدیو! تم نے خدا کو بھلا دیا گویا کہ خدا نے تمہارے لیے کوئی دین و آئین بھیجا ہی نہیں تھا اور رسول اللہ نے اس کو تم تک پہنچایا ہی نہ تھا اور تم سے روزِ قیامت حساب و کتاب نہ ہو گا ۔ قسم خدا کی تم بدترین قوم ہو اور تم پر دنیا میں نکبت نازل ہو گی اور آخرت میں تم کو عذابِ شدید میں مبتلا ہونا ہے ۔"

بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ منزلِ سناباد میں جنگ ہوئی اہل

سنا با دوستانِ آلِ رسولؐ سے تھے اور انہوں نے فوجِ اشقیاء پر حملہ کر دیا اور
چند اشقیا، واصلِ جہنم ہوئے اور باقی اہلِ بیتؑ کو لے کر بچ کر نکل گئے۔ اسی طرح
اہلِ بیسجر کو جب خبر ہوئی کہ امام حسینؑ شہید کر دیے گئے اور آپ کا لٹا ہوا قافلہ
آرہا ہے تو بوڑھے بچے اور جوان سب یکدل و یکجا ہو کر شہر سے باہر نکل آئے
اشقیاء پر حملہ کیا جنگ ہوئی۔

ابو اسحٰق اسفرائینی نے کتاب نور العین میں روایت لکھی ہے کہ جب اہلِ بیتؑ
کا قافلہ شہر حصین کے قریب پہنچا تو اہلِ شہر آلِ رسولؐ کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے
اور شدت کی لڑائی ہوئی۔ بچوں کی بیقراری اور دہشت دیکھ کر جناب زینبؑ اور جناب
اُم کلثومؑ نے یزیدیوں سے کہا کہ آخر تم لوگ کب تک ہم کو ان مصائب و آفات
میں مبتلا رکھو گے۔

کتاب سرور المومنین میں ہے کہ جب قافلہ عسقلان کے قریب پہنچا
تو ایسی گرم ہوائیں چلیں کہ مرغ و ماہی جل بھن کر رہ گئے۔ ابن زیاد کے لشکر
والے اپنے گھوڑوں کو لے کر پانی میں داخل ہو گئے اور گھوڑوں پر پانی ڈالا۔
اہلِ بیتؑ اور اُن کے بچوں کے لیے جو شدتِ گرمی اور پیاس سے جھلس رہے
تھے پانی کا کوئی انتظام و اہتمام نہیں کیا۔ اس پریشانی و حیرانی میں ایک
صاحبزادی نے جن کا اسمِ مبارک فاطمہ تھا روتی ہوئی ایک سایہ دار درخت
کے نیچے پناہ لی۔ قافلہ دوپہر کے بعد روانہ ہو گیا اور کسی کو اس صاحبزادی کا
خیال نہ رہا اور یہ وہیں چھوٹ گئیں۔ تھوڑی دور جانے کے بعد جناب زینبؑ
کو معلوم ہوا کہ صاحبزادی چھوٹ گئیں۔ آپ رونے لگیں اور لشکرِ ابن زیاد سے کہا
یا قوم باللہ علیکم اصبروا ھنیۃ فقد افتقدت ابنۃ
اخی وقرۃ عینی اے قوم میں تم کو خدا کی قسم دے کر کہتی ہوں کہ تھوڑی

دیر ٹھہر جاؤ اس لیے کہ میرے بھائی کی لڑکی میری قرۃ العین کھو گئی ہے۔ جناب
زینبؑ کی یہ صدا سنتے ہی اہلِ بیتؑ میں کہرام بپا ہو گیا۔ سردارانِ لشکر آپس
میں کہنے لگے کہ ٹھہر جاؤ اور لڑکی کو تلاش کر کے لاؤ۔ اگر لڑکی نہ ملے گی تو خدا کی
قسم زینبؑ رسول اللہؐ کی نواسی عالم کو زیر و زبر کر دیں گی اور ان کا ایسا کرنا حق
بجانب ہوگا۔ لشکر سے ایک شخص جس کا نام زجر بن قیس تھا آگے بڑھا اور
سردارانِ لشکر سے کہا، میں اس صاحبزادی کو ڈھونڈ کر لاتا ہوں۔ اس کو اجازت
ملی اور وہ چلا۔ راوی کہتا ہے کہ میں بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ جب ہم منزل عسقلان
کے قریب پہنچے تو ہم نے عجیب منظر دیکھا کہ صاحبزادی اپنا سر ہاتھوں سے پکڑے
حیران و پریشان چاروں طرف دیکھتی ہیں۔ اِدھر اُدھر دوڑتی ہیں اور پھر تھک کر بیٹھ
جاتی ہیں اور کہتی ہیں یا عماہ یا عمتاہ یا اباہ یا اختاہ یا اخاہ (اے چچا اے
پھوپی، اے بابا، اے بہن، اے بھائی) پھر اُٹھ کر چلنے لگتی اور تھک کر ریگِ گرم پر
گر جاتی ہیں اور اپنے پاؤں کو ہاتھوں سے دبانے لگتی ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ صاحبزادی
کا یہ حال دیکھ کر میں بیحد متاثر ہوا۔ زجر ملعون تازیانہ لے کر صاحبزادی کے قریب
آیا ڈرانے دھمکانے لگا، صاحبزادی خائف ہو کر بھاگنے لگیں۔ میں نے زجر شقی
سے کہا، وائے ہو تجھ پر کیا تو دیکھتا نہیں کہ صاحبزادی کس قدر خستہ حال ہو گئی ہیں
گرمی کی شدت اور پیاس سے ان کے ہونٹ منہ خشک ہو گئے ہیں اور پھر انہیں
تازیانہ دکھا کر ڈراتا دھمکاتا ہے۔ صاحبزادی میرے یہ کلمات سن کر واضیعتاہ
واعلیاہ و ابتاہ کہتی ہوئی میری طرف دوڑیں اور فرمانے لگیں "میں تمہارے
پیغمبر کی بیٹی ہوں اگر تم مجھے قتل ہی کرنا چاہتے ہو تو مجھے اتنی مہلت دو کہ میں اپنے
عزیز و اقارب یعنی پھوپی، بہنوں کو پھر ایک بار دیکھ لوں۔ میں نے صاحبزادی
کو تسلی و دلاسہ دیا، اطمینان دلایا کہ خوف نہ کریں اور کمال مہربانی و آرام کے

ساتھ ان کو واپس لاکر جناب زینبؑ کے پاس پہنچا دیا۔ صاحب طراز المذہب اس روایت کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف اور غیر صحیح معلوم ہوتی ہے۔ عسقلان سے اہلِ بیتؑ کے قافلہ کا گذرنا بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

ہمارے خیال میں بھی یہ روایت صحیح نہیں، پہلے تو جناب فاطمہ اس قدر کم سِن نہ تھیں کہ قافلہ کی روانگی کے وقت اس طرح خاموش بیٹھی رہتیں اور چھوٹ جاتیں۔ دوسرے یہ کہ عقلِ سلیم اس چیز کو مان نہیں سکتی کہ اس دار و گیر اور پریشانی کے عالم میں بیبیاں اور بچے ادھر اُدھر منتشر ہو جاتے ہوں گے بلکہ سب ایک جگہ اپنے بزرگِ خاندان جناب زینبؑ کے اطراف جمع ہو جایا کرتے ہوں گے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ مان لیا جائے کہ صاحبزادی فاطمہ بنت الحسینؑ واقعی چھوٹ گئیں تو ہم تصوّر ہی نہیں کرسکتے کہ جناب زینبؑ نے اس بات کو گوارا فرمایا ہوگا کہ آپ کی تلاش میں ایک اجنبی شخص کو جو مخالفین سے ہو تنہا روانہ کیا جائے بلکہ خود واپس جاتیں یا اقلاً جناب فضّہ کو روانہ فرماتیں۔ اس کا امکان بھی ہے کہ روایت کا پہلا حصّہ یعنی صاحبزادی کا چھوٹ جانا صحیح ہو اور آخری حصّہ میں غلطی واقع ہوئی۔ بہر حال یہ روایت کچھ زیادہ قابلِ اعتنا نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بحر المصائب میں روایت ہے کہ راستہ میں ایک مقام پر جناب امام حسن علیہ السلام کی ایک صاحبزادی اونٹ پر سے گر گئیں اور جناب زینبؑ کو پکارنے لگیں یا عمتاہ یا زینباہ (اے پھوپی اماں اے زینبؑ) یہ آواز سُن کر جناب زینبؑ اونٹ پر سے کود پڑیں اور دیکھا کہ صاحبزادی کو اونٹوں کے پاؤں سے صدمات پہنچے ہیں اور غشی طاری ہے تو کہتے ہوئے کہ واضیعتاہ واغربتاہ وامحنتاہ (ہائے تباہی ہائے غربت، ہائے مصیبت) صاحبزادی کو اُٹھایا اور اونٹ پر سوار کیا۔

یاقوت الحموی اپنی کتاب "معجم البلدان" میں لکھتے ہیں:۔

"جوشن ایک پہاڑ ہے حلب کے غربی سمت اور یہاں تانبے کی کان ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ کان اس دن سے خراب ہو گئی ہے جب کہ عراق سے دمشق جاتے ہوئے اہلِ بیتؑ حسینی کا قافلہ اس طرف سے گذرا تھا۔ اس وقت ازواجِ حسینؑ میں سے کوئی معظّمہ حاملہ تھیں لیکن تعبِ سفر کی وجہ سے اس مقام پر اسقاط ہو گیا۔ اس بی بی نے وہاں کے لوگوں سے پانی مانگا، ان لوگوں نے نہیں دیا۔ اس پر ان مظلومہ نے بددعا کی اس وقت سے معدن سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

پہاڑ کے سامنے مزار ہے جو "مشہد سقط" کے نام سے مشہور ہے اور اس بچّے کا نام محسن ابن حسینؑ تھا۔"

ماخوذ از "شہیدِ انسانیت"

تکریب میں پہلے تو یزیدی پروپگنڈے کی وجہ سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ کسی خارجی نے حکومت کے خلاف خروج کیا تھا یہ ان ہی کے سر ہیں جن کی تشہیر کی جارہی ہے اور یہ قیدی بھی اس ہی کے لوگ ہیں اس لیے اُنھوں نے بازاروں کو سجا کر استقبال کرنا چاہا لیکن ایک عیسائی نے اُن سے کہہ دیا کہ میں کوفہ میں تھا اور مجھے معلوم ہوا کہ یہ سر تمہارے نبیؐ کے نواسے کا ہے اور یہ اُن ہی کے اہل بیتؑ ہیں جو قید کیے گئے ہیں یہ سُن کر تکریب کے مسلمان اور عیسائی یزیدیوں سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے یزیدیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو راستہ بدل دیا اور معرۃ النعمان کی طرف چل دیے۔ مقامِ شیزر اور قلعہ کفر طاب میں بھی مزاحمت کی گئی۔ سیبور کے لوگوں نے بھی مقابلہ کیا اور جناب ام کلثومؑ نے ان لوگوں کو اِن الفاظ میں دعائے خیر دی "خدایا تو ان کے چشموں کو میٹھا کر، گرانی ان کے یہاں سے دور کر اور ظالموں کے شکنجہ سے انہیں

نجات دے"۔

اہالیانِ حمص نے یزیدیوں سے باقاعدہ جنگ کی اور چھبیس ۲۶ یزیدیوں کو قتل کیا۔

مقامِ حران میں یحییٰ حرانی ایک عیسائی راہب نے یزیدیوں سے جنگ کی اور شہید ہوا۔

یہ مختصر واقعات ہیں ان مصائب کے جو اہلِ بیتؑ طاہرینؑ کو اس سفر میں پیش آئے۔ کتبِ تاریخ و مقاتل میں روایات کی کثرت ہے۔ منازل کے ناموں میں اختلاف ہے۔ اثنائے سفر میں جو واقعات پیش آئے ان کے متعلق بھی راویوں میں اختلاف ہے۔ اثنائے سفر میں سرِ مقدس سید الشہداء علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے معجزات و کرامات کا صادر ہونا بھی بتایا گیا ہے۔ اب تیقّن کے ساتھ بتانا مشکل ہے کہ کون سے منازل صحیح ہیں اور کون سے غلط۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ وہ مقامات جن کے نام تواریخ میں بتائے گئے ہیں اُن میں سے بعض مٹ گئے ہوں۔ اسی طرح جو راستے اس وقت اختیار کیے جاتے تھے اُن میں تبدیلی ہوگئی ہو۔

کوفہ سے دمشق تک سفر کتنے روز میں طے ہوا اس کے متعلق بھی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض روایات میں چالیس روز بتائے گئے ہیں جس کو صاحبِ طراز المذہب غیر صحیح قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں "کیونکہ فاصلہ بیس منزلوں سے زائد تھا اگر اتنی سرعت کے ساتھ سفر کیا جاتا کہ چالیس روز میں ختم ہو تو بیمار علیؑ ابن الحسینؑ بیبیوں اور بچوں کی ہلاکت کا باعث ہوتا لیکن کوئی ہلاکت واقع نہیں ہوئی۔ سب صحیح وسلامت دمشق پہنچے اور پھر مدینہ واپس آئے۔" ہم کو صاحبِ طراز المذہب کے اس خیال سے اتفاق نہیں۔ اُنہوں نے کچھ حسنِ ظن سے کام لیا ہے۔ ہماری نظر سے تو ایسی روایات گذری ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ لشکر ابن زیاد اور خود

یزید علیہ اللعن کو جلدی تھی اور یہ سب اشقیا چاہتے تھے کہ جلد تر اہلِ بیتؑ دمشق پہنچ جائیں۔ اس لیے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ قافلہ کو چلایا جاتا تھا اور اس وجہ سے اہلِ بیتؑ کے متعدّد بچے اونٹوں پر سے گر گر کر جاں بحق ہوئے اور راستہ کے بازو (یعنی سرِ راہ) انہیں دفن کر دیا گیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جن راستوں سے اہلِ بیتؑ گذرے ہیں بعض مقامات پر راستوں سے متصل اہلِ بیتؑ کے بچوں کی قبور پائی گئیں۔ اور پھر اس خیال سے کہ راستہ میں وہ قبائل اور شہروں کے باشندے جو دوستانِ اہلِ بیتؑ ہیں مزاحمت و جنگ نہ کریں حتی الامکان ان بزرگواروں کو نامعلوم و غیر معروف راستوں سے لے گئے جو اُن کے لیے باعثِ تکلیف و زحمت ہوا۔ کھانے پینے کی بڑی تکلیف رہی گھنٹوں اہلِ بیتؑ پیاسے رہتے تھے۔ ہم نے بغداد سے دمشق تک موٹر بس میں سفر کیا ہے۔ یہ فاصلہ تقریباً چھ سو میل کا ہے۔ اس کا نصف حصّہ صحرائے لق و دق ہے جو نقشہ میں صحرائے شام کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں کوسوں تک سوائے ریت کے آب و گیاہ کا نام و نشان نہیں۔ قطرۂ آب کہیں نظر نہیں آتا۔ موٹر بس میں ایک چھوٹی ٹنکی میں پانی رکھ لیا جاتا ہے اور بڑی احتیاط کے ساتھ مسافرین کو ایک ایک گلاس وقت ضرورت دیا جاتا ہے۔ حقیر کو نمازِ مغرب تیمم سے ادا کرنی پڑی وضو کے لیے پانی میسّر نہ آسکا اگر بعض وقت راستہ بھول کر موٹر ذرا بھی راستہ سے نکل جاتی ہے تو پھر مسافرین کو بھوک و پیاس سے ہلاک ہو جانے کے سوائے اور کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ ایسے واقعات ہیں اور آتے رہتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ کوفہ سے دمشق تک تین روز میں سفر طے ہوا۔ یہ ایک ایسی مہمل بات ہے کہ اس کا ذکر ہی فضول و بیکار ہے۔ بقول صاحبِ طراز المذہب اگر کوفہ سے دمشق تک ایک خطِ مستقیم قائم رکھ کر اس کے مطابق عبور کیا جاتا تو بھی نا ممکن

تھا کہ یہ فاصلہ تین روز میں طے ہوتا معلوم ہوتا ہے کہ یہ راوی جنہوں نے ایسا لکھا جاہلِ مطلق تھے جنہیں فاصلہ و وقت کا کچھ اندازہ ہی نہ تھا۔

ہمارے خیال میں یہ سفر تقریباً ایک ماہ میں طے کیا گیا ہوگا۔ ہمارے اس خیال کی تائید سہل کی اس روایت سے ہوتی ہے جو کتاب مفتاح البکا میں درج ہے۔ اس میں سہل کہتا ہے کہ کوفہ سے دمشق کو ہم بیس روز میں پہنچے۔ یاد رہے کہ یہ سہل وہی شخص ہے جو کوفہ سے اہلِ بیتؑ کے قافلہ کے ساتھ ہوگیا تھا۔

کامل بہائی میں ہے کہ اہل بیتؑ سولہ ربیع الاول کو دمشق پہنچے۔ ۱۸ صفر کو کوفہ سے روانہ ہونا ثابت ہے، تو گویا اٹھائیس دن میں سفر ختم ہوا اور یہی قرینِ عقل اور صحیح ہے۔

* * * * * *

باب ۱۳

حالات و واقعات دمشق

تاریخ ورود دمشق

اہلِ بیتؑ دمشق کس تاریخ میں پہنچے اس کے متعلق بھی مورخین میں اختلاف ہے۔

کامل بہائی میں روز چہار شنبہ سولہ ربیع الاول لکھا ہے۔ بعض روایات کے مطابق روز چہار شنبہ ستائیس محرم طلوع آفتاب کے وقت اہلِ بیتِ اطہار دمشق پہنچے ہیں۔ تاریخ ستائیس محرم ہمارے خیال میں قطعاً غلط ہے۔ اس لیے کہ اکثر روایات سے (جن کا مفصل ذکر اوپر کیا گیا ہے) ثابت ہوتا ہے کہ شہادت امام حسینؑ کے بعد ۱۱ محرم کو عمر ابن سعد کربلا سے مع اہلِ بیتؑ کوفہ کو روانہ ہوا اور اہلِ بیت اطہار ۱۸ صفر تک کوفہ کے زندان میں رہے۔ جب ابن زیاد کو یزید کا خط ملا تو اس نے ۱۷ صفر یا ۱۸ صفر کو اہلِ بیتؑ کو دمشق روانہ کیا۔ اہلِ بیتؑ کربلا آئے اور ۲۰ صفر تک یہاں رہے۔ مجلسِ عزا برپا کی اور بیس صفر کو کربلا سے روانہ ہوئے۔ محرم کی ۲۷ تاریخ کوفہ میں گزری ہے۔

طبرسی کی روایت ہے کہ یکم ربیع الاول کو علی الصباح اہلِ بیتِ طاہرین واردِ دمشق ہوئے اور بنی امیہ نے اس دن یعنی یکم ربیع الاول کو یوم العید قرار دیا۔ ہمارے خیال میں سولہ ربیع الاول صحیح تاریخ معلوم ہوتی ہے اور صاحبِ طراز المذہب بھی اسی کو صحیح سمجھتے ہیں۔

طراز المذہب میں روایت ہے کہ جب ابن زیاد کی فوج اہلِ بیتؑ

کو لیے ہوئے دمشق سے چار فرسخ کے فاصلہ پر پہنچی تو یہاں ٹھہر گئی اور ایک جگہ اہلِ بیتؑ کو اُتار دیا گیا اور شہر میں داخل ہونے کی یزید سے اجازت طلب کی گئی۔ یزید علیہ اللعن نے ایک دن مقرر کیا اور اس دن اہلِ بیتؑ کو دمشق لانے کا حکم دیا۔ جس روز اہلِ بیتؑ کا دمشق میں داخلہ ہوا تو اہالیانِ شہر بڑے اژدہام احتشام اور آلاتِ لہو و لعب اور فسق و فجور کے ساتھ شادمان و خرمان، اہلِ بیتؑ رسولؐ کا تماشہ دیکھنے جمع ہوئے، البتہ چند عاقل و غیور لوگوں نے اہلِ بیتِ اطہار، عترتِ رسولؐ، دخترانِ حیدرِ کرار کی حالتِ زار پر نالہ و گریہ کیا۔ لکھا ہے کہ اہلِ شہر اہلِ بیتؑ پر ٹوٹ پڑے تھے۔ بچّوں اور بیبیوں کو کھانے کی چیزیں دیتے تھے اور جناب زینبؑ ان لوگوں کو دور کرتیں اور صدقہ دینے سے روکتی تھیں اور فرماتی تھیں: ویحکم ایھا القوم الظالمون اما تستحیون من اللہ العظیم ولا تخافون (افسوس ہے تم پر اے قوم ظالمین، کیا تم خدا سے شرماتے اور ڈرتے نہیں۔؟)

کتبِ اخبار میں ہے کہ جب اہلِ بیتؑ شہر دمشق میں داخل ہونے لگے تو جناب زینبؑ اور بروایتے جناب اُم کلثومؑ نے شمر ملعون سے فرمایا:

اذا دخلت بنا البلد فاحملنا فی درب قلیل النظارۃ و تقدّم الیھم وقل ان یخرجوا بھٰذہ الرؤس من بین المحامل وینحوھا عنّا فقد خزینا من کثرۃ النظر الینا و نحن فی ھٰذہ الحالۃ۔ (جب ہم کو شہر میں داخل کیا جائے تو ایسے دروازہ سے لے چل جہاں لوگوں کا ہجوم کم ہو اور اِن لوگوں سے کہدے کہ سر ہائے شہداء محملوں سے دور لے جائیں۔ لوگوں کے ہم کو دیکھنے سے ہم بہت کچھ رسوا ہو چکے ہیں اور ہماری حالت ایسی ہے) شمر ملعون نے اس ارشاد کی پروا نہیں کی اس کے برخلاف عمل کیا اور

ایسے دروازہ سے داخل کیا جہاں مجمع کثیر تھا اور سر ہائے شہداء کو محملوں سے اور قریب کرا دیا۔

خدا کی عجیب قدرت ہے کہ اب دمشق میں یزید پلید کے محلات کا پتہ بھی نہیں ہے ان کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ البتہ وہ مقامات بتائے جاتے ہیں جہاں اس کے محلات تھے۔ وہاں اب اہلِ شہر کے مکانات وغیرہ ہیں۔ لیکن وہ آہنی دروازہ جس میں سے اہلِ بیتؑ داخل ہوئے تھے اب تک موجود ہے جو باب الداخلہ کہا جاتا ہے اور اہلِ شہر کہتے ہیں کہ یہ اسی وقت کا دروازہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اسرار الشہادۃ میں سہل کی روایت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ لوگ باب الخیزان پر جمع تھے اور میں بھی وہاں کھڑا تھا ناگاہ دیکھا کہ اٹھارہ سر نیزوں پر بلند نمایاں ہوئے۔ اونٹوں کی ننگی پیٹھوں پر اہل بیتؑ رسولؐ سوار تھے۔ جس نیزہ پر سرِ مبارک امام حسینؑ تھا وہ نیزہ شمر شقی اُٹھائے ہوئے تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔ انا صاحب الرمح الطویل انا صاحب الدین انا قتلت ابن سیّد الوصیین واتیت الیٰ یزید امیر المؤمنین۔ (میں طویل نیزہ رکھنے والا ہوں میں دینِ حق پر ہوں۔ میں نے قتل کیا ہے سیّد الوصیین کے بیٹے کو اور اُن کا سر لایا ہوں۔ یزید امیر المومنین کے پاس۔) جناب اُم کلثومؑ نے شمر کا یہ کلام سُن اس شقی سے کہا۔

کذبت یا لعین ابن لعین اَلَا لعنۃ اللہ علیٰ قوم الظّٰلمین یا ویلك تفتخر علیٰ یزید الملعون ابن الملعون بقتل مَن ناغاہ جبرئیل ومیکائیل ومَن اسمہٗ مکتوب علیٰ سرادق عرش ربّ العٰلمین ومن ختم اللہ نبوّتہ بجدّہٖ سیّد المرسلین وقمع بابیہ مواد المشرکین

فمن این مثل جدی محمد المصطفٰی وابی علی المرتضٰی و
امی فاطمۃ الزہرا صلوٰت اللہ اجمعین (اے لعین پسر لعین تو جھوٹا ہے
اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے۔ وائے ہو تجھ پر تو یزید ملعون پر فخر و ناز کرتا ہے۔ حالانکہ
تو ایسی مقدس ہستی کے قتل کا مرتکب ہوا ہے جس کا جھولا جبرئیل و میکائیل ہلاتے
تھے اور جن کا اسم گرامی سرادقِ عرش پر لکھا ہوا ہے جن کے نانا پر نبوت و رسالت
ختم ہوگئی۔ جن کے پدرِ بزرگوار نے مشرکین کا قلع قمع کیا۔ کہاں ہے کوئی مثل میرے
نانا محمدؐ مصطفٰی، میرے باپ علیؑ مرتضٰی، میری ماں فاطمۃ الزہرا کے۔ اللہ کی صلوٰۃ
و درود ہو اُن سب پر)

سہل کی روایت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرا ایک نصرانی (عیسائی) دوست
مجمع میں اس وقت میرے ساتھ جو بیت المقدس جانے کے لیے دمشق آیا تھا اور
اپنے زیرِ جامہ کے نیچے تلوار حمائل کیے تھا۔ خدا نے اس کے دل کی آنکھوں میں
بصیرت و روشنی عطا کی۔ جب اُس نے سرِ مقدس حضرت سید الشہدا سے نور ساطع
دیکھا اور آپ کو یہ آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ
الظّٰلِمُوْنَ۔ (تم یہ مت گمان کرو کہ خدا غافل ہے ظالموں کے افعال و
کردار سے۔) تلاوت فرماتے سنا تو بیساختہ کلمۂ شہادتین اس کی زبان سے جاری
ہوا۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و
اشہد ان محمدا عبدہٗ و رسولہٗ اور تلوار کھینچ کر قوم اشقیاء
پر حملہ کر دیا اور ملاعین کو مارنا شروع کیا یہانتک کہ لوگوں نے اس کو گھیر کر شہید
کر دیا۔ جناب اُم کلثومؑ نے مجھ سے شور و غل کی وجہ دریافت فرمائی تو میں نے
واقعہ بیان کیا اس پر آپ نے فرمایا۔ واعجبا النصاریٰ یحتشمون
الدین الاسلام وامۃ محمد الذین یزعمون علیٰ دین

محمد یقتلون اولادہٗ ویسبون حریمہٗ ولکن العاقبۃ
للمتقین وما ظلمونا ولکن کانوا انفسہم یظلمون (مقامِ
حیرت و تعجب ہے کہ عیسائی تو دینِ اسلام کی عزت و حرمت کریں لیکن اُمتِ محمدی
جو خود کو دین و آئینِ محمدؐ کی پیرو سمجھتی ہے، اُن کی اولاد کو قتل کرتی اور اُن کے اہلِ حرم
کو قید کرتی ہے لیکن نیک انجام متقین کے لیے ہے۔ ان لوگوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا
بلکہ اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔) تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں کا صرف اُسی وقت یہ
رنگ نہیں تھا بلکہ ہر قرن و ہر دور میں بکثرت ایسے مسلمان پائے گئے اور اب بھی
پائے جاتے ہیں جو اشہد ان محمدا رسول اللہ تو کہتے ہیں لیکن
محمدؐ کی آلؑ سے بغض و عناد رکھتے ہیں۔

منہال بن عمر کی روایت ہے وہ کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں نے دمشق میں
دیکھا کہ سرِ مبارک امام حسینؑ نیزہ پر لے جا رہے تھے ایک شخص آپ کے سرِ مبارک
کے آگے سورۂ کہف پڑھ رہا تھا جب وہ اس آیہ پر پہنچا اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ
اَصْحٰبَ الْکَہْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا۔ (کیا تم گمان
کرتے ہو اے رسول کہ اصحاب کہف اور رقیم ہماری عجیب و غریب آیات (نشانیاں)
ہیں) تو اُس وقت لبہائے مبارک حضرت سید الشہداؑ متحرک ہوئے اور آپ نے فرمایا
امری اعجب منہا (میرا معاملہ اس سے بھی عجیب تر ہے۔)

بحر المصائب میں روایت ہے کہ جب اہلِ بیتؑ اطہار دمشق میں داخل ہوئے
تو جناب زینب علیہا السلام نے فضہ کے ذریعہ شمر شقی کو طلب کیا اور حضرت عباسؑ
کی قرابت کا جو آپ کی والدہ کی طرف سے تھا، واسطہ دے کر فرمایا کہ وہ اشقیاء کو منع
کرے کہ جناب امام زین العابدینؑ کو زد و کوب نہ کریں کیونکہ آپ علیل ہیں اور یہ
کہ سرِ اقدس سید الشہداء علیہ السلام کو آپ کی محمل سے دور کردیں اس لیے کہ صاحبزادی

سکینہ بنت الحسینؑ سرِ مبارک کو دیکھ کر بہت روتی ہیں۔ قریب ہے کہ رو رو کر ہلاک ہو جائیں شمر ملعون نے آپ کے اس ارشاد کی تعمیل سے انکار کیا۔ جناب زینبؑ نے گریہ فرمایا اور اپنا سر اس زور سے چوبِ محمل پر دے مارا کہ خون جاری ہو گیا۔

صاحبِ طراز المذہب یہ روایت لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اس لیے کہ جناب زینبؑ کی شان اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع تھی کہ شمر ملعون جیسے سنگدل، ظالم و کافر کو حضرت عباسؑ کی قرابت کا واسطہ دیتیں اور اس سے مراعات و رعایت کی طالب ہوتیں۔ اس دشمنِ خدا اور رسولؐ کی شقاوت اور عداوت سے آپ بخوبی واقف تھیں اور جانتی تھیں کہ اس شقی سے کبھی بھی رعایت اور مروّت کی توقع کرنا بیکار ہے۔ جناب زینبؑ کا چوبِ محمل سے سر دے مارنا بھی خلافِ عقل و قیاس ہے۔

صاحبِ طراز المذہب کی رائے سے ہم کو اتفاق ہے۔ یہ روایت موضوعہ اور مخالفین اہلِ بیتؑ کی وضع کردہ ہے جو شیعہ کتب خانہ داخل ہو گئی۔ جناب عباسؑ کی شمر سے قرابت اور رشتہ داری کا مسئلہ بھی جھوٹ اور من گھڑت ہے۔

ممکن ہے کہ اس روایت کا صرف یہ حصہ کہ جناب سکینہ سلام اللہ علیہا کی بیقراری اور شدتِ گریہ و زاری سے متاثر ہو کر جناب زینبؑ نے شمر ملعون سے فرمایا ہو کہ سرِ اقدس حضرت سید الشہداء آپ کے اونٹ سے دور رکھے دوسرے واقعات کا راوی نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا یا مرور ایام کی وجہ سے اصل روایت میں داخل ہو گئے۔ مقاتل اور تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب زینبؑ نے بلاؤں و مصائب کو بڑے صبر و استقلال کے ساتھ برداشت فرمایا ہے اور حتی الوسع سکوت و سکینہ و وقار سے کام لیا۔ بہت کم کلام فرماتی تھیں اور شکوہ شکایت سے احتراز فرماتی تھیں۔

بروایت شیخ صدوق اور ابن بابویہ جناب فاطمہؑ سے منقول ہے کہ جب یزید کو اہلِ بیتؑ کے دمشق میں پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو اس مردود نے حکم دیا کہ سب کو ایک ایسے مکان میں رکھا جائے جو مسقف نہ ہو تاکہ دھوپ و سردی سے محفوظ نہ رہیں۔ یزید نے جن الفاظ میں یہ حکم دیا تھا وہ قابلِ ذکر ہیں اس لیے کہ ان سے اس شقی ازلی کی خاندانِ رسولؐ سے شدید عداوت اور اس کی انتقامی اسپرٹ (جذبۂ انتقام) ظاہر ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ مظلوم اہلِ بیتؑ کے لیے ایک دقیقہ کے لیے بھی اس کے دل میں رحم پیدا نہیں ہوا۔ الفاظ یہ ہیں:۔ لایکفھنَ من حرٍ ولا یقیھنَ مرد حتیٰ تقشعر وجوھھنَ۔

(ایسے بے سایہ مکان میں رکھا جائے کہ دھوپ کی تپش اور سردی کے اثر سے محفوظ نہ رہیں یہانتک کہ ان کے چہروں کی کھال نکل آئے۔)

میر انیس اعلی اللہ مقامہٗ نے اس خرابہ کی تصویر اپنے الفاظ میں یوں کھینچی ہے۔ کہتے ہیں:۔

کیجے شکستگیٔ خرابے کا کیا بیاں — ثابت نہ جس میں سقف نہ در نہ سائباں
وحشت کا گھر ہراس کی جا خوف کا مکاں — وہ شب کہ الحذر وہ اندھیرا کہ الاماں
ظلمت کدائے گور تھی زنداں کا گھر نہ تھا
حجرے یہ تنگ تھے کہ ہوا کا گذر نہ تھا

فاضل کاشفی لکھتے ہیں کہ بروایتے، آلِ رسولؐ کو صبح کے وقت دمشق میں داخل کیا گیا اس لیے کہ بالعموم صبح میں اہلِ شہر کا ہجوم زیادہ ہوتا تھا اہلِ بیتؑ کو تمام دن شہر میں گشت کرایا گیا اور قریب غروب آفتاب یعنی سرِ مغرب بزرگوار یزید کی محل سرا کے قریب لائے گئے۔ چونکہ ان بزرگواروں کو اس وقت اُس

ملعون کے پاس لے جانا ممکن نہ تھا اس لیے ایک خرابہ میں رات کو ٹھہرا دیے
گئے۔ یہ خرابہ اب تک شہرِ دمشق میں ہے۔ جناب سکینہؑ کی ضریح اسی سے متصل کمرہ
میں ہے۔ جو زوّار جناب سکینہؑ کی زیارت کرتے ہیں تو اس خرابہ میں بھی جاتے
اور آہ و بکا کرتے ہیں۔

" دمشق کم و بیش تیس ۳۰، پینتیس ۳۵ برس سے بنی اُمیہ کا مرکزِ
حکومت اور موجودہ بادشاہ (یزید) کا پایۂ تخت تھا
جس میں مختلف نسل اور مختلف مذہب کے لوگ
بہ کثرت آباد تھے اور گویا غیرت مند مسلمانوں کے
علاوہ غیر مسلم افراد کی ایک کافی تعداد بھی نبیٔ عربی
کی اولاد اور ذرّیت کی اس دربدری اور برہنہ
سری کا مشاہدہ کرنے کے لیے موجود تھی۔ شہر کی دُکانیں
بند تھیں اور دربار کے لیے اِذنِ عام تھا۔ قوّت،
اُمارت اور شان و شوکت کا انتہائی مظاہرہ کیا گیا
تھا۔ شہر کے پہلے دروازہ سے یہ قافلہ داخل کیا
گیا تھا اور اس دروازہ کے پاس جو دربارِ شاہی
سے قریب تھا روک دیا گیا۔ وہاں کافی دیر ٹھہرائے
جانے کے بعد اسے اِذنِ حضوری ملا۔

(ماخوذ از ثانیٔ زہرا)

صاحب "شہید انسانیت" لکھتے ہیں:۔

جس دن اہل حرم کا قافلہ دمشق میں داخل ہوا ہے
اس دن وہاں کے بازار خاص اہتمام سے سجائے

گئے تھے۔ تمام شہر میں آئینہ بندی کی گئی تھی۔ فتح کے
شادیانے بجائے جا رہے تھے۔ ہر طرف سے چنگ و رباب
کی آوازیں آ رہی تھیں۔ لباسِ عید سے لوگ آراستہ تھے
نووارد تو دیکھ کر سمجھتے تھے کہ شامیوں کی آج کوئی خاص
عید ہے۔ مجمع کی کثرت تھی کہ باوجود اس کے آفتاب
نکلنے کے ساتھ ہی اسیرانِ آلِ محمدؐ دمشق میں داخل کیے
گئے تھے لیکن زوال کے وقت تک دربارِ یزید میں پہنچ
سکے تھے۔ جس وقت یہ قافلہ بازار سے گذر رہا تھا ابراہیم
بن طلحہ (جنگِ جمل کے ایک مشہور افسر طلحہ کے فرزند)
نے حضرت سجادؑ سے طنزاً پوچھا "اے فرزندِ حسینؑ کس کو
فتح ہوئی"؟ حضرت نے جواب میں فرمایا "تم کو اگر معلوم
کرنا ہے کہ کس کو فتح ہوئی تو جب نماز کا وقت آئے
اور اذان و اقامت کہنا، اس وقت معلوم کر لینا کہ
کس کو فتح ہوئی۔؟"

اس مسئلہ پر کہ جب اہلِ بیتؑ اطہار دمشق میں داخل ہوئے تو شتر ہائے بے کجاوہ
پر بے نقاب تھے یا نہیں۔ صاحبِ طراز المذہب نے تفصیلی بحث کی ہے جس کا
خلاصہ یہ ہے۔ "صاحبانِ عقل و دانش کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ جو روایات ہیں کہ
اہلِ بیتؑ بے پردہ کھلے چہروں کے ساتھ دمشق میں لائے گئے تو ہمارا خیال یہ ہے کہ
یقیناً جناب زینبؑ، جناب اُمِ کلثومؑ اور دوسری مخدّراتِ عصمت و طہارت کے
ساتھ ایسا نہ کیا گیا ہوگا بلکہ جیسا کہ ہم نے کہیں اور اشارہ کیا ہے، یہ مخدّرات محمول
میں پسِ پردہ ہوں گی۔ بعض روایات میں اس کی تصریح بھی ہے۔ اگر کھلے منہ اور بے پردہ تھے

تو کمسن لڑکیاں اصحابؓ انصار کی بیبیاں اور کنیزیں تھیں۔ رسول اللہ کی بیٹیوں اور مخدراتِ طہارت کو دوسری عورتوں کے موافق نہ سمجھنا چاہیے۔ بے دینوں اور خائنوں کی آنکھیں اُن کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتیں۔ اشقیاء کی مجال نہ تھی کہ ناموسِ نبی پر نظر ڈال سکتے۔ شعاعِ آفتاب کی روشنی کو دیکھا جاسکتا ہے لیکن خود آفتاب کو نہیں دیکھا جاسکتا اس لیے کہ آفتاب کو دیکھنے سے آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ بینائی زائل ہو جاتی ہے۔ اہلِ بیتؑ طاہرین کی شعاعوں سے زمین و آسمان منور تھے اس سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا تھا نہ کہ خود اُن کا دیدار ممکن تھا۔ آیۃ تطہیر اس کی دلیل ہے۔ سہل کی روایت ہے۔ وہ کہتا ہے واللہ ما نظر الیکم بریئۃ (خدا کی قسم نہیں دیکھا تم کو اے اہلِ بیتؑ لوگوں میں سے کسی نے بھی) یہ صاحبِ طراز المذہب کی رائے ہے لیکن ہمیں اس سے اتفاق نہیں ہے اس لیے کہ متعدد روایات اس کے خلاف ہیں۔

جلاء العیون فی سیرت علی ابن الحسینؑ میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگوار امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ یعنی "امام زین العابدینؑ" نے فرمایا کہ جب ہم کو یزید پلید کے پاس شام لے جارہے تھے تو مجھے شترِ برہنہ پر سوار کیا تھا اور سب اہلِ بیتؑ شترانِ برہنہ پر سوار میرے پیچھے تھے۔ میرے پدر بزرگوار کا سرِ مقدس نیزہ پر بلند میرے اونٹ کے سامنے تھا اور ان کافروں نے ہمارے گرد حلقہ بنا رکھا تھا اور ہم میں سے جس کسی کی آنکھ سے آنسو رواں ہوتے دیکھتے تھے تو نیزہ سر پر مارتے تھے۔ بایں حال ہم دمشق پہنچے۔ جب ہم شہر میں داخل ہوتے تو ایک ملعون ندا دے رہا تھا کہ یہ ملاعین اسیرانِ اہلِ بیتؑ رسولؐ ہیں۔ (معاذ اللہ)

کیفیت داخلہ اہلِ بیتؑ بہ مجلس یزید علیہ اللعن

اہلِ بیتؑ کے یزید کی مجلسوں میں آنے کے متعلق

تواریخ و مقاتل میں مختلف اور متضاد روایتیں پائی جاتی ہیں اور جو مکالمات ہوئے اس میں بھی اختلاف ہے۔ مختلف روایات کے دیکھنے اور جانچنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ بیتؑ کا داخلہ مجلسِ یزید میں ایک دفعہ نہیں ہوا بلکہ اثنائے قیامِ دمشق میں اُن بزرگواروں کو یزید نے متعدد دفعہ اپنی مجلسوں میں طلب کیا۔ کبھی عام مجلس میں تو کبھی خاص ایسی مجلس میں جہاں وہ اور اس کے چند اعزا اور مصاحبین خاص ہوتے تھے۔ اہلِ بیتؑ اور یزید کے درمیان جو مکالمات ہوئے وہ بھی ان مختلف ملاقاتوں میں ہوئے نہ کہ ایک دفعہ ایک ہی ملاقات میں۔ اکثر کتب میں واقعات اور مکالمات اس نہج سے لکھ دیے گئے ہیں گویا کہ ایک ہی موقع پر سب گذرے ہوں لیکن ایسا نہیں ہے۔ ابی مخنف نے بھی یہی غلطی کی ہے کہ سب واقعات شروع سے آخر تک بیان کر دیے اور تعین نہیں کیا کہ کون سا واقعہ کب اور کس مجلس میں پیش آیا اور کون سی گفتگو کب ہوئی۔ اب ہم چند روایات درج کرتے ہیں۔

ابن جوزی لکھتے ہیں کہ حوالۂ دمشق میں یزید کی ایک نزہت گاہ تھی جہاں یہ سیر و تفریح عیش و سرور کے لیے جایا کرتا تھا۔ چنانچہ حمودی کہتا ہے کہ اس تفریح گاہ میں ایک ہال (وسیع کمرہ) تھا جو مستطیل و مسقف متعدد ستونوں پر کھڑا تھا اور اس کے اطراف پختہ عمارتیں تھیں۔ جب یزید کو اہلِ بیتؑ کے دمشق پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو اُس نے اسی ہال میں دربار منعقد کیا اور اہلِ بیتؑ کو وہاں لانے کا حکم دیا۔ جب اہلِ بیتؑ دربار میں آئے اور یزید پلید ان بزرگواروں اور سرہائے شہداء کو دیکھا تو اس نے اشعار ذیل پڑھے۔

لما بدت تلك الخیول واشرقت — تلك الشموس علی ربا جیرون
نعب الغراب فقلت صح اولا تصح — فلقد قضیت من الغریم دیونی

ترجمہ: جب وہ سوار نظر آئے اور آفتاب جیرون کی پہاڑی پر چمکا تو کوا

پکارنے لگا۔ میں نے اس کو کہا تو پکار یا نہ پکار میں نے تو قرض قرضداروں سے وصول کر لیا۔

نوٹ :۔ ایامِ جہالت میں عرب پرندوں کی بولیوں اور اُن کی نقل و حرکت سے فال لیا کرتے تھے اس لیے کوّے کے پکارنے کا ذکر شعر میں ہے۔ کوّے کا پکارنا بدشگونی اور فالِ بد سمجھا جاتا تھا اور اس کے پکارنے کو گھر اور وطن سے جدائی کی علامت سمجھتے تھے۔

جب یزید نے یہ اشعار پڑھے تو حاضرین نے اس کو بُرا بھلا کہا اور اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

بعض کتب اخبار میں جناب امام زین العابدینؑ سے منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں :۔

لما وفدنا الی یزید بن معاویۃ اتونا بحبال و ربقونا کالاغنام و کان الحبل فی عنقی و عنق ام کلثومؑ و بکتف زینبؑ و سکینۃ و البنات و کلما قصرنا عن المشی ضربونا حتیٰ اوقفونا بین یدی یزید و ھو علیٰ سریر مملکتہ (جب ہم کو یزید بن معاویہ کے دربار میں لے چلے تو اشقیاء نے ہم کو رسّیوں سے کس کر باندھ دیا جیسے بھیڑ بکروں کو باندھتے ہیں۔ میرے گلے میں اور پھوپی اُم کلثومؑ کے گلے میں رسّی تھی۔ پھوپی زینبؑ سکینہؑ اور دوسری بیبیوں کے بازوؤں پر رسّی بندھی ہوئی تھی۔ ہم کو تیزی اور سرعت کے ساتھ ہانکا جا رہا تھا۔ ہم میں سے کسی کی چال ذرا بھی دھیمی اور سُست ہو جاتی یا کوئی تھک کر ٹھہر جاتا تو کوڑے مارتے تھے یہاں تک کہ ہم یزید کے سامنے پہنچے اور وہ اپنے تختِ شاہی پر بیٹھا تھا۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب امام زین العابدینؑ اور جناب اُم کلثومؑ

کو علیحدہ رسّی میں باندھا گیا تھا اور ان دونوں کی گردنوں میں رسّی تھی اور یہ کہ خرابہ سے یزید پلید کے محل تک ان سب بزرگواروں کو پاپیادہ لے گئے۔

مولانا مظہر حسن موسوی کتاب جلاء العینین میں لکھتے ہیں کہ امام زین العابدینؑ سے منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب ہم کو یزید کے سامنے لے گئے تو ہم مردانِ اہل بیتؑ سے بارہ شخص تھے جن کی گردنوں میں طوق پڑے تھے اور ایک رسّی سے ہم سب پیوستہ تھے۔ بروایتے آپ نے فرمایا کہ ریسمان ہماری گردنوں میں ڈال کر گوسفندان کی طرح ہم کو کھینچتے تھے۔ چلنے میں قصور ہوتا تو ہم کو تازیانے مارتے تھے اس طرح ہم کو دربارِ یزید میں حاضر کیا گیا۔ اُس مردود نے محفلِ عیش و طرب مثل جشنِ عید آراستہ کی تھی اور خود بڑی سج دھج سے زینت کر کے تختِ شوم پر بیٹھا تھا اور پھر شامیوں کو اندر آنے کی اجازت دی تو لوگ جوق جوق داخل ہوئے اس وقت آنحضرات عالیات (اہل حرم) کو طلب کیا۔۔۔ سرِ مبارک سید الشہدا طشت میں رکھا ہوا اس کے سامنے آیا۔۔۔۔ جناب زینبؑ نے سرِ مطہر کو دیکھا تو بے اختیار رونے لگیں کہ ناظرین کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔۔۔۔ اس وقت ایک زنِ ہاشمی نے جو یزید کے محل میں تھی صدائے گریہ بلند کی۔۔۔۔ پس شور و فریاد و فغان حاضرین میں بلند ہوا مگر یزید سنگدل پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا۔ اس روایت میں بارہ مرد اہل بیتؑ کے بتائے گئے ہیں۔ حالانکہ سوائے جناب امام زین العابدینؑ کے اور کوئی باقی نہیں تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ راوی کا مطلب لڑکوں سے ہوگا۔ سوائے امامؑ اور امام محمد باقرؑ کے اور دس لڑکے ہوں گے اور ان سب کو بارہ مردانِ اہل بیتؑ کہا گیا ہوگا۔

منتخب میں روایت ہے کہ یزید علیہ اللعن ہر ایک بی بی کا نام دریافت کرتا تھا اور اس کو نام بتائے جاتے تھے۔ جب اس شقی نے سرِ اقدس سید الشہداؑ کو دیکھا

تو بے حد مسرور ہوا اور دندانِ مبارک کو چھڑی سے اذیت پہنچاتا اور کہتا تھا لقیت بغیک یا حسینؑ (تم نے بغاوت کی سزا بھگتی اے حسینؑ۔)

بحر المصائب اور مفتاح البکاء میں روایت ہے کہ اسیرانِ اہل بیتؑ جو دربارِ یزید میں لائے گئے تھے ان کی جملہ تعداد چوالیس ۴۴ تھی۔ جب اہلِ بیتؑ دربار میں داخل ہوئے اور سرہائے شہداء کو دیکھا تو سب نے وا محمداہ وا علیاہ کہہ کر نالہ و فریاد بلند کیا اور جناب اُم کلثومؑ نے یزید سے کہا یا یزید اما تحیی قد تخذر حریمک فی الخدر واشتہرت بنات رسول اللہ (اے یزید کیا تجھے شرم و حیا نہیں آتی کہ تو نے اپنی عورتوں کو تو پسِ پردہ رکھا ہے اور رسولؐ اللہ کی بیٹیوں کی اس طرح تشہیر کر رہا ہے۔) بعض کتب میں ہے کہ یہ الفاظ جناب زینبؑ نے ارشاد فرمائے تھے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جناب زینبؑ اور اُم کلثومؑ دو علیحدہ شخصیتیں نہیں تھیں بلکہ جناب زینبؑ کی کنیت اُم کلثومؑ تھی اور کتب میں بعض جگہ زینبؑ لکھا گیا اور بعض وقت آپ کی کنیت لکھ دی گئی۔

کامل بہائی میں روایت ہے کہ یزید علیہ اللعن والعذاب نے سرِ اقدس جناب سید الشہداءؑ سے بیحد بے ادبی کی یعنی آپ کے سرِ مطہر پر پاؤں رکھا اور زید بن ارقم نے اس کو اِس فعل پر بہت ملامت کی۔ ہمارے خیال میں روایت صحیح نہیں۔ یزید پلید کی مجال نہ تھی کہ ایسا کرتا۔

ناسخ التواریخ میں ہے کہ جب پہلی دفعہ اہلِ بیتؑ اطہار دربارِ یزید میں لائے گئے تو سب ایستادہ تھے۔ ایک لال بال والے شامی نے جناب فاطمہ کبریٰ بنت الحسینؑ کو بتا کر یزید سے درخواست کی کہ آپ کو اس شقی کو دے دیا جائے۔ سُن کر جناب فاطمہؑ کانپنے لگیں اور جناب زینبؑ کا دامن تھام کر عرض کیا "پھوپھی اماں میں یتیم ہو گئی اور اب کنیز ہوتی ہوں"۔ جناب زینبؑ نے اُس شامی کو

فرما کر کہا تو جھوٹا ہے اگر تو مر بھی جائے تو اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتا اور نہ یزید کی مجال ہے کہ اس لڑکی کو تجھے دے۔ یزید نے جب یہ سُنا تو جناب زینبؑ سے کہا کذبتِ واللہ ان ذالک لی ولو شئت افعل لفعلت (خدا کی قسم تم جھوٹی ہو۔ یہ میرا اختیاری معاملہ ہے اگر میں چاہوں تو ابھی اس کو کر دکھاؤں۔) جناب زینبؑ نے فرمایا کلا واللہ لن تجعل ذالک الا ان تخرج من ملتنا وتدین بغیرھا۔ (حاشا وکلا تو ایسا نہیں کر سکتا مگر ہاں اُس وقت جبکہ تو ہماری ملت و دین کو چھوڑ کر دوسرا کوئی دین اختیار کرے۔) یزید نے اس کے جواب میں کہا کذبت یا عدو اللہ (جھوٹ کہتی ہو اے دشمنِ خدا۔) جناب زینبؑ نے بکمال حلم و صبر فرمایا۔ انت تشتم ظالما وتقھر سلطانا۔ (تو حاکم ہے اور دشنام دے کر اپنے ظلم اور سلطانی قہر کا مظاہرہ کرتا ہے۔) آپ کا یہ کلام سُن کر یزید شرمندہ ہوا اور خاموش ہو گیا۔ جب جناب زینبؑ اور یزید کی گفتگو ختم ہو گئی تو اس شامی نے پھر یزید سے وہی درخواست کی۔ یزید پیچ و تاب کھائے بیٹھا تھا غصہ میں آ گیا اور کہا "خدا تجھے ہلاک کرے دور ہو اے مردود"، جناب اُم کلثومؑ نے اس ملعون کو کہا خاموش ہو اے فرومایہ گستاخ۔ خدا تیری زبان قطع کرے۔ تیری آنکھیں اندھی کرے۔ تیرے دونوں ہاتھ خشک کرے اور آتشِ جہنم تیرا مقام قرار دے اے مردود انبیاء کی اولاد حرام زادوں کی باندی غلام نہیں ہو سکتی۔ راوی کہتا ہے کہ ادھر جناب اُم کلثومؑ کا کلام ختم ہوا کہ اس شقی کے ہاتھ خشک ہو گئے اس پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ مر کر زمین پر گر گیا۔ ابن اثیر نے تاریخ کامل میں یہ روایت بیان کی ہے لیکن الفاظ میں کسی قدر اختلاف ہے۔

سید بن طاؤس علیہ الرحمۃ نے بھی یہ روایت بیان کی ہے لیکن لکھتے ہیں کہ مردِ شامی جناب فاطمہ کبریٰ سے ناواقف تھا اور آپ کے متعلق یزید سے دریافت

کیا اور جب یزید نے کہا کہ یہ فاطمہ بنت الحسین ہیں تو پشیمان ہوا۔ یزید کو ملامت کیا اور کہا کہ افسوس تو نے ذریت پیغمبرؐ کو قید کیا ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ اسرائے روم ہیں۔ یزید اس مرد شامی کی اس تقریر سے برانگیختہ ہوا اور اس کو قتل کرا دیا۔

تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ جب اہل بیت اطہار داخل دربار ہوئے تو دیکھا کہ یزید کی عورتیں تماشہ بینی کے لیے پس پردہ بیٹھی ہیں اور سرِ مبارک حضرت سید الشہداؑ طشتِ زرّیں میں اس کے تخت کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ جناب فاطمہؑ کبریٰ اور جناب سکینہؑ نے چاہا کہ سرِ مبارک کو لیں، لیکن اُنہیں اس کی اجازت نہ ملی۔ ان صاحبزادیوں اور بیبیوں نے نوحہ و ندبہ کیا اور ان سب کی آہ و زاری سُن کر دخترانِ معاویہ بھی رونے لگیں۔ جناب زینبؑ، جناب اُم کلثومؑ اور امام زین العابدینؑ سے یزید نے گفتگو کی اور جب مجلس برخاست ہوئی تو اہلِ بیتؑ یزید کے امکنہ میں سے ایک مکان میں مقید کر دیے گئے۔ کسی کو اجازت نہیں تھی کہ ان سے ملاقات کرے۔ ابن اثیر یہ بھی لکھتے ہیں کہ یزید نے اہل بیتؑ کو اپنے ایک مخصوص مکان میں رکھا تھا اور ان سے کمالِ شفقت اور مہربانی سے پیش آتا تھا۔ امام زین العابدینؑ کو صبح و شام کھانے کے وقت شریک رکھتا تھا۔ اور جب تک آپ نہ آجاتے کھانا شروع نہ کرتا تھا۔ اور یہ کہ جناب سکینہ نے یزید کے متعلق فرمایا۔ ما رأیت کافرا باللہ خیر من یزید بن معاویۃ (نہیں دیکھا میں نے کوئی کافر یزید سے نیک تر) اور یہ کہ جنابِ زینبؑ نے یزید سے کہا کہ "تو نے ہدایت پائی۔" ہمارے خیال میں یہ سب باتیں لغو و مہمل اور موضوعہ ہیں۔ یزید کے اخلاق و عادات اس کے دین و ایمان کی حالت معلوم ہو جانے کے بعد اس سے رحم و کرم اور اہلِ بیتؑ کے ساتھ حُسنِ سلوک کی توقع نہیں ہو سکتی۔ اگر یزید نے امام حسینؑ کو شہید کرنے کے بعد راہِ ہدایت اختیار کی ہوتی

تو پھر مکہ و مدینہ کی تباہی اور بربادی کے واقعات کیوں پیش آتے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یزید کی حکومت کا قلیل زمانہ اسلام سوز کارروائیوں میں گذرا اور اپنی ان حرکات سے کسی وقت بھی وہ ایک لمحہ کے لیے بھی پشیمان نہیں ہوا۔

اب یہ سوال کہ ایسی مہمل و بے سروپا باتیں و روایتیں کیوں کتب سیر و تاریخ میں داخل ہو گئیں؟ اس کا سیدھا صاف جواب یہ ہے کہ سلاطین بنی اُمیہ اور بنی عباس کے دورِ حکومت میں صدیوں اس بات کی منظم کوششیں کی گئیں کہ ائمہ معصومین اہل بیتِ طاہرین کے حالات اور واقعات، فضائل و مناقب کو مخفی کیا جائے اور دنیا سے مٹا دیا جائے۔ ہزاروں حدیثیں ایسی موضوع کی گئیں کہ جن سے ان مقدس ہستیوں کے حقیقی اور صحیح حالات پر پردہ پڑ جائے اور صرف ایسے واقعات اور حالات بیان کیے جائیں جن سے ان کی توہین اور منقصت ہو۔ اس پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہوا کہ انواع و اقسام کے بے بنیاد و لغو روایتیں وجود میں آئیں اور مورخین نے (خصوصاً وہ مورخین جن کو اہلِ بیت اطہار سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی) بلا غور و فکر تحقیق و تفتیش ان روایات کو اپنی کتابوں میں لکھ دیا اور بتدریج یہ شیعہ مورخین اور مصنفین کی کتابوں میں داخل ہو گئیں۔ اب یہ باخبر علماء و فضلاء و محققین و مبصرین کا فرض ہے کہ تحقیق و تنقید کے ذریعہ حقائق پر روشنی ڈالیں اور عامۃ المسلمین و مومنین کو گمراہی سے بچائیں۔

علامہ سبط ابن جوزی نے اپنے تذکرہ میں یہ روایت لکھی ہے کہ جب اہلبیتؑ دربارِ یزید میں آئے تو ایک مردِ شامی کی نظر جناب فاطمہؑ کے چہرہ پر پڑی اور آپ کا چہرہ درخشاں تھا اور آپ پاکیزہ رُو تھیں۔ اس نے یزید سے درخواست کی کہ آپ کو اس کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ آپ سے عقد کرے۔ اگر ابن جوزی کی یہ روایت صحیح ہو تو اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اہلِ بیتؑ اطہار دربارِ یزید میں بے نقاب

لائے گئے تھے۔ ورنہ مردِ شامی کیونکر آپ کو دیکھ سکتا تھا اور آپ کے لیے یزید سے درخواست کرتا۔

شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے کتاب "امالی" میں مرد شامی کی روایت لکھی ہے لیکن اس میں فاطمۃ بنت الحسینؑ کے بجائے فاطمۃ بنت علیؑ امیر المومنین تحریر فرمایا ہے۔

شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "الارشاد" میں فاطمہ بنت الحسینؑ لکھا ہے اور جناب زینبؑ اور یزید کی گفتگو تقریباً وہی لکھی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔

بحر المصائب میں کتاب دمعۃ الساکبہ اور کتاب انوار النعمانیہ سے روایت لکھی ہے کہ یزید کی مجلس میں جناب سکینہؑ بنت الحسینؑ اور یزید کے درمیان گفتگو ہوئی جناب سکینہؑ کی بلاغت وحلاوتِ مقال کو سُن کر ایک شخص قبیلۂ بنی لخم کا اپنی کرسی سے اُٹھا اور یزید کے سامنے آکر کہا اے امیر المومنین مجھے یہ لڑکی بطور غنیمت عطا کر تاکہ میں اس کو اپنی خادمہ قرار دوں۔ جناب سکینہؑ نے جب یہ سُنا تو جناب زینبؑ سے لپٹ گئیں اور کہا اترین لنسل رسولؐ اللہ یکونون ممالیک لادعیا (اے پھوپی اماں آپ دیکھتی ہیں کہ اب رسولؐ اللہ کی اولاد باندی غلام ہوتے ہیں۔) الیٰ اخر الخبر۔

بروایت ابی مخنف جب اہلِ بیتؑ دربارِ یزید میں داخل ہوئے تو وہ شقی کچھ دیر تک سر نیچے کیے بیٹھا رہا پھر سر اُٹھایا اور جناب اُمِ کلثومؑ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم نے دیکھا کہ "خدا نے مجھے کیسی فتح دی"۔ جناب اُم کلثومؑ نے جواب دیا۔

یا ابن الطلیق اعرض عن ھٰذا ارض اللہ فاك یا ویلك یا ملعون ھٰذہٖ امارك ونسائك وراء السطور علیھن الخدور وبنات الرسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ علی الاقتاب لغیر وطاء ینظر الیھن البر والفاجر ویتصدق علیھن الیھود والنصاریٰ

ترجمہ :۔ اے آزاد کردہ کے بیٹے تو ایسی باتیں نہ کر۔ خدا تیرا منہ توڑے۔ افسوس ہے تجھ پر اے ملعون کہ تیری عورتیں اور کنیزیں تو اس مجلس میں پسِ پردہ رہیں اور رسولؐ اللہ کی بیٹیاں شترانِ بے کجاوہ پر بٹھائی جائیں اور اس طرح دربارِ عام میں بے پردہ لائی جائیں کہ اچھے بُرے لوگ انہیں دیکھیں اور یہود و نصاریٰ صدقات دیں۔

یزید جناب اُم کلثومؑ کا یہ کلام سُن کر غضبناک ہوا۔ عبداللہ بن عمر بن عاص جو اس کے قریب بیٹھا تھا اس پر غصہ کے آثار پا کر خائف ہوا کہ کہیں یہ شقی (یزید) جناب معصومہ کے قتل کا حکم نہ دے اس لیے اُٹھا اور یزید کے سر کا بوسہ لے کر کہا کہ اے یزید اس بی بی نے جو کچھ کہا وہ کوئی ایسا کلام نہیں کہ مواخذہ کیا جائے اور پھر وہ ایک ستم رسیدہ، دل شکستہ عورت ہے۔ عبداللہ کی اس گفتگو سے یزید کا غصہ فرو ہوا اور وہ کچھ نہ بولا۔

ابی مخنف نے اکثر مقامات پر جناب اُم کلثومؑ کا ذکر کیا ہے۔ ان کے مقاتل میں جو ارشادات اور ملفوظات جناب اُم کلثومؑ کے بتائے گئے ہیں وہ دوسرے کتب سیر و مقاتل میں جناب زینبؑ سے منسوب ہیں۔ مثلاً اسی روایت میں جو کلام درج ہے وہ دوسری کتب میں جناب زینبؑ کا بتایا گیا ہے نہ کہ جناب اُم کلثومؑ کا۔ ابی مخنف نے جو ایسا کیا ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ یہ بھی جناب زینبؑ و اُم کلثومؑ کو ایک ہی سمجھتے تھے اس لیے اکثر ارشادات و ملفوظات کو آپ کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن در عوض آپ کا اسم گرامی لکھنے کے کنیت لکھتے گئے۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کی تحقیق میں یہ ارشادات جناب اُم کلثومؑ کے ثابت ہوئے اس لیے اُنہوں نے اُن کو آپ سے منسوب کیا۔ اگر جناب زینبؑ اور جناب اُم کلثومؑ کو دو علیحدہ بیبیاں یعنی جناب زینبؑ کو جناب فاطمۃ الزہرا کی بڑی صاحبزادی اور جناب اُم کلثومؑ کو چھوٹی

صاحبزادی قرار دیا جائے اور ان دونوں بیبیوں کا دربارِ یزید میں موجود ہونا مان لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا بڑی بہن جناب زینبؑ کی موجودگی میں جناب اُم کلثومؑ نے بار بار خود گفتگو فرمائی ہوگی۔ عام دستور ہے کہ بزرگوں کی موجودگی میں خورد حتی الامکان سکوت اختیار کرتے اور بزرگوں کو گفتگو کا موقع دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف عمل کرنا سوءِ ادب متصور ہوتا ہے۔ لہٰذا جیسا کہ اکثر کتب سیر و مقاتل میں اکثر ارشادات و ملفوظات جناب زینبؑ سے منسوب کیے گئے ہیں وہ صحیح ہونا چاہیے۔

ارشاد متذکرہ بالا میں جناب اُم کلثومؑ یا جناب زینبؑ نے یزید کو ابن الطلیق یعنی آزاد کردہ کے بیٹے سے کیوں خطاب کیا۔ اس کی مختصر شرح کر دینا مناسب ہے۔

جب مکہ فتح ہوا اور آنحضرتؐ شہر میں داخل ہوئے تو ابوسفیان مع اپنی قوم و قبیلہ کے مکہ میں موجود تھے اور انہیں خوف تھا کہ اب رسول اللہ ان سے انتقام لیں گے۔ یہ قید کیے جائیں گے اور ان کے ساتھ وہی وحشیانہ سلوک کیا جائے گا جو زمانۂ جاہلیت میں مفتوح قوموں اور قیدیوں کے ساتھ ہوتا تھا لیکن آنحضرتؐ (جو رحمت للعالمین تھے) نے سب کو جمع کیا خطبہ ارشاد فرمایا اور علی الاعلان فرمادیا کہ: انتم طلقاء یعنی تم آزاد شدہ ہو۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ روزِ فتح مکہ ابوسفیان کی حضرت ابن عباس نے سفارش و شفاعت کی اور رسول اللہ نے قبول فرمائی اور ابوسفیان آزاد کر دیے گئے۔ پس اس لیے جناب معصومہ نے یزید کو یا ابن الطلیق کہا اور اس کو یاد دلایا کہ ایک روز تیرا دادا میرے نانا کے سامنے بطور مجرم و قیدی پیش کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اس کو آزاد کر دیا۔ رہائی دی اور تو انہیں کا پوتا ہے اور تو نے ہم سے یہ سلوک کیا۔

یزید سے یہ کلام چاہے جناب زینبؑ نے کہا ہو یا جناب اُم کلثومؑ نے مگر

اس سے شان خودداری عظمت و جلال ظاہر ہے۔ یزید جیسے ظالم، جابر، طاغی و باغی (جو اپنی حکومت و اقتدار کے نشہ میں چور تھا) کو دیکھو اور اس مظلومہ بیکس و بے یار و مددگار کو دیکھو اور پھر اس کلام پر غور کرو تو مثل روزِ روشن ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ جرأت صرف شیرِ خدا علیؑ مرتضیٰ، فاطمۃ الزہراؑ کی بیٹی سے ظاہر ہو سکتی تھی۔ جو مؤید من اللہ اور نائبہ سید الشہداؑ تھیں۔ جناب امام حسینؑ نے اپنے مشن کی تکمیل اور اپنے وعدہ کی ایفا میں جہاد بالسیف کیا اور شہید ہوئے۔ جناب زینبؑ اور جناب اُم کلثومؑ اور دوسری مخدراتِ عصمت و طہارت نے اس مشن کی مزید تکمیل اپنی اسیری، دربدری اور اپنے ارشادات و خطبات سے فرمائی۔ دوسرے الفاظ میں جہاد باللسان کیا۔ اور ایسا جہاد فرمایا کہ چند ہی روز میں یزید کے تخت و تاج کو تہ و بالا کر دیا۔ ہمارے اس خیال و قول کی تائید جناب زینبؑ کی اس زیارت سے ہوتی ہے جو آج تک حضرت کے روضہ میں پڑھی جاتی ہے۔ اس زیارت میں ہے:۔

اَشْهَدُ اَنَّكِ قد نصحتِ لله ولرسوله ولامير المؤمنين ولفاطمة والحسن والحسين ونصرتهم بقلبكِ ولسانكِ وجاهدتِ في الله بلسانكِ حق جهاده۔

(میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ آپ نے خیر خواہی کی خدا، رسولؐ، امیرالمومنینؑ علیؑ، فاطمۃ الزہراؑ، حسنؑ اور حسینؑ کی اور ان سب کی نصرت فرمائی آپ نے دل و زبان سے اور جہاد کیا آپ نے اپنی زبان سے جیسا کہ حق تھا جہاد کرنے کا۔)

ابومخنف نے ارشاد متذکرہ بالا میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جناب معصومہ نے یہ بھی فرمایا "اے یزید میں تجھے خوش خبری دیتی ہوں آتشِ جہنم کی اور دوزخ کے دردناک عذاب کی جو تجھ پر روزِ قیامت ہوگا جس روز خدا حاکم فیصلہ کنندہ ہوگا۔

میرے نانا رسولؐ اللہ مدعی ہوں گے اور جہنم زندان ہوگا۔" یزید نے یہ سُن کر جواب دیا کہ "اگر میں جہنم میں بھیجا جاؤں تو مجھے پرواہ نہیں، دنیا میں تو میری اُمید بر آئی اور میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ میں نے تمہاری قوم و قبیلہ سے کینہ ہائے دیرینہ نکال لیے اور خوب انتقام لے لیا۔ تمہارے باپ علیؑ ابن ابیطالبؑ نے میرے بزرگوں سے جو کچھ کیا تھا اس کا بدلہ میں نے دل کھول کر لے لیا۔ اگر تم عورت نہ ہوتیں تو تمہارے کلام کے مواخذہ میں تم کو بھی قتل کرتا۔"

مقتل ابی مخنف میں روایت ہے کہ ایک مجلس میں امام زین العابدینؑ اور یزید کے درمیان گفتگو ہوئی اور امام علیہ السّلام کے جرأت آمیز کلام اور حق گوئی سے یزید اس قدر برہم ہوا کہ آپ کے قتل کا حکم دیا۔ اس وقت جنابؑ اُم کلثومؑ نے یزید سے کہا۔ یا یزید لقد ارویت الارض من دماء اھل البیت ولم یبق غیر ھٰذا الصبی الصغیر (اے یزید تُو نے اہلِ بیت کے خون سے زمین کی آبیاری کر دی اب سوائے اس کمسن بچے کے اور کوئی باقی نہیں رہا۔) دوسری بیبیاں بھی نالہ و فریاد کرنے اور کہنے لگیں واقلّۃ رجالاہ تقتل الاکابر من رجالنا وتوسی النساء منا ولا یرفع سیفك عن الاصاغر واغوثاہ واغوثاہ یا جبّار السماء و باسط البطحا۔ (ہائے ہمارے مردوں کی قلّت و فقدان، ہمارے مردوں میں جو بڑے تھے وہ سب قتل ہو گئے۔ ہم عورتیں قید ہو گئے اور اب بھی اے یزید تیری تلوار ہمارے چھوٹوں کو نہیں چھوڑتی۔ اے جبّار السماء، اے باسط البطحا، ہماری مدد کر۔) بیبیوں کی فریاد سُن کر یزید پر خوف طاری ہوا کہ مبادا لوگ اس سے منحرف نہ ہو جائیں، فتنہ و فساد برپا نہ ہو اس لیے وہ اپنے فاسد ارادہ سے باز آیا اور امام علیہ السّلام قتل ہو جانے سے بچ گئے۔ دوسری کتب میں

یہ کلام جناب زینبؑ کا بتایا گیا ہے۔ ممکن ہے ابی مخنف کا منشا بھی آپ سے ہی ہو اور اُنہوں نے کنیت لکھی ہو۔ ارشاد میں امام زین العابدینؑ کو الصبی الصغیر لکھا ہے یعنی چھوٹا بچہ۔ واقعۂ کربلا کے وقت امام علیہ السّلام کا سنِ مبارک بیس یا بائیس سال کا بتایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ بیس سال والے کو چھوٹا بچہ نہیں کہتے بلکہ نوجوان لڑکا کہتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ راوی سے غلطی ہوئی ہے اس نے غلط الفاظ کہہ دیے یا ممکن ہے کہ جناب اُم کلثومؑ یا جناب زینبؑ (جن کا بھی یہ کلام ہو) نے فرطِ محبت و الفت کی وجہ سے صبی الصغیر (چھوٹا بچہ) فرما دیا ہو۔ اغلب یہ ہے کہ راوی نے غلطی کی ہے۔

"اسرار الشہادۃ" میں روایت ہے کہ جب یزید علیہ اللعن نے جناب امام زین العابدینؑ کے قتل کا حکم دیا تو آپ کو مجلسِ یزید سے باہر لے جانے لگے تو جناب زینبؑ نے پکار کر پوچھا۔ (الی این یراد بك) بیٹا تمہیں کہاں لے جا رہے ہیں۔ امامؑ نے جواب دیا الی القتل (قتل کرنے لیجا رہے ہیں)۔ یہ سُن کر جناب زینبؑ یزید سے مخاطب ہوئیں اور فرمایا۔ حسبك یا یزید من دمائنا اشدك اللہ ان قتلتہ فاقتلنی (اے یزید اب تک ہمارے جو خون بہائے گئے اس سے تیری تشفی نہیں ہوئی؟ تجھے خدا کی قسم اگر تو علی ابن الحسینؑ کو قتل کراتا ہے تو مجھے بھی ان کے ساتھ قتل کرا دے) یزید آپ کا یہ کلام سُن کر متاثر ہوا اور امامؑ کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

شام کے قیام کے زمانہ میں اہلِ بیتؑ کو کہاں رکھا گیا۔ اس کے متعلق بھی راویوں میں اختلاف ہے۔ بعض لکھتے ہیں کہ قید خانہ میں رکھے گئے تھے۔ بعض کا بیان ہے کہ ایک خرابہ میں مقیّد تھے جس پر کوئی سایہ نہ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یزید نے ان بزرگواروں کو اپنے کسی خاص مکان میں رکھا تھا۔ اکثر روایات سے یہ پایا جاتا ہے

کہ ایک خرابہ میں مقید تھے۔ چنانچہ صاحب طراز المذہب تحریر فرماتے ہیں کہ اکثر کتب مقاتل سے پایا جاتا ہے کہ اہل بیتؑ رسولؐ مدت دراز تک ایسے ویران مکان میں مقید رہے کہ جس پر سقف یا سایہ نہیں تھا۔ دھوپ کی تمازت اور سردی کے اثرات سے مخدراتِ عصمت و طہارت اور بچوں کے چہروں کی کھال تک نکل آئی تھی۔ چہروں کے رنگ بدل گئے تھے اور شدتِ گریہ کی وجہ سے اُن کی آنکھیں مجروح ہوگئی تھیں۔ بدن کا گوشت گھل گیا تھا اور بچے بڑے سب لاغر و نحیف و نزار ہوگئے تھے۔

جلاء العیون فی سیرۃ علیؑ ابن الحسینؑ میں ابن بابویہ علیہ الرحمۃ کی روایت ہے کہ یزید پلید نے امام زین العابدینؑ اور اہلِ بیتؑ طاہرینؑ کو ایسے ناہنجار مکان میں مقید کیا تھا جس میں گرمی و سردی سے مطلق پناہ نہ تھی اور اس قدر زحمت ان حضرات کو وہاں اُٹھانی پڑی کہ اُن کے چہروں سے پوست گر گئی۔

کتبِ مقاتل میں ہے کہ زندانِ شام میں جناب امام حسینؑ کی ایک کمسن صاحبزادی کا انتقال ہوا۔ ان کا اسم گرامی بعض زینبؑ اور بعض سکینہؑ لکھتے ہیں۔ عام طور سے تو یہ مشہور ہے کہ جناب سکینہؑ بنت الحسینؑ کا زندانِ شام میں انتقال ہوا اور اس وقت آپ کا سن تین یا چار سال کا تھا بعض چھ سال کہتے ہیں۔

صاحب طراز المذہب کہتے ہیں کہ ممکن ہے زندانِ شام میں حضرت امام حسین علیہ السّلام کی دو صاحبزادیاں انتقال کیا ہو اور یہ حضرت رقیہؑ اور حضرت سکینہؑ ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اُس وقت دمشق کے گورستانِ بزرگ میں جناب سکینہؑ کا روضہ ہے جس پر گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ قبر پر ایک چوبی تختی پر کتبہ کندہ ہے کہ "یہ سکینہ بنت الحسینؑ کی قبر ہے"۔

یہ چوبی تختی زمین میں مدفون تھی اور حال میں برآمد ہوئی اور قبرِ منور پر چسپاں کر دی گئی۔ مسجد اموی کے قریب ایک محلہ ہے اس میں ایک مکان ہے جو اس وقت ایک شامی کے قبضہ میں ہے جو سنی ہیں۔ اس مکان میں ایک مزار شریف ہے اور باہر دیوار پر ایک سنگ مرمر کی تختی چسپاں ہے اس پر یہ الفاظ کندہ ہیں "یہ قبر رقیہؑ بنت علیؑ ابن ابیطالبؑ کی ہے"۔ یہ کتبہ جدید ہے اور غلط معلوم ہوتا ہے۔ اس میں رقیہؑ بنت الحسینؑ یا سکینہ بنت الحسینؑ لکھنا چاہیے تھا۔ جس کمرے میں یہ مزار ہے اس سے ملحق ایک بڑا ہال (کمرہ) ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہی خرابہ ہے جس میں اہلِ بیتؑ اطہار مقید تھے۔ یہ ہال اس وقت مسقف ہے اور ضریح کے کمرے سے اس میں جانے کے لیے چند سیڑھیاں نیچے اُترنی پڑتی ہیں اس لیے کہ اس کی سطح ضریح کے کمرے کی سطح سے چند فیٹ نیچی ہے۔ اکثر شیعوں کا یہ خیال ہے کہ جناب سکینہؑ کی اصلی قبر یہی ہے جو اس خانگی مکان میں ہے اور جو مزار قبرستانِ دمشق میں بتایا جاتا ہے وہ فرضی و نقلی ہے۔ استدلال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ روایات میں پایا جاتا ہے کہ جناب سکینہؑ کا انتقال زندان میں ہوا اور آپ وہیں باہر دفن ہوئیں۔ جیسا کہ صاحبِ طراز المذہب نے دو صاحبزادیوں کے انتقال کا امکان بتایا ہے۔ یعنی حضرت رقیہؑ و حضرت سکینہؑ۔ اگر ایسا ہی ہوا ہو تو یہ ممکن ہے کہ اس خانگی مکان میں جو ضریح ہے وہ جناب رقیہؑ بنت الحسینؑ کی ہو اور عدمِ واقفیت کی وجہ سے اہلِ دمشق نے نام میں غلطی کی اور رقیہؑ بنتِ علیؑ مشہور کر دیا اور جو قبرستانِ بزرگ میں ضریح ہے اور جس پر اب کتبہ لگا دیا ہے جناب سکینہؑ کی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دس سال قبل راقم دمشق گیا تھا اور یہاں کے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ افسوس کہ علالت کی وجہ سے ان امور کی کما حقہٗ تحقیق و تفتیش

نہ کرسکا تھوڑی بہت تفتیش کی لیکن مقامی باشندوں کی لاپروائی اور لاعلمی کی وجہ سے اطمینان بخش نتیجہ نہ نکلا۔ اب پھر راقم کا ارادہ ہے کہ عراق و شام جائے اگر خدائے جلیل اپنے فضل و کرم سے ارادہ پورا فرما دے اور صحیح و تندرست وہاں تک پہنچنا نصیب ہو تو انشاء اللہ مجتہد العصر علامہ السید محمد محسن العاملی اور دیگر باخبر حضرات سے مکمل اور مصدق معلومات حاصل کرکے مزاراتِ مقدسہ کے متعلق رسالہ مرتب و طبع کرے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

جناب سکینہؑ کے انتقال کے حالات کے بیان میں صاحبانِ مقاتل اور بعض مورخین نے جو کلمات جناب زینبؑ اور جناب سکینہؑ کے درج کیے ہیں اور مظلوم صاحبزادی کے غسل و کفن و دفن کے واقعات بیان کیے ہیں وہ اس قدر دردناک اور رقت آمیز ہیں جو پتھر کو پانی اور مرغ و ماہی کو کباب کر دیتے ہیں۔

کتاب اکسیر العبادات، مفتاح البکاء اور بحر المصائب میں شعبی کی روایت ہے کہ یزید کی زوجہ جس کا نام ہند تھا زندان میں آئی اور اہلِ بیتؑ سے گفتگو کی۔ جب یہ زندان میں آئی تو پوچھا۔ جناب ام کلثومؑ خواہرِ حسینؑ کون ہیں۔ جناب اُم کلثومؑ نے فرمایا: ویلك ها انا ابنة الامام الزکی والهمام التقی والصمصام النقی امیر المؤمنین وقاتل الناکثین والمارقین والقاسطین الذی قرن الله طاعته بطاعته وعقابه بمعصیته والذی فرض الله تعالےٰ ولایته علی البدوی والحضری وهو مبید الاقران والفرسان والمتوج بتاج الولایة والسلطان وهو الذی کسر اللات والعزّیٰ وطهر البیت والصفا۔ ترجمہ:۔ تو ہلاک ہو! دیکھ میں بیٹی ہوں امام زکی، ہمام تقی اور صمصام نقی امیر المومنین (علیؑ) کی جو ناکثین اور قاسطین سے

لڑنے والے تھے اور جن کی اطاعت و نافرمانی خدا نے اپنی اطاعت و نافرمانی سے مقرون کی تھی اور جن کی ولایت ہر کس و ناکس پر فرض کی گئی۔ وہ اپنے زمانہ کے مدِمقابل شہسواروں کو فنا کرنے والے تھے۔ اُن کے سر پر ولایت و حکومت کا تاج رکھا گیا تھا اور اُنہوں نے لات و عزّیٰ کو توڑا اور کعبہ کو بتوں سے پاک کیا۔

ہند زوجۂ یزید نے جناب معصومہؑ کا یہ کلام فصاحت سمات سُنا تو جواباً کہا۔ ولاجل ذالك اخذتم وبمثله طبتم وهو فتم یا بنی عبد المطّلب بمثل ربیعة وعتبة وابی جهل واحزابهم تسفك دمائکم أنسینا اباك یوم بدر وحنین وما قتل من رجالنا۔ (ترجمہ) اسی وجہ سے تم لوگوں سے مواخذہ کیا گیا اور بدلہ لیا گیا ہے۔ تم ذلیل کر دیے گئے۔ اے بنی عبدالمطلب تمہارا جو خون بہایا گیا تو وہ انتقام تھا ربیعہ، عتبہ اور ابوجہل اور ان جیسے اور لوگوں کے خون کا جو تمہارے بزرگوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ کیا ہم بھول گئے کہ تمہارے باپ نے بدر و حنین کی لڑائیوں میں ہمارے مردوں کو قتل کیا تھا۔

اس کا جواب جناب اُم کلثومؑ نے یہ دیا۔ یا بنت من خبث من الولادة والاولاد یا ابنة آکلة الاکباد لسنا کنسائهم المشهورات بالزنا والخنا، ولا رجالنا العاکفین علی اللات والعزّیٰ ألیس جدّك ابا سفیان الذی حزب علی الرسول الاحزاب الیست امك هند باذلة نفسها لحبشی واکلت کبد حمزة جهرا۔ ألیس ابوك الضارب فی وجه امامه بالسیف اولیس اخوك قاتل اخی ظلما وهو سید شباب اهل الجنة وهو اهل الکتاب

والسنة وابن بنت الرسول المخدوم وبجبرئیل ومیکائیل وکثیر ما ملکتموہ فی الدنیا فانہ فی الاٰخرۃ قلیل ۔

(ترجمہ) اے خبیث کی اولاد اور جگر خوار کی بیٹی ہم ان عورتوں کی مانند نہیں ہیں جو زنا کاری اور بدکاری میں مشہور تھیں اور نہ ہمارے مرد لات و عزیٰ کی پرستش پر مُصر رہے۔ کیا تیرا دادا ابوسفیان وہی نہیں ہے جس نے آنحضرتؐ کے خلاف مشرکین کی پارٹیاں (جتھے) تیار کیے تھے؟ کیا تیری دادی ہندہ وہی عورت نہیں جس نے اپنے کو ایک حبشی کے حوالے کر دیا تھا (یعنی حبشی پر فریفتہ تھی) اور علانیہ طور پر حمزہ کا جگر چبا ڈالا تھا؟ کیا تیرا باپ وہی شخص نہیں جس نے اپنے امام (علیؑ) کے مقابلہ کے لیے تلوار کھینچی تھی۔؟ کیا تیرا بھائی وہ نہیں جس نے میرے بھائیؑ کو ظلم سے قتل کیا حالانکہ وہ سید شباب اہل الجنۃ اور اہلِ کتاب اور سنت تھے۔ رسولؐ کی بیٹی کے بیٹے اور جبرئیل ومیکائیل کے مخدوم تھے۔ تم نے دنیا میں جو اعمال کیے ہیں وہ آخرت میں ہلکے اور قلیل ثابت ہوں گے۔

زوجۂ یزید ہند کو کوئی جواب نہ سوجھا اور وہ خفیف اور شرمندہ ہو کر اپنا سا منہ لے کر زندان سے چلی گئی۔

یہ گفتگو بھی یقیناً جناب زینبؑ سے ہوئی اور راوی نے جناب زینبؑ کا نام لینے کے عوض آپ کی کنیت ظاہر کی۔ جناب زینبؑ کی کنیت اُم کلثوم بھی تھی۔

بحر المصائب میں روایت ہے کہ زندانِ شام میں اہلِ بیتؑ کے ساتھ سترہ بچے تھے جن کی جناب زینبؑ نگرانی و پاسبانی فرماتی تھیں۔ بسا اوقات بچے بھوک اور پیاس کی شدت سے روتے اور تلملاتے رہتے تھے جناب زینبؑ سے کھانا پانی مانگتے تھے اور آپ اُنکی دلجوئی فرماتی تھیں۔

حالاتِ شام کے متعلق چند روایتیں بیان کر دی گئیں اب اہلِ بیتؑ اطہار کی قید سے رہائی اور مدینہ کو روانگی سے متعلق کچھ حالات درج کیے جاتے ہیں۔

* * * * *

باب ۱۴

رہائی اہلِ بیتؑ و روانگی بہ مدینہ طیبہ

* * * * *

اہلِ بیتؑ طاہرین کتنے دن دمشق میں قید رہے اس کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔

سید طباطبائی اعلی اللہ مقامہٗ نے ریاض المصائب کے حاشیہ پر مدتِ قیام و قید چالیس ۴۰ روز یا زیادہ سے زیادہ چھ ماہ بتائی ہے۔

کاشفی میلانی لکھتے ہیں کہ اہلِ بیتؑ پورے چھ مہینے قید رہے۔

کتاب مہیج الاحزان میں ایسی روایتیں ہیں کہ جن سے اٹھارہ اور دس روز قید میں رہنا پایا جاتا ہے۔

ایک روایت ہے کہ تین روز قید رہے اور سات روز ایک علیحدہ مکان میں رہ کر مراسمِ عزاداری بجا لائے۔

ملا محمد باقر رشتی تذکرۃ الائمہ میں لکھتے ہیں کہ مدتِ قیام و قیدِ شام چالیس روز سے چھ ماہ تک بتائی جاتی ہے لیکن میرے خیال میں اس سے زیادہ ہو گی۔

ابن صباغ نے اپنی کتاب الفصول المہمہ میں اگرچہ مدتِ قیام نہیں بتائی لیکن کہتے ہیں کہ ایک مدتِ دراز تک اہلِ بیتؑ دمشق میں قید رہے۔

شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ لکھتے ہیں کہ مدتِ دراز تک اہلبیتؑ شام میں قید رہے یہاں تک کہ ہندہ زوجۂ یزید نے خواب دیکھا۔ یزید کو ملامت کی وغیرہ

السید مظہر حسن سہارنپوری نے جلاء العینین سیرۃ علیؑ ابن الحسینؑ [illegible]

قید و قیامِ شام کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔

"مدتِ قیامِ اہلِ بیتؑ شامِ شوم میں باختلاف مرقوم ہوئی ہے یعنی زیادہ سے زیادہ چھ ماہ اور کم سے کم نو یوم...... راقم الحروف کے نزدیک جیسا کہ چھ ماہ کا قول دور از قیاس ہے ویسا ہی آٹھ نو روز کا قیام بھی بعید معلوم ہوتا ہے۔ میرے نزدیک سید طباطبائی اعلی اللہ مقامہٗ کا قول جو حاشیہ ریاض المصائب میں ہے کہ یہ حضرات چالیس روز شام میں مقیم رہے۔ اقرب بالصواب ہے"۔

ہمارا خیال ہے کہ اہلِ بیتؑ طویل مدت تک دمشق میں قید رہے ہوں گے۔ طراز المذہب میں روایات ہیں کہ گرمی و سردی کے اثر اور قلتِ آب و طعام کی وجہ سے بیبیوں اور بچوں کی کھال نکل گئی تھی اور سب لاغر و نحیف ہو گئے تھے تو یہ حالت دو چار، دس بیس روز میں نہیں ہو سکتی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ روایات جن میں مدتِ قید چھ مہینے بتائی گئی ہے صحیح اور قرینِ قیاس ہیں۔

جب یزید پلید نے خوب دل کھول کر اہلِ بیتؑ اطہار سے انتقام لے لیا۔ قید، سخت کلامی وغیرہ کے ذریعہ اپنے قلبِ سیاہ کو ٹھنڈا کر لیا تو بعض لوگوں کے مشورہ اور رائے کی بنا پر ان ستم رسیدہ حضرات کی رہائی کا اس کو خیال پیدا ہوا اور یہ رہا کیے گئے۔

مقتل ابی مخنف، بحر المصائب، نور العین میں ہے کہ جب یزید اپنے کردار سے پشیمان ہوا تو اُس نے اہلِ بیتؑ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں آپ کو رہا کرنا چاہتا ہوں اور اختیار دیتا ہوں کہ چاہو تو دمشق میں آرام و راحت سے رہو یا چاہو تو اپنے وطن مدینہ کو واپس جاؤ۔ اہلِ بیتؑ نے مدینہ واپس جانے کی خواہش ظاہر کی جناب زینبؑ نے کہلا بھیجا کہ جب سے امام حسینؑ شہید ہوئے ہم کو اُن پر دل کھول کر رونے اور

ماتم کرنے کا موقع نہیں ملا اس لیے کہ عمر ابن سعد اور ابن زیاد نے اس کی اجازت نہیں دی اب قبل روانگی ایک مکان دے دیا جائے اور مجلسِ عزا برپا کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ یزید نے اجازت دی اور حکم دیا کہ ایک وسیع مکان خالی کیا جائے اور اہلبیتؑ کو اس میں منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک مکان خالی کیا گیا اہلِ بیتؑ اطہار اس میں تشریف لائے اور مجلسِ عزا برپا کی۔ یہ پہلی مجلسِ عزائے حسینؑ تھی جو منعقد ہوئی۔

بعض کتب اخبار میں ہے کہ جب یزید پلید کو اطلاعیں ملنے لگیں کہ جنابِ امام حسینؑ کے قتل اور اہلِ بیتؑ رسولؐ کی اسیری کی وجہ سے ملک کے بعض علاقوں میں بے چینی اور بددلی پھیل رہی ہے اور لوگ اس سے متنفر ہو رہے ہیں۔ فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے تو یہ شقی مجبور ہوا کہ اہلِ بیتؑ کو رہا کر دے۔ اس نے ایک روز جناب امام زین العابدینؑ کو طلب کیا اور ملازمین کو تاکید کی کہ احترام و احتشام کے ساتھ آپ کو لائیں۔ جب امامؑ زندان سے روانہ ہونے لگے تو جناب زینبؑ نے یزید کی تلون مزاجی، غداری کے مدِ نظر آپ کو فرمایا۔ یا قرۃ عینی و سلوۃ فوادی لا تتکلم الا بکلام ھین و قول لین فانہ ظالم عنید و شقی شدید لا یخاف اللہ و عذابہ و لا یستحی من رسولہ و ولیہ۔ (اے قرۃ العین اے سرورِ دل تم یزید سے نرمی اور ملائمت کے ساتھ گفتگو کرنا اس لیے کہ وہ ظالم سرکش اور شقی شدید ہے۔ اس کو نہ تو خدا کا اور نہ اس کے عذاب کا خوف ہے نہ وہ رسولؐ اللہ اور ان کے ولی (علی مرتضیٰ) سے شرم کرتا ہے۔) جب جناب امام زین العابدینؑ یزید کے پاس پہنچے تو یہ شقی آپ کو تشریف لاتے دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور صدرِ مجلس پر آپ کو بٹھایا اور خندہ پیشانی سے کہا کہ یا علیؑ ابن الحسینؑ جو کچھ خواہش و حاجت ہو بیان فرمائیے میں اس کو

پوری کرنے پر آمادہ اور تیار ہوں۔ امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ مجھ سے میں کوئی حاجت نہیں رکھتا اس کے علاوہ پھوپی زینبؑ کے مشورہ و استمزاج کے بغیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یزید نے یہ سن کر خادمین کو کہا کہ پردہ کا انتظام کریں اور جناب زینبؑ اور سب بیبیوں کو بلا لائیں۔ جب اہل بیتؑ تشریف لائے تو یزید نے تعظیم و تکریم کی اہلبیتؑ اس سے قبل کی مجلسوں کو یاد کرکے رونے لگے اور جب ان کا گریہ تھما تو یزید نے کہا کہ اے اہلِ بیت رسولؐ میں نے آپ سب کو رہا کر دیا اب اگر آپ چاہیں تو یہاں رہیں یا مدینہ مراجعت فرمائیں۔ یزید کا یہ کلام سن کر جناب زینبؑ رونے لگیں اور وا اخاہ وا ذلتاہ و واضیعتاہ فرمایا۔ یزید نے پوچھا کہ یہ بی بی کون ہیں جو اس طرح روتی اور فریاد کرتی ہیں۔ جب کہا گیا کہ یہ نور چشم علیؑ مرتضیٰ صدیقۂ صغریٰ نائبۂ زہرا زینبؑ کبریٰ خواہر امام حسینؑ ہیں تو یزید پشیمان ہوا اور آپ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اب نالہ و زاری سے کیا حاصل۔ سکون اختیار کیجیے اور پس ماندگان کی خبر داری کیجیے۔ جناب زینبؑ برآشفتہ ہوئیں اور کہا ہم مدینہ خالی گھروں کو جا کر کیا کریں سوائے اس کے کہ ہمارے غم و الم میں اضافہ ہو اور مقتول اعزا کی یاد ستائے۔ یزید نے جواب دیا "مسافر ہمیشہ آرزومند رہتا ہے کہ اپنے وطن کو پہنچے مدینہ آپ کا وطن ہے اس لیے وہاں جانا آپ کے لیے باعثِ سرور ہونا چاہیے۔ یہ سن کر جناب زینبؑ نے گریہ فرمایا یزید خاموش ہو گیا پھر آپ سے کچھ نہ بولا۔

یہ بھی روایت ہے کہ اس مجلس میں یزید نے جناب زینبؑ سے کہا کہ اگر کوئی حاجت ہو تو فرمائیے۔ جناب زینبؑ نے فرمایا کہ میں تجھ سے تین چیزوں کی طالب ہوں وہ مجھے دیدے، ایک تو میرے نانا رسول اللہ کا عمامہ دوسرے میری ماں فاطمۃ الزہرا کا مقنع تیسرے میرے بھائی کی خون آلود قمیص۔ یزید نے جواب دیا کہ عمامۂ رسولؐ اور جناب فاطمۃ الزہرا کا مقنع تو تبرکاً تیمناً میں نے اپنے خزانہ میں

رکھ لیا ہے آپ کے بھائی کی قمیص کے متعلق نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ جناب زینبؑ نے فرمایا کہ اے یزید میرے بھائی کی قمیص اس کپڑے کی ہے جس کو میری ماں نے خود بُنا ہے۔ کپڑا بُنتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ حسینؑ جب کربلا میں شہید ہوں گے تو اس وقت اس کپڑے کی قمیص پہنے ہوں گے۔ اے یزید روزِ عاشورا میرے بھائی اسی کپڑے کی قمیص پہنے ہوئے تھے جو بعد شہادت اشقیا نے لوٹ لی۔ یزید نے حکم دیا کہ بہر طور وہ قمیص تلاش کی جائے اور برآمد کرکے جناب زینبؑ کو پہنچا دی جائے۔

اس کے بعد یزید نے جناب زینبؑ سے کہا کہ اگر اور کوئی حاجت ہو تو فرمائیے۔ جناب زینبؑ نے ایک آہِ سرد بھری اور فرمایا۔ جب سے ہمارے سید و سردار حسینؑ شہید ہوئے ہیں ہم کو اُن پر نوحہ و ندبہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ یہاں زندان میں ان کی لڑکی دارِ فانی سے سدھاری اس کے لیے بھی رونے کی اجازت نہ ملی۔ پس میں چاہتی ہوں کہ ایک وسیع و کشادہ مکان ہمارے لیے خالی کرا دیا جائے تاکہ ہم وہاں حسینؑ ابن علیؑ کا ماتم برپا کریں۔ دخترانِ قریش، زنانِ بنی ہاشم کو اجازت دی جائے کہ وہ بھی ان مراسم عزاداری و سوگواری میں شریک ہوں اور ہماری مدد کریں۔ یزید راضی ہو گیا اور حکم دیا کہ محلہ دار الحجارہ میں ایک وسیع مکان خالی کیا جائے اور اس میں اہلِ بیتؑ منتقل کر دیے جائیں۔ زنانِ دمشق کو عام اجازت دے دی گئی کہ جو چاہے مراسم عزاداری میں شریک ہو۔ مکان کا انتظام ہوتے ہی اہل بیتؑ قید خانہ سے اس میں تشریف لائے اور جناب زینبؑ نے پہلی مجلسِ عزا حضرت سید الشہداء برپا فرما کر آئندہ مجلسوں کی بنیاد قائم فرما دی۔ اس مجلس میں زنانِ قریشیہ و ہاشمیہ سیاہ لباس پہنے ہوئے گریبان چاک، بال کھولے، سر پیٹتی روتی ہوئی اس طرح مجلس میں آئیں جیسے میت پر آتی ہیں۔ جب کافی مجمع ہو گیا تو جناب زینبؑ نے امام زین العابدینؑ کو لا کر حضرت

سیدالشہدار کی مسند پر بٹھادیا اور یہ منظر دیکھ کر حاضرینِ مجلس میں کہرام برپا ہوگیا۔ اس کے بعد عورتیں حضرت سیدالشہدارؑ اور شہدائِ کربلا کے حالات و واقعات دریافت کرنے لگیں اور جناب زینبؑ جوابات دیتی تھیں۔ شہدار کے حالات بیان فرماتی جاتی اور سرہائے شہدار بتاتی جاتی تھیں۔ آخر میں آپ نے فرمایا کہ "اے زنانِ شام دیکھو اس قومِ جفاشعار نے آلِ علیؑ سے کیا سلوک کیا۔ تم واقعۂ کربلا سے بے خبر ہو اس لیے سن لو کہ کربلا میں حسینؑ مع عزیز و اقرباء و انصار بھوکے پیاسے شہید کیے گئے۔ ان کی شہادت کے بعد لسپر زیاد بے حیا کے حکم سے کوفیوں نے بیواؤں اور یتیموں کو قیدی بنایا اور شترانِ بے کجاوہ پر بے مقنع و چادر بٹھا کر کوفہ لائے اور کوچہ و بازار میں پھرا کر تشہیر کیا۔ حجتِ خدا علیؑ ابن الحسینؑ کو طوق گران پہنایا، زنجیروں میں کس دیا۔"

جنابِ زینبؑ کا یہ بیان سن کر حاضرینِ مجلس میں غل مچ گیا۔ اس وقت جناب زینبؑ نے سرِ اقدس سیدالشہداؑ لے کر اپنے سینہ سے لگایا اس کے بوسے لیے اور مدینہ کی طرف منہ پھیر کر اپنی مادرِ گرامی کو مخاطب کیا اور چند دردناک کلمات فرمائے۔ پھر بھائی کے منہ پر منہ رکھ کر کلماتِ جانگداز ارشاد فرمائے اور مجلس ختم ہوئی۔

بعض راویوں نے لکھا ہے کہ یزید نے اپنے افعال و کردار سے پشیمان ہو کر اہلِ بیتؑ کو قید سے رہا کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ فتنہ و فساد برپا ہو جانے کے اندیشہ سے اس نے رہائی دی اور اہلِ بیتؑ کو مدینہ واپس بھیجدیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کونسی چیز زیادہ قرینِ عقل و قیاس ہے۔ یزید کی فطرت و کیریکٹر (عادات و اخلاق) کے مدِنظر یہ تصور کرنا کہ اس کو خجالت و ندامت دامن گیر ہوئی ہوگی قرینِ عقل نہیں بلکہ یہ امر زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ اس نے فتنہ و فساد اور اپنی حکومت

کے زوال کے خوف سے اہلِ بیتؑ کو رہا کیا تاکہ لوگوں کی تالیفِ قلوب ہو اور اُن کی زبانیں بند ہوں۔ واقعات پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یزید کی پوری کارروائی بنی ہاشم و خاندانِ رسولؐ سے دیرینہ بغض و عداوت اور انتقامی اسپرٹ (جذبہ) پر مبنی تھی اور اس میں پشیمانی اور ندامت کا کوئی دخل ہی نہ تھا۔ اگر محض بیعت نہ کرنے کی وجہ سے امام حسینؑ کو شہید کیا جاتا تو آپ کی شہادت کے بعد سارا قصہ ختم ہو جاتا لیکن بعد شہادت جو بدعنوانیاں پیش آئیں کہ اہلِ بیتؑ کو اسیر اور مغلول کیا گیا، اُن کا مال و اسباب لوٹا گیا۔ خیمے جلائے گئے، انھیں مثل اسرائے ترک و دیلم و زنگبار بھوکے پیاسے شہر بہ شہر پھرایا گیا۔ دمشق لایا گیا اور یہاں بھی کافی تشہیر کرائی گئی ایک عرصہ تک قید رکھا گیا۔ کبھی کسی ویرانہ میں کبھی مسجد میں کبھی خرابہ میں۔ پھر وقتاً فوقتاً یزید کی بھری مجلسوں اور محفلوں میں لائے گئے۔ ایسی حالت میں کہ اس شقی کی محفلیں امراء و رؤسائے شام و عراق سے بھری رہتی تھیں۔ اسبابِ رقص و سرود، شراب و کباب مہیا رہتے تھے۔ اقتدار و اختیار، شان و شوکت کا پورا مظاہرہ کیا جاتا تھا اور یہ ستم رسیدہ اہلِ بیتؑ مع امام زمانؑ گھنٹوں کھڑا کر دیے جاتے اور یزید اور اس کے مصاحبین ان غریبوں کی خستہ حالی و تباہی کو دیکھ کر قہقہے لگاتے اور لطف اُٹھاتے تھے تو کیا ان سب اُمور سے ظاہر نہیں ہوتا کہ یزید کی سب کارروائی کینہ و بغض دیرینہ اور انتقامی جذبہ پر مبنی تھی۔ ایسی صورت میں کیوں کر خیال کیا جا سکتا ہے کہ یزید پشیمان ہوا ہوگا۔ لا واللہ۔ ہاں البتہ اپنی جان اور حکومت کے زوال کے خوف سے ضرور خائف ہوا ہوگا اور یہی اہلِ بیتؑ کی رہائی کا یقیناً باعث اور سبب ہوا۔

مولانا سبط الحسن صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"جس زمانہ میں اہلِ بیتِ رسولؐ قید شام میں تھے مملکت

یزید میں انقلابی آثار پیدا ہو رہے تھے اب اس نے خیال کیا کہ اس انقلاب کو روکنے کے لیے اہلِ بیتؑ رسولؐ کو رہا کر دینا چاہیے۔ بعض مؤرخوں کا یہ خیال ہے کہ مروان نے یزید سے یہ کہا کہ ملک میں جو بے چینی پھیلی ہوئی ہے اس کو دبانے کے لیے اہل بیتؑ کا رہا کر دیا جانا ضروری ہے ورنہ سلطنت تباہ ہو جائے گی۔ بہرکیف جو کچھ بھی ہوا ہو لیکن یہ ضرور ہے کہ یزید نے اپنی سلطنت کو بچانے کے لیے اسیران بلا کو رہا کر دیا۔" (ماخوذ از شہید انسانیت)

مولانا سبط الحسن صاحب کے قول سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے۔

روایات کے بموجب بعد رہائی جناب زینبؑ نے جو مجلسِ عزا برپا فرمائی تو بظاہر مراسمِ عزاداری و سوگواری بجالانے کے لیے کی لیکن ہمارے خیال میں اس کے علاوہ جناب زینبؑ کا اس مجلس کے منعقد کرنے سے یقیناً یہ مطلب و مقصود تھا کہ یزید اور اس کی قوم کے مظالم و مثالب سے اہلِ شام کو واقف کرا دیں اور اپنے مظلوم بھائی کے فضائل و مقاماتِ عالیہ ان پر ظاہر فرما دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

زنانِ شام جو کربلا و کوفہ کے حالات و واقعات سے لاعلم تھیں اس مجلس میں تفصیلی حالات سے واقف ہوئیں تو انہوں نے گھروں کو واپس جا کر ان واقعات سے اپنے مردوں کو مطلع کیا جس سے ان کے قلوب میں انقلابِ عظیم پیدا ہوا۔ اکثر وہ لوگ جو تھوڑا بھی ایمان رکھتے تھے یزید سے بدظن اور منحرف ہو گئے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ بھی جناب زینبؑ کا جہاد باللسان تھا اور امام علیہ السّلام کے مشن کی تکمیل تھی جو آپ نے فرمائی۔

آج دنیا میں جو حسینؑ کا نام باقی ہے اور دنیا کے ہر حصّہ میں حسینؑ کا ذکر ہوتا ہے

تو یہ کثرتِ مجالس کا نتیجہ ہے جس کی بنا اسی سوگوار، جاں نثار بہن زینبؑ نے ڈالی۔ جناب زینبؑ نے تین مجالسِ عزا کیں۔ پہلی تو یہ دمشق میں ہوئی اس کے بعد دوسری مجلس قبرِ حسینؑ پر کربلا میں منعقد کی اور تیسری مدینہ منوّرہ میں برپا ہوئی جس کا ذکر آگے بیان میں آئے گا۔

صاحبِ بحر المصائب نے ایک روایت لکھی ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ ہندہ زوجۂ یزید کی سعی و سفارش و کوشش سے اہلِ بیتؑ کی قید سے رہائی ہوئی لکھا ہے کہ جب اہلِ بیتؑ قید تھے تو ایک رات ہندہ قید خانہ میں آئی اور اہل بیتِ طاہرینؑ کو پہچان کر روئی دلاسہ تسلّی دی۔ واپس جا کر یزید کو ملامت کی اور ایسے کلمات کہے کہ یزید متاثر ہوا اور کہا کہ خدا ہلاک کرے پسرِ مرجانہ کو کہ حسینؑ ابن علیؑ کو قتل کیا اور دونوں جہاں میں میرا منہ کالا کیا اب ندامت میرے لیے فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ تو قید خانہ جا اور اہلِ بیتؑ کو محلِ شاہی میں لا کر اپنے پاس رکھ اور ان کے آرام و آسائش کا سامان کر۔ میری جانب سے عذر خواہی کر اور کہہ کہ میں حسینؑ کے قتل پر راضی نہ تھا۔ ہندہ آلِ ابی سفیان کی چند عورتوں اور کنیزوں کو ماتمی لباس پہنا کر ساتھ لیے ہوئے خرابہ کو آئی۔ قید خانہ میں سب کے گریہ و زاری سے محشر بپا ہوا۔ جناب زینبؑ نے فرطِ غم و الم سے مدینہ کی طرف منہ کر کے اپنی مادرِ گرامی کو مخاطب فرما کر مرثیہ کے طور پر چند اشعار پڑھے اور پھر سوئے کربلا منہ پھیر کر چند اشعار ارشاد فرمائے۔ ہندہ اور زنانِ آلِ ابوسفیان نے اہلِ بیتؑ کو فرداً فرداً تسلّی دی۔ معذرت، منّت و سماجت کر کے سب کو محل میں لائیں اور سب کی خدمت گذاری کرتی رہیں۔ ممکن ہے کہ یہ روایت صحیح ہو لیکن اس میں یہ جو لکھا ہے کہ یزید نے امام حسینؑ کے قتل کا ابن مرجانہ کو ذمہ دار قرار دیا تو اگر اُس نے ایسا کہا تو وہ جھوٹا تھا اس لیے کہ یزید خوب جانتا تھا کہ کس کے حکم سے امام شہید کیے

گئے۔ اس نے جو احکام والیٔ مدینہ کو دیے تھے وہ صاف و صریح تھے کہ امام حسینؑ سے بیعت طلب کر اگر انکار کریں تو قتل کر دے اور سر اُن کا بھیج دے اور یہی احکام اس مردود کاذب نے ابن زیاد کو دیے۔ پس اس روایت میں اس کے جو الفاظ بیان کیے گئے ہیں یا تو وہ صحیح نہیں اور اگر صحیح و درست ہوں تو پھر اس نے ہند کو خوش کرنے کے لیے دروغ گوئی اور غلط بیانی کی۔ ہند کی ملامت اور ناراضی سے خود کو محفوظ رکھنے کی خاطر جھوٹ کہا اور اس کو دھوکہ دیا۔

بحر المصائب اور بعض کتبِ اخبار میں ہے کہ جب یزید نے اہلِ بیتؑ کو رہا کرنے اور مدینہ واپس کرنے کا تصفیہ کر لیا تو زرّین علم، رنگین اور پُر تکلف لباس، سیم و زر جناب امام زین العابدینؑ کے پاس بھیجا اور پیام بھیجا کہ یہ مال و زر ان مصائب کے عوض ہے جو آپ سب پر گذرے ہیں۔ جناب زینبؑ نے یہ لباس مال و زر سب واپس کر دیا اور جواب کہلا بھیجا کہ یزید سے کہدو کہ تو کس قدر بے شرم و سنگدل ہے کہ ہمارے سید و سردار کو ان کی اولاد کو تو قتل کیا اور اب اس کی تلافی کے لیے یہ مال و اسباب، زر و سیم بھیجا ہے۔ کیا تو نے میرے نانا محمد مصطفیؐ کی حدیث نہیں سُنی کہ جو شخص کسی مومن کو پہلے محزون اور مکدّر کر دے اور اس کے بعد تمام دنیا بھی اس کو بخش دے تو اس حزن و الم کا جو اسے پہنچ چکا ہے بدلہ و عوض نہیں ہو سکتا۔ جناب زینبؑ کا یہ جواب سُن کر یزید پلید شرمندہ ہوا اور خاموش ہو گیا۔

انتظامِ روانگی اہلِ بیتؑ بہ مدینہ

اہلِ بیتؑ کی مدینہ کو روانگی کے وقت یزید نے جو انتظام و اہتمام کیا اس کے متعلق علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے بحار الانوار میں صاحب مناقب کی روایت تحریر فرمائی ہے کہ جب یزید نے اہلِ بیتؑ کو رہا کیا اور دمشق میں رہنے یا مدینہ واپس جانے کا اختیار دیا تو ان بزرگواروں نے مدینہ

جانا پسند فرمایا۔ جناب زینبؑ نے کہلا بھیجا کہ ردنا الی المدینۃ فانہا مہاجر جدنا۔ (ہم کو مدینہ واپس کر دے اس لیے کہ وہ ہمارے جد کی ہجرت گاہ ہے۔) یزید نے اس کو منظور کر لیا اور نعمان ابن بشیر کو جو صحابۂ رسولؐ اللہ سے تھے طلب کیا اور انہیں مفصل ہدایات دیں کہ اہلِ بیتؑ اطہار کو ان کے شایانِ شان انتظام و احتشام کے ساتھ مدینہ پہنچا دیں۔ قبل روانگی ضروری لباس و زادِ راہ کا معقول انتظام کریں۔ راستہ کی حفاظت وغیرہ کے لیے کافی تعداد میں سوار و پیادے ساتھ رکھیں۔ جب روانگی کا وقت آیا تو امام زین العابدینؑ کو بُلا کر بہت کچھ عذر و معذرت کی نعمان ابن بشیر کو مزید تاکید کی کہ اہلِ بیتؑ کے اعزاز و اکرام کا ہر وقت خیال رکھیں۔

کتاب بیت الاحزان میں روایت ہے کہ جب جناب زینبؑ نے دیکھا کہ اونٹوں پر زرق برق محملیں ہیں اور ان میں ریشمی و مخملی فرش ہیں تو آپ نے حکم دیا کہ سب محملوں کو سیاہ پوش کر دیا جائے تاکہ لوگ جانیں کہ اولادِ فاطمہؑ سوگوار و عزادار ہے۔

روایت ہے کہ جب اہلِ بیتؑ کی مدینہ کو روانگی کی اطلاع اہلِ دمشق کو ہوئی تو زنان و دخترانِ اہلِ دمشق سیاہ پوش ہو کر گھروں سے نکل آئیں اور اہلبیتؑ کی قیام گاہ پر جمع ہو گئیں سب نے گریہ و نالہ کرتے ہوئے اہلِ بیتؑ کو وداع کیا۔ جناب زینبؑ کو وہ وقت یاد آ گیا جب آپ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئی تھیں اس وقت زنان و دخترانِ بنی ہاشم و اہلِ مدینہ نے اسی طرح روتے پیٹتے ہوئے آپ کو وداع کیا تھا۔ آپ نے شدت سے گریہ فرمایا۔ جناب امام زین العابدینؑ نے آپ کو دلاسہ دیا اور آپ کو اور سب بیبیوں کو سوار کرایا۔ جن راستوں سے قافلہ گذرتا تھا لوگ جوق جوق روتے ہوئے ساتھ ہو جاتے تھے

اور سب نے تھوڑی دور تک مشایعت کی۔

جب اہلِ بیتؑ کی عماریاں نظروں سے غائب ہو گئیں تو سب لوگ افسردہ و رنجیدہ خاموش و ساکت شہر کو واپس ہوئے۔

شام کے واقعات ختم کرنے کے بعد اب ہم جناب زینبؑ علیہا السّلام کا وہ خطبہ درجِ ذیل کرتے ہیں جو بروایتے سید بن طاؤس اعلی اللہ مقامہٗ، جناب معصومہؑ نے یزید کی مجلس میں اس وقت ارشاد فرمایا جب سرِ اقدس حضرت سید الشہداء علیہ التحیتہ والثناء طشت میں اس کے سامنے رکھا گیا اور وہ ملعون دندانِ مبارک سے اپنی چھڑی کے ذریعہ بے ادبی کرنے لگا اور وہ مشہور اشعار بھی پڑھے جن کا پہلا مصرعہ لیت اشیاخی ببدر شھدوا .... الخ.. ہے

خطبہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ جدّی سیّد المرسلین صدق اللہ کذالک یقول ثُمَّ کَانَ عَاقِبَۃَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓآٰی اَنْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَکَانُوْا بِھَا یَسْتَھْزِءُوْنَ ۝ اُظننت یا یزید حین اخذت علینا اقطار الارض وضیقت علینا آفاق السماء فاصبحنا لک فی اساریٰ نساق الیک سوقا فی قطارٍ وانت علینا ذو اقتدارٍ ان بنا من اللہ ھوانا وعلیک منہ کرامۃ و امتنانا وانّ ذالک لعظم حظرک وجلالۃ قدرک فشمخت بانفک ونظرت فی عطفک تضرب اصدریک فرحاً وتنفض مذرویک مرحاً حین رأیت الدنیا لک مستوسقۃ والامور لدیک مستقۃ وکفروا انّما نُملِی لھُم خَیْرٌ لِّاَنْفُسِھِمْ ط اِنَّمَا نُمْلِی لَھُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَلَھُمْ

عَذَابٌ مُّھِیْنٌ۔ اُمن العدل یا بن الطلقاء تخدّرک حرائرک واماءک وسوقک وبنات رسولُ اللہ سبایاً قد ھتکت ستورھِنَّ وابدیت وجوھھِنَّ تحدوابھِنَّ الاعداء من بلدٍ الیٰ بلدٍ ویستشرفھن اھل المناقل ویتبرزن لاٗھل المناھل ویتصفح وجوھھن القریب والبعید والغائب والشھید والوضیع والشریف والدنی والرفیع۔ لیس معھِنَّ من رجالھِنَّ ولی ولا من حماتھنَّ حمیم عتوا منک علی اللہ وجحوداً لرسولُ اللہ ودفعاً لِما جاءبہٖ من عند اللہ۔ ولا غرو منک ولا عجب من فعلک وانّیٰ یُرتجیٰ مُراقبۃ من لفظ فوہ اکباد الشھدا ونبت لحمہ بدماء السعداءِ ونصب الحرب لسیّد الانبیاء وجمع الاحزاب وشھر الحراب وھز السیوف فی وجہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ۔ اشدُ العرب للہ جحوداً وانکرھم لہ رسولاً واظھرھم عدوانا واعناھم علی الرّب کفراً وّطغیاناً الا انھا نتیجۃ خلال الکفر وضب یجرجر فی الصدر لقتلی یوم بدرٍ فلا یستبطی فی بغضنا اھل البیت من کان نظرہ الینا شنفاً واشناناً واحناً واضغاناً۔ یظھر کفرہ برسولہ ویفصحُ ذالک بلسانہ وھو یقول فرحاً بقتل ولدہ وسبی ذُرّیتہ غیر منحوب ولا مستعظم لاھلو واستھلوا فرحاً ولقالوا یا یزید لا تشل منتحیاً علیٰ ثنایا ابی عبد اللہ وکان مقبل رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ینکتھا بمخصرتہ قد

التمع السرور لوجهه. لعمری لقد نكأت القرحة و
استاصلت الشّافة باراقتك دم سیّد شباب اهل
الجنّة وابن یعسوب العرب وشمس آل عبد المطلب
وهتفت باشیاخك تقربت بدمه الی الكفرة من اسلافك
ثمّ صرحت بندائك ولعمری لقد نادیتهم ولو شهدوك
ووشیكا تشهدهم وان لیشهدوك ولتود یمینك كما
زعمت شلت بك عن مرفقها وجذت واحببت
امك لم تحملك واباك لم یلدك حین تسیر الیٰ
سخط الله ومخاصمك رسول الله صلی الله علیه وآله.

اللّهمّ خذ بحقنا وانتقم من ظالمنا واحلل غضبك
بمن سفك دمائنا ونقض ذمارنا وقتل حماتنا وهتك عنّا
سدولنا وفعلت فعلتك الّتی فعلت وما فریت الّا جلدك
وما جزرت الّا لحمك وسترد علیٰ رسول الله بما تحملت
من ذرّیته وانتهكت من حرمته وسفكت من دماء
عترته ولحمته حیث یجمع به شملهم ویلم به
شعثهم وینتقم من ظالمهم ویاخذ لهم بحقهم من
اعدائهم فلا یستنفزنّك الفرح بقتله وَلَا تَحْسَبَنَّ
الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ
يُرْزَقُوْنَ ط فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. وحسبك
بالله ولیّاً وحاكماً ورسول الله خصیماً وبجبرئیل ظهیراً.
وسیعلم من بواك ومكنك من رقاب المسلمین ان بئس

للظالمین بدلا وایكم شرّ مكاناً واضلّ سبیلاً ط

وما استصغاری قدرك ولا استعظامی تقریعك توهما
لانتجاع الخطاب فیك بعد ان تركت عیون المسلمین به
عبری وصدورهم عند ذكره حری فتلك قلوب قاسیة
ونفوس طاغیة واجسام محشوة بسخط الله ولعنة الرسول
قد عشش فیه الشیطان وفرخ ومن هنالك مثلك
درج ما درج ونهض.

والعجب كلّ العجب تقتل الاتقیاء واسباط الانبیاء
وسلیل الاوصیاء بایدی الطلقاء الخبیثة ونسل العهرة
الفجرة تنطف اكفهم من دمائنا وتتحلّب افواههم من
لحومنا وللجثث الزاكیة علی الجیوب الضاحیة تنتابها
العواسل وتعفرها الفواعل فلئن اتخذتنا مغنما لتجد
بنا وشیكا مغرما حین لا تجد.

اَلَا ما قدّمت یداك وما الله بظلّامٍ للعبید فالی
الله المشتكیٰ والمعوّل والیه الملجاء والمؤمّل ثم كد
كیدك واجهد جهدك فوالذی شرفنا بالوحی والكتاب
والنبوة والانتخاب لا تدرك امدنا ولا تبلغ غایتنا ولا
تمحوا ذكرنا ولا یرحض عنّا عارها. وهل رایك الا
فند وایامك الا عدد الا بدد یوم ینادی المنادی الا
لعن الله الظالم العادی والحمد لله الذی حكم لاولیائه
بالسعادة وختم لاصفیائه ببلوغ الارادة و

الرحمة والرافة والرضوان و المغفرة ولم یشق بهم غیرك
ولا ابتلیٰ بهم سواك ونسئله ان یکمل بهم الاجر
ویجزل لهم الثوب والذخر ونسئله حسن الخلافة
وجمیل الانابة انه رحیم ودود ؂

ترجمہ :۔ تعریف اس خدا کی جو رب العالمین ہے اور درود ہو میرے نانا سید المرسلین پر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور اس کا قول سچ ہے کہ "انجام بُرے کام کرنے والوں کا بُرا ہوگا۔ جنہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا اور ان کا مذاق اڑایا۔

اے یزید! کیا تو گمان کرتا ہے کہ تو نے ہم پر زمین کے گوشے اور آسمان کے آفاق تنگ کر دیے (یعنی زمین و آسمان تنگ کر دیے) اور ہم تیرے قیدی ہو گئے اس لیے کہ تیرے پاس قطار میں لائے گئے ہیں اور تو ہم پر غلبہ و اقتدار حاصل کر چکا ہے اور کیا تو سمجھتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ہم کو ذلت و رسوائی پہنچی اور تجھے عزّت و توقیر، اور یہ ظاہری فتح جو تجھے نصیب ہوئی وہ تیری جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کی وجہ ہوئی اور تو اس پر ناک چڑھانے لگا (یعنی مغرور ہو گیا) اور اترانے لگا۔ خوشی سے بغلیں بجانے اور شوخی کرنے اور گستاخی کرنے لگا۔ تو سمجھتا ہے کہ تجھے دنیا مل گئی اور تیرے معلامات مستحکم و منظم ہو گئے اور ہمارا ملک تیرے قبضہ میں آگیا اور ہماری سلطنت تجھے حاصل ہو گئی ٹھہر جا! جہالت سے اتنا نہ اچھل کیا تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھول گیا وَلَا يَحْسَبَنَّ الخ ...... "یعنی ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ ہم نے کافروں کو اس لیے مہلت دی ہے کہ اس میں ان کی بھلائی ہے بلکہ اس وجہ سے مہلت دی ہے کہ ان کے گناہ زیادہ ہو جائیں اور وہ ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا ہوں۔"

اے آزاد کردہ غلاموں کے بیٹے کیا یہ تیرا انصاف ہے کہ تو اپنی بی بیوں اور لونڈیوں کو تو پسِ پردہ رکھے اور رسولؐ کی بیٹیوں کو قید کر کے در بدر پھرائے، تو نے ہماری ہتکِ حرمت کی، ہمارے چہروں کو بے نقاب کیا (تیرے حکم سے) اشقیاء ہم کو شہر بہ شہر پھرا رہے ہیں۔ ہمہ اقسام کے لوگ خواہ وہ پہاڑوں میں رہتے ہوں یا پانی کے چشموں پر خیمہ زن ہوں ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ قریب و بعید، غائب و حاضر شریف و رذیل، امیر و غریب سب کی نظریں ہم پر پڑ رہی ہیں اور ہماری یہ حالت ہے کہ ہمارے مرد عزیزوں میں سے کوئی نہیں ہے اور نہ ہمارا کوئی معین و ناصر ہے۔

اے یزید! جو کچھ تو نے کیا ہے اس سے تیری خدا سے سرکشی اور رسولؐ اللہ سے انکار ثابت ہوتا ہے اور اس کتاب (قرآن) اور سنّت کو رد کرتا ہے، جو رسولؐ اللہ، خدا کی طرف سے لائے اور تیرا یہ فعل کوئی تعجّب خیز اور حیرت انگیز بھی نہیں ہے اس لیے کہ جس کے بزرگوں نے شہیدوں کے جگر چابے ہوں، جن کا گوشت اہلِ سعادت کے خون سے نشو و نما پایا اور بڑھا ہو، جنہوں نے سید الانبیاء سے جنگ کی ہو اور ان کے مقابلہ کے لیے احزاب (جتھے) جمع کیے ہوں اور رسولؐ اللہ کے مقابلہ میں تلواریں کھینچیں ہوں وہ یقیناً اللہ و رسولؐ کے انکار کرنے میں تمام عربوں سے سخت اور کفر، طغیان و تعدّی اور اللہ و رسولؐ کی دشمنی میں سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

یاد رکھ! کہ جو اعمالِ قبیحہ اور افعالِ شنیعہ تجھ سے سرزد ہوئے یہ طبائع کفر کا نتیجہ اور وہ دیرینہ کینہ ہے جو بدر کے مقتولین کی وجہ تمہارے دلوں اور سینوں میں موج زن ہے۔

جو شخص ہم کو عداوت، بغض اور کینہ کی نظر سے دیکھتا ہے وہ ہم اہلِ بیتِ رسولؐ سے دشمنی کرنے میں تامّل نہیں کرتا۔ رسولؐ سے اپنا کفر ظاہر کر دیتا ہے اور زبان

سے بھی کہہ دیتا اور خوش ہو ہو کر کہتا ہے کہ میں نے رسولؐ اللہ کے فرزندوں کو قتل اور اُن کی ذرّیت کو قید کیا اور اس کو گناہ اور امرِ عظیم نہیں سمجھتا اور کہتا ہے کہ اگر اس کے بزرگ اس کے اِس کارنامہ کو دیکھتے تو خوش ہو کر کہتے کہ اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں کہ تو نے ہمارا انتقام لیا وغیرہ

اے یزید تو اس مجمع میں ابو عبد اللہ الحسینؑ کے دندانِ مبارک کو چھڑی سے اذیت دے رہا اور بے ادبی کر رہا ہے حالانکہ وہ رسولؐ اللہ کی بوسہ گاہ ہے اور تیرے چہرہ سے خوشی و مسرت ظاہر ہو رہی ہے۔

میری جان کی قسم کہ تو نے سردارِ جوانانِ اہلِ بہشت، یعسوب العرب (علیؑ) کے بیٹے، آفتابِ آلِ عبد المطلب کا خون بہا کر ہمارے زخم کو گہرا کر دیا اور جڑ کو زمین سے اکھاڑ دیا۔ حسینؑ ابن علیؑ کو قتل کرکے تو نے اپنے کافر اسلاف سے تقرّب حاصل کیا اور فخر کے ساتھ انہیں صدا دیتا اور کہتا ہے کہ اگر وہ تجھے دیکھیں تو کہیں گے کہ اے یزید تو نے خوب کام کیا خدا تیرے ہاتھ شل نہ کرے۔

اے یزید اگر تو اپنے افعال و کردار پر غور کرے کہ تو کس امرِ عظیم کا مرتکب ہوا تو یقیناً تو تمنا کرے گا کہ واقعی تیرا ہاتھ شل ہو کر کہنی سے علیحدہ ہو جائے اور بول اُٹھے گا کہ اے کاش میرے ماں باپ مجھے نہ جنتے کیونکہ تو محسوس کرے گا کہ خدا تجھ سے ناخوش ہو گیا ہے اور رسولؐ اللہ تیرے خصم (دشمن) بن گئے ہیں۔

اے اللہ تو ہمارا حق ہم کو دلا۔ ہمارے ظالموں سے ہمارا انتقام لے اور ان لوگوں پر جنہوں نے ہمارے خون بہائے، ہم سے عہد شکنی کی، ہمارے عزیزوں اور حامیوں کو قتل کیا، ہماری بے عزّتی کی تو اپنا غضب نازل فرما۔

اے یزید جو کچھ کرنا تھا تو کر چکا لیکن یاد رکھ کہ تو نے اپنی ہی جلد کاٹی اور اپنے ہی گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کیے، تو عنقریب رسولؐ اللہ کی حضور میں پیش

ہو گا اس گناہ کا بار لیے ہوئے جو کہ تو نے ان کی ذرّیت کے ساتھ کیا ہے یعنی اُن کی عترت کا خون بہا کر اور ان کی ذرّیت کی ہتکِ حرمت کرکے۔ یہ وہ مقام و موقع ہو گا جہاں ان کی ذرّیت جمع ہو گی اور ان کے ظالموں سے انتقام اور ان کے دشمنوں سے بدلہ لیا جائے گا۔

اے یزید تجھے نہ چاہیے کہ تو عترتِ رسولؐ کو قتل کرکے خوشی سے اُچھلے اور ہرگز یہ نہ خیال کر کہ (وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ط فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔) جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہوئے (شہید ہوئے) وہ مردہ ہو گئے بلکہ وہ زندہ ہیں اور خدا کی طرف سے انہیں رزق پہنچ رہا ہے اور وہ خوش ہیں اللہ کی نعمت پر جو انہیں ملی ہے۔

تیری خبر لینے کے لیے اللہ کافی ہے۔ رسولؐ خدا تیرے خصم (مخالف دشمن) ہیں، جبرئیل تیرے مقابلہ میں ہماری پشت و پناہ ہیں۔

وہ لوگ جنہوں نے تجھے سلطنت دی اور مسلمانوں کی گردنوں پر تجھ کو سوار کر دیا عنقریب جان لیں گے کہ ان کا کیا حشر ہو گا۔ ظالمین کا انجام بُرا ہے اور یہ کون جانتا ہے کہ تم میں سے بُرا کون اور گمراہ کون ہے۔

اے یزید میں نے اپنی تقریر میں جو تیری عزّت گھٹائی اور تیرے عذاب کی شدّت کا اظہار کیا۔ بہ امر سے میرا یہ مطلب نہیں کہ بعد اس کے کہ تو نے مسلمانوں کو رُلایا اور ان کے دلوں کو رنجیدہ کیا اس سے تو کچھ اثر لے اس لیے کہ تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے دل سخت، نفوس سرکش اور اجسام خدا کی نافرمانی اور رسولؐ کی لعنت میں مبتلا ہیں، تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے دلوں میں شیطان نے گھونسلے بنا لیے اور بچے دیے اور ان گھونسلوں سے بچے نکلے جو نکلے (یعنی تو)

بھی اسی ایک گھونسلے کی پیداوار ہے ۔)

تعجب کا مقام ہے کہ نیک بندے جو انبیاء، و اوصیاء کے فرزند ہیں وہ آزاد کردہ خبیث غلاموں اور فاسقوں اور فاجروں کی اولاد کے ہاتھوں قتل ہو جائیں، ہمارے خون سے ان کے ہاتھ رنگے جائیں اور ہمارا گوشت اُن کی غذا بنے۔!!

افسوس ہے ان پاک بدنوں پر جو دشتِ بلا میں بے گور و کفن پڑے ہوئے ہیں اور جو تیروں کے زخم خوردہ ہیں۔

اے یزید! اگر تو ہمارے شکست کو غنیمت سمجھتا ہے تو یاد رکھ تجھے اس کا تاوان بھی ادا کرنا ہوگا اس روز جبکہ تجھے اپنے کیے کا پھل ملے گا۔ خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ خدا ہی پر ہمارا بھروسہ ہے، وہی ہمارا ملجا اور جائے پناہ ہے اور اسی سے ہماری اُمید وابستہ ہے۔

تُو جتنا مکر کرنا چاہتا ہے کر لے اور جس قدر کوشش کرنا چاہتا ہے کر لے، اس ذات کی قسم جس نے ہمیں وحی، کتاب اور نبوّت و انتخاب سے مشرف فرمایا ہے تو ہمارے درجات نہیں پائے گا اور نہ ہماری منزلت کو پہنچیگا، اور نہ تو ہمارے ذکر کو مٹا سکتا ہے۔ نہ اس ننگ و عار کو دُور کر سکتا ہے جو تجھ پر ہم پر ظلم و ستم کرنے کی وجہ سے عائد ہوا ہے۔ تیری رائے کمزور اور دن گنتی کے ہیں۔ تیری جماعت منتشر ہو جائے گی اس روز جبکہ منادی ندا کرے گا کہ خدا کی لعنت ہے ظالم اور تعدّی کرنے والے پر۔

تعریف ہے اس خدا کے لیے جس نے اپنے اولیاء کا خاتمہ بخیر کیا اور اپنے اصفیاء کی مرادیں پوری کیں۔ اور انہیں اپنی رحمت، مہربانی، خوشنودی کی طرف بلالیا اور تو ان پر ظلم کر کے بدبختی اور شقاوت میں مبتلا ہو گیا۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ ان (اولیاء، و اصفیاء) کی وجہ سے ہمارا اجر پورا کرے۔ ہمیں ثوابِ کثیر بخشے اور ہمیں حُسنِ خلافت اور جمالِ امامت عطا فرمائے۔ وہ (خدا) مہربان ہے اور اپنے بندوں سے بہت محبّت کرنے والا ہے۔

صاحبِ طرازالمذہب تحریر فرماتے ہیں:۔

"چوں یزید ایں نوعِ فصاحت و بلاغت و اشاراتِ کنایات و احتجاج را از حضرت صدیقۂ صغریٰ بدید وایں کلمات دہشت و سخنانِ درشت کہ از قوارعِ بلایا و مقارعِ منایا و دندانِ افعی و نیشِ مارگزندہ تر بود بشنید و درونش از میزان و عدوان اگندہ تر گشت و از ہول و بیم نمی توانست آں حضرت را دچار رنج و زحمتے دارد و آبی بر آتشِ دل و سینہ برافشاند از راہے دیگر و عذرے دیگر برآمد وایں شعر بخواند۔

"یا صیحۃ تحمد من صوائح   ما اھون الموت علی النوائح"

رازق الخیری صاحب نے اپنی تالیف "سیّدہ کی بیٹی" میں جناب زینب سلام اللہ علیہا کے اس خطبہ کا ترجمہ دیا ہے لیکن ترجمہ اصل سے کسی قدر بدلا ہوا ہے لفظی نہیں ہے۔ بہر حال خطبہ درج کرنے کے بعد جو خیالات اس کے متعلق ظاہر فرمائے ہیں وہ ہم نقل کرتے ہیں:۔

یزید کا دربار شامیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کو سانپ سونگھ گیا ہے ہر شخص

بے حس و حرکت اس طرح بیٹھا یا کھڑا تھا جس طرح پتھر کی مورتیں، ان کی زبانیں اور ان کے ہونٹ چپکے ہوئے تھے۔ ان کے دل دریائے حیرت میں غوطے کھا رہے تھے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جب شیرِ خدا کی بیٹی لاکھوں کے مجمع میں شیر کی طرح دہاڑ رہی اور رعیت کے سامنے ان کے بادشاہ کو للکار رہی تھی۔ خود یزید دانت پیس پیس لیتا۔ ہونٹ چباتا اور تاؤ پیچ کھا رہا تھا مگر زبان سے ایک لفظ نہ نکلتا تھا۔ سیّدہ کی بیٹی کی تقریر روانی کا ایک چشمہ تھا کہ اُبلا چلا آ رہا اور فصاحت کا ایک دریا تھا جو بہے چلا جا رہا تھا اور کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اس تقریر سے بی بی زینبؑ نے صداقت اور حق گوئی کا حق ادا کر کے اسلام کی ایک ناقابلِ فراموش خدمت انجام دی۔ اس تقریر سے شامیوں کو معلوم ہو گیا کہ خلافت حکومت میں تبدیل ہو کر اسلام کو کیسا زبردست دھچکا لگا ہے۔"

علامہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء تحریر فرماتے ہیں:۔

" حضرت زینبؑ کی شجاعت و جرأت ایک مرتبہ دو مرتبہ سے مخصوص نہیں بلکہ اُس کا ظہور ہر اُس موقع پر ہوتا رہا جب مشکلات کا ہجوم اور مصائب کا اژدہام تھا جب کہ تماشائیوں سے بازار، کوٹھے اور برآمدے مملو تھے۔ کوفہ میں داخلہ کے وقت، کوفہ سے نکلنے کے

موقع پر، راہ میں، بازارِ شام میں، ہر مناسب موقع پر زینبؑ کی زبان فریضۂ تبلیغ میں گویا تھی۔ انہوں نے حق کو واضح کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اُنہوں نے ہر موقع پر ایسی تقریر کی جو کسی ایسے خطیب سے بھی ناممکن ہے جس کے لیے تمام خاطر جمعی اور راحت و اطمینان کے اسباب موجود ہوں۔" (ماخوذ از شہیدِ انسانیت)

شرح

اصل خطبہ اور اس کا ترجمہ درج کرنے کے بعد ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ چند مشکل الفاظ اور اشارات کی مختصر شرح بھی کر دیں۔

كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآؤُا السُّوْٓآٰى۔ الخ۔ جناب زینبؑ نے بعد حمد و صلوٰۃ اس آیتِ قرآنی سے خطبہ شروع فرمایا۔ یہ آیت سورہ روم میں کفارِ عجم اور حکایتِ عاد و ثمود کے ضمن میں وارد ہوئی کہ کس طرح عجم مغلوب ہوئے اور عاد و ثمود اپنے افعالِ شنیعہ اور کردارِ قبیحہ کی وجہ سے بلیات میں مبتلا اور ہلاک ہوئے۔ جناب زینبؑ کا اس آیت سے خطبہ ابتدا کرنے کا مقصد یہی تھا کہ ظاہر فرمائیں کہ جیسا کہ عاد و ثمود ہلاک و تباہ ہوئے اسی طرح یزید اور اس کے ساتھی بھی ہلاک ہوں گے اور اُن کا انجام بھی وہی ہو گا جو عاد و ثمود اور کفارِ عجم کا ہوا۔ اس کے علاوہ یہ بتا دینا مقصود تھا کہ جو لوگ خدا کی آیات کا تمسخر اور استہزاء کرتے ہیں وہ مثل کفار اور مشرکین کے ہیں

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا .... الخ الآیتہ: اس آیت کے معنی ترجمہ میں دیدیئے گئے ہیں۔ جناب زینبؑ نے یزید کی فتح وغیرہ کا حال بیان فرماتے

کے بعد اس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ٹھہر جا ٹھہر جا کیا تو خدا کا یہ ارشاد بھول گیا اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ یہ آیت، یہود و نصاریٰ، مشرکین اور منافقین کے متعلق ہے۔ خدائے تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے یہود و نصاریٰ، مشرکین و منافقین کو جو مہلت دنیا میں دی یعنی ان کی عمریں دراز کیں اور ان کے لیے اسبابِ دنیا فراہم کیے وہ اس لیے نہیں ہے کہ ان کے لیے بہتری و بہبودی ہو بلکہ اس لیے کہ ان کے گناہوں میں اضافہ ہو اور جتنا چاہیں وہ ظلم و جور کر لیں تاکہ عذابِ سخت کے مستوجب ہو جائیں۔ پس جناب زینبؑ نے یزید اور اس کے ساتھیوں کو بتا دیا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ خدا نے جو تم کو مہلت دی ہے وہ اس لیے ہے کہ خدا نے تم میں خیر و نیکی پائی بلکہ اس لیے کہ تم کو پورا موقع دے کہ تم خوب معاصی میں مبتلا ہو اور پھر تمہاری گرفت کرے۔

یاابن الطلقاء۔ طلقاء جمع ہے طلیق کی، طلیق اس کو کہتے ہیں جو قید ہو کر پھر آزاد کر دیا گیا ہو۔ اسلام میں طلقاء وہ لوگ کہے جاتے ہیں جو فتح مکہ کے بعد بطور قیدی آنحضرتؐ کے پاس پیش کیے گئے اور آپ نے اُنہیں آزاد فرما دیا۔ مجمع البحرین میں ہے کہ فتح مکہ کے روز جب سب قریش ایک جگہ جمع کیے گئے تو آنحضرتؐ نے اُن کو مخاطب کر کے فرمایا ماترون انی فاعل بکم یعنی اے قریش تمہارے ساتھ میں کیا سلوک کروں گا اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ قریش نے جواب دیا کہ ہمارا گمان ہے کہ آپ ہم سے اچھا سلوک کریں گے اور ہم آپ سے سوائے خیر و خوبی کے اور کچھ نہ دیکھیں گے اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا اذھبوا فانتم طلقاء یعنی جاؤ تم سب آزاد کر دیے گئے۔ تواریخ میں ہے کہ ابوسفیان اور ان کے فرزند معاویہ سرداران مشرکین و کفار بھی اس جماعت میں شریک تھے اور خائف و ترساں تھے کہ دیکھیں رسول اللہؐ ان کے لیے کیا سزا تجویز فرماتے ہیں لیکن جب رسول اللہؐ نے

آزادی کا اعلان فرما دیا تو خوشی سے بغلیں بجاتے ہوئے گھر واپس ہوئے۔ جناب زینبؑ نے خطبہ میں یزید کو یاابن الطلقاء فرما کر اسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ ابوسفیان یزید کا دادا اور معاویہ اس کا باپ یہ دونوں طلقاء سے تھے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے الطلیق لا یورث یعنی آزاد کردہ وارث نہیں ہو سکتا۔ پس یزید اور اس کے باپ دادا کی کیا منزلت تھی ظاہر ہے اور یہ کیوں کر وارثِ خلافتِ رسولؐ ہو سکتے تھے۔

مَنْهَلُ: بفتح میم و سکون نون و فتح ھاء: معنی میں مشرب یعنی پانی پینے کی جگہ کے ہے۔ صحرا و بیابان میں ہر جگہ پانی میسّر نہیں ہوتا بلکہ خاص خاص جگہ ملتا ہے اور وہاں قافلے اور مسافر وارد ہوتے اور سیراب ہوتے ہیں۔

مِنْقَلُ۔ بروزن مقعد ہے اُس راستہ کو کہتے ہیں جو پہاڑوں میں سے گذرتا ہے۔

إحنہ۔ بکسر ہمزہ ہے اس کے معنی بغض و کینہ ہیں۔ حدیث میں آیا ہے وفی قلوبکم البغضاء والاحن۔

شَلّ۔ بفتح شین و تشدید لام۔ راندن کے معنی رکھتا ہے اور شَلَلُ ہاتھ خشک ہو جانے کو کہتے ہیں۔ مقامِ نفرین میں کہا جاتا ہے۔ اَشَلَّهَا اللّٰہ۔

فریت جلدک وما جززت الا لحمک یعنی تو نے اپنی ہی جلد کو شگافتہ کیا اور اپنے ہی گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کیے۔ ہمارا خیال ہے کہ جناب زینبؑ نے اس قول میں اُس قرابت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو امام حسینؑ اور یزید کے درمیان تھی۔ عبد مناف کے کئی لڑکے تھے جن میں سے ہاشم اور اُمیہ بھی تھے۔ ہاشم کی اولاد میں آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ ہیں۔ اُمیہ کی اولاد

ابوسفیان، معاویہ اور یزید ہیں۔ اس طرح یزید امام حسینؑ کا چچیرا بھائی ہوتا ہے پس جبکہ یزید نے باوجود اس قرابت کے امام حسینؑ کو شہید کیا تو گویا اپنی ہی جلد چاک کی اور اپنے ہی گوشت کے ٹکڑے کیے۔ بعض مسلمان علماء جو خارجی اور ناصبی تھے اس سے فائدہ اُٹھا کر کہہ گئے ہیں کہ امام حسینؑ اور یزید دو شہزادے تھے اور عزیز تھے جو آپس میں لڑے ایک کو فتح ہوئی دوسرے کو شکست پس اس میں حسینؑ کے لیے تاسف یا گریہ و بکا کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ یزید کو ملامت کرنا درست ہے۔ یہ علماء یقیناً حضرت نوحؑ اور اُن کے بیٹے کا واقعہ بھول گئے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے کہ حضرت نوحؑ کا بیٹا جب اُن سے منحرف ہوا اور ہلاک ہوگیا تو مردود و ملعون ہوگیا۔ اسی طرح یزید اور اس کے اسلاف جب پیغمبرؐ وقت سے پلٹ گئے اور آپؐ سے برسرِ پیکار ہوئے تو باوجود اس قرابت کے جو اُن کو آنحضرتؐ سے تھی مردود و ملعون ہو گئے اور کوئی ذی عقل اور صاحبِ ایمان اُن کو محض آنحضرتؐ کی قرابت کی وجہ سے اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتا اور نہ یہ فعل جائز و درست ہو سکتا ہے۔ اسی طرح آنحضرتؐ اور ابوجہل کی مثال ہے۔ ابوجہل آنحضرتؐ کا چچا تھا جس نے رسول اللہ سے مخالفت کی تھی۔ ان علماء کے نظریہ کے بموجب تو مسلمانوں کو ابوجہل کو بھی بُرا نہ سمجھنا اور بُرا بھلا نہ کہنا چاہیے۔

فُرعُل: بجو گفتار کو کہتے ہیں اور اس کی جمع فراعل ہے۔ کہتے ہیں کہ جب فرعل کشتگان کے لاشوں پر آتا ہے تو خوش ہو کر ایسا منہ کھولتا ہے کہ گویا ہنس رہا ہے۔

اصدر۔ کنپٹی کی دو شریانوں کو کہتے ہیں۔ یہاں مطلب اُس حصہ سے ہے جو آنکھوں اور کانوں کے درمیان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جاء یضرب اصدریہ یعنی سر پیٹتا آیا۔ ابن اثیر اپنی کتاب "نہایہ" میں لکھتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے: یضرب اصدریہ۔

باب ۱۵

حالاتِ سفرِ اہلِ بیتؑ از دمشق تا مدینہ منورہ

* * * * * *

روایات میں ہے کہ نعمان ابن بشیر اثنائے سفر میں اہلِ بیتؑ کی تعظیم و تکریم کا بیحد لحاظ رکھتے تھے حتیٰ کہ جہاں قافلہ اُترتا تو اپنا خیمہ اور سپاہیوں کے خیام اہلِ بیتؑ کے خیموں سے ایک میل کے فاصلہ پر نصب کراتے تھے تاکہ یہ بزرگوار آزادی سے رہ سکیں۔ اور کسی نامحرم کی نظر اُن پر نہ پڑے۔ اہلِ بیتؑ جس منزل پر اُترتے تھے وہاں مجلسِ عزا برپا کرتے اور وہاں کے لوگ شریک ہوتے تھے۔

ابن طاؤس نے روایت لکھی ہے کہ جب اہلِ بیتؑ سرزمینِ عراق میں داخل ہوئے تو جناب زینبؑ نے نعمان بن بشیر سے کہا کہ کربلا لے چلے۔ نعمان نے سمعاً و طاعةً کہا اور قافلہ کو کربلا پہنچا دیا۔ جب اہلِ بیتؑ حائر شریف میں داخل ہوئے تو حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ اور ایک جماعت بنی ہاشم سادات آلِ رسولؐ کو حضرت سید الشہداءؑ کی مرقد منورہ پر پایا جو سب زیارت کے لیے آئے تھے۔ اہلِ بیتؑ نے یہاں قیام فرمایا اور سب نے مل کر مجلسِ عزا برپا کی خوب نالہ و ماتم کیا اور پھر جانبِ یثرب روانہ ہوئے۔ کتاب لہوف، عوام اور منتخب شیخ طریحؒ میں بھی یہ روایت اور تقریباً یہی واقعات بتائے گئے ہیں۔

اعثم کوفی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ اہلِ بیتؑ مع سرہائے شہداء مدینہ جاتے ہوئے بیسویں صفر کو کربلا وارد ہوئے۔ جناب امام زین العابدینؑ نے کربلائے

شہدار کو ابدانِ طاہرہ سے ملحق فرمایا اور بعد ادائی مراسمِ عزاداری راہیٔ مدینہ ہوئے۔

امام زین العابدینؑ کا سرہائے شہدار کا ساتھ لانا اور کربلا میں بدنوں کے ساتھ ملحق کرنا، خصوصاً سرِ اقدس سید الشہدار کی تدفین بحث طلب ہے اس پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ آئندہ روشنی ڈالیں گے۔

سبط ابن جوزی نے اور شیخ مفید علیہ الرحمہ نے امالی میں یہ روایت لکھی ہے کہ روزِ اربعین یعنی بیس صفر کو یہ واقعات پیش آئے۔ اگرچہ انہوں نے سال کا تعین نہیں کیا لیکن ظاہر ہے کہ واقعہ دوسرے سال اربعین کا ہے۔ ان دونوں کی روایات میں جابرؓ بن عبداللہ انصاری کی ملاقات کا ذکر نہیں ہے۔

مقتل ابی مخنف میں روایت ہے کہ اہلِ بیتؑ کربلا آئے حضرت جابر سے ملاقات ہوئی اور اہلِ بیتؑ نے چند روز قیام کیا اور مراسمِ عزاداری بجالائے۔ اس میں انہوں نے نہیں بتایا کہ کب اہلِ بیتؑ کربلا پہنچے اور سرہائے شہدار کی تدفین کا بھی ذکر نہیں ہے۔

کتاب الفصول المہمہ میں اہل بیتؑ کے مدینہ جاتے ہوئے کربلا آنے اور قیام کرنے کا ذکر ہی نہیں ہے۔

ابو مخنف نے اپنے مقتل میں محمد ابن حسن حر عاملی نے وسائل الشیعہ میں صاحب روضۃ الاذکار و سید بن طاؤسؒ نے اہل بیتؑ کا اربعینِ اول کو کربلا آنا اور حضرت جابر سے ملاقات کرنا لکھا ہے۔

ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ زاد المعاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ روزِ اربعین امام حسینؑ کی زیارت پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے اس لیے کہ اس روز اہلبیتؑ کربلا تشریف لائے اور امام زین العابدینؑ نے سرہائے شہداء کو بدنوں سے

ملحق اور دفن فرمایا۔

فی زماننا شیعوں میں یہی خیال عام طور پر رائج ہے کہ اربعین کو اہلبیتؑ اطہار وارِدِ کربلا ہوئے اور سرہائے شہدار کو دفن فرمایا۔

مختلف روایات درج کر دینے کے بعد ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ حسب ذیل امور پر تنقیدی نظر ڈالیں۔

(۱) امرِ اول یہ کہ بعد شہادت امام حسینؑ اہلِ بیتؑ اطہار کربلا آئے یا نہیں؟ اگر آئے تو کتنے دفعہ اور کب؟

(۲) امرِ دوم یہ کہ حضرت جابر سے ملاقات ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کب ہوئی؟

(۳) امرِ سوم یہ کہ امام زین العابدینؑ سرِ اقدس حضرت امام حسینؑ اور سرہائے شہداء ہمراہ لائے اور دفن فرمایا یا نہیں اور اگر دفن فرمایا تو کب دفن فرمایا۔؟

امرِ اول کے متعلق یہ ہے کہ کتبِ مقاتل و اخبار سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلبیتؑ دو دفعہ کربلا آئے، یہاں قیام فرمایا اور مراسمِ عزاداری بجالائے۔ پہلی دفعہ کوفہ سے دمشق جاتے ہوئے کربلا پہنچے اور اربعین کربلا میں کیا۔ چنانچہ ہم نے اوپر ان روایات کو درج کیا ہے جن سے ظاہر و ثابت ہوا کہ سترہ یا اٹھارہ صفر کو اہلِ بیتؑ وارِدِ کربلا ہوئے اور بیس صفر تک قیام کیا۔ دوسری دفعہ یعنی شام سے مدینہ جاتے ہوئے اہل بیتؑ کا کربلا آنا اکثر روایات سے ظاہر ہوتا ہے لیکن اکابر علماءِ شیعہ مثلاً شیخ مفید، علامہ مجلسی، علامہ حلی لکھتے ہیں کہ اہلِ بیتؑ دمشق سے براہ راست مدینہ چلے گئے۔ کربلا گئے اور نہ وہاں قیام کیا۔ مولانا سید اولاد حیدر صاحب فوقؔ "صحیفۃ العابدین" میں لکھتے ہیں کہ باتفاق فریقین ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ بیتؑ بروزِ اربعین داخلِ کربلا ہوئے مگر اختلاف یہ ہے کہ بعض بزرگوار شام سے مدینہ جاتے ہوئے کربلا روزِ اربعین پہنچنا بتاتے

ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کوفہ سے شام جاتے ہوئے کربلا میں قیام کیا۔

متضاد اور مختلف روایات کی موجودگی میں تصفیہ کرنا بہت مشکل ہے کہ صحیح تاریخی واقعہ کیا ہے۔ قیاس و قرینہ سے کہا جاسکتا ہے کہ پہلی دفعہ یعنی کوفہ سے شام جاتے ہوئے اہلِ بیتؑ کا کربلا آنا اور دو تین روز قیام کر کے مراسمِ عزاداری کا بجالانا مشکل معلوم ہوتا ہے اِس لیے کہ اُس وقت اہلبیتؑ کو بطور قیدی اشقیا دِشام لے جارہے تھے اور اُن ملاعین کو بیحد عجلت تھی چاہتے تھے کہ اہلِ بیتؑ کو جلد تر دمشق پہنچا دیں، تو ایسی صورت میں کیونکر ممکن تھا کہ اُن بزرگواروں کو کربلا جانے، وہاں قیام کرنے اور مراسمِ عزاداری بجالانے کی اجازت دیتے۔ کوفہ سے دمشق تک جو منازل بتائے گئے ہیں تو بعض روایات میں تو قادسیہ منزل بتائی گئی ہے اور بعض میں اس کا ذکر بھی نہیں ہے۔ روایات میں ہے کہ جب یزید نے اہلِ بیتؑ کو قید سے رہائی اور مدینہ جانے کی اجازت دی تو جناب زینبؑ نے اس شقی کو کہلا بھیجا کہ ایک مکان خالی کرادے تاکہ قبلِ روانگی مجلسِ عزا برپا کی جائے اس لیے کہ شہادتِ حسینؑ کے بعد سے مراسمِ عزاداری بجالانے کا موقع نہیں دیا گیا۔ جناب زینبؑ کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوفہ سے شام آتے وقت اہلِ بیتؑ کو کربلا جانے، وہاں قیام کرنے اور مراسمِ عزاداری بجالانے کا موقع نہیں ملا ورنہ آپ یہ نہ فرماتیں کہ "اب تک ہم کو عزاداری کا موقع نہیں دیا گیا۔" اور صاحبِ طراز المذہب کا خیال ہے کہ اہلِ بیتؑ طاہرین کوفہ سے شام جاتے وقت کربلا نہیں آئے اور نہ حضرت جابر سے ملاقات ہوئی تحریر فرماتے ہیں: "اما بیان اوّل کہ اہلِ بیتؑ در اربعینِ اوّل بزیارت مرقدِ منورہ آمدہ باشند و با جابر ملاقات نمودہ باشند بدلائلِ حسیہ و عقلیہ و نقلیہ خیلے بعید است کہ محلِ اعتنا نشاید شمرد۔" صاحبِ طراز المذہبؒ کی رائے سے ہم

کو بھی اتفاق ہے۔

شام سے مدینہ جاتے ہوئے اہلِ بیتؑ طاہرین کا کربلا آنا، قیام فرمانا اور مراسمِ عزاداری بجالانا بالکل قرینِ عقل و قیاس ہے اس لیے کہ اس دفعہ سب آزاد تھے دلیل سفر نعمان ابن بشیر ہمدرد، دوستانِ آلِ محمدؐ سے تھے اس لیے جناب زینبؑ کے احکام کی تعمیل یقیناً کی ہوگی۔ اور کربلا لائے ہوں گے۔

امرِ دوم یہ ہے کہ اہلِ بیتؑ کی ملاقات حضرت جابر سے ہوئی یا نہیں۔ ہوئی تو کب ہوئی؟ روایات سے یہ تو بالکلیہ ثابت ہے کہ حضرت جابر ایک گروہ کے ساتھ امام حسینؑ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اب رہا یہ کہ اربعینِ اوّل کو آئے یا دوسرے سال روزِ اربعین آئے، تو اس کے متعلق بھی روایات میں اختلاف ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ حضرت جابر دوسرے سال آئے ہوں گے۔ اور اسی زمانہ میں اہلِ بیتؑ بھی شام سے مدینہ جاتے ہوئے کربلا پہنچے اور حضرت جابر سے ملاقات ہوئی۔ امام حسینؑ کی شہادت دسویں محرم کو واقع ہوئی اور ایک عرصہ تک شہروں اور قریوں کے باشندوں کو اس واقعہ کی اطلاع نہیں ہوئی بلکہ بتدریج لوگ اس سے واقف ہوتے گئے ایسی صورت میں اس کا امکان کم تھا کہ حضرت جابر اس خبر وحشت سے فوراً مطلع ہوتے اور اربعین اوّل کو کربلا پہنچے۔ یہ ہمارا محض خیال ہے لیکن ایقان کے ساتھ اس خبر کی تردید نہیں کی جاسکتی اس لیے کہ حضرت جابر اکابر صحابہ رسول اللہ سے تھے اور آلِ رسولؐ کے بڑے عاشق شیدائی تھے۔ جب انہیں امام حسینؑ کی مدینہ سے جانبِ عراق روانگی کی اطلاع ہوئی ہو گی تو ضرور آپ کے حالات اور واقعات سے باخبر رہے ہوں گے (بلکہ کیا عجب آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی کوشش بھی کی ہوگی اور کسی مجبوری کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے) جیسے ہی امام علیہ السلام کی شہادت کی خبر پائی اُٹھ کھڑے

ہوئے اور کربلا پہنچ گئے ہوں گے۔ پھر سالِ دوم بھی زیارت کے لیے آئے ہوں گے اور اہلِ بیتؑ سے ملاقات ہوئی ہوگی۔

طراز المذہب میں کتاب مخزن البکا، کتاب تظلم الزہراؑ سے ایک روایت درج کی گئی ہے جو دراصل اعمش کی کتاب بشارۃ المصطفےٰ سے اخذ کی گئی ہے کہ عطیہ عوفی راوی ہیں کہ جب حضرت جابر یوم اربعین زیارت حضرت سید الشہداء کے لیے کربلا آئے تو میں بھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوئی اور دیکھا کہ وہ غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر زیارت مرقد منورہ سے مشرف ہوئے اور اس کے بعد مجھ سے کہا کہ مجھے کوفے چلو۔ اس روایت میں اہلِ بیتؑ کے کربلا آنے اور حضرت جابر سے ملاقات ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ صاحب طراز المذہب یہ روایت لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس سے ظاہر ہے کہ اربعینِ اوّل کے زمانہ میں جب حضرت جابر کربلا آئے تو اہلِ بیتؑ سے ملاقات نہیں ہوئی بلکہ بعد زیارت حضرت جابر نے کوفہ میں قیام کیا اور وہاں سے کبھی کبھی زیارت کے لیے آتے تھے۔ سالِ دوم اربعین میں بھی زیارت کو آئے اور اس دفعہ اہلِ بیتؑ سے ملاقات ہوئی۔

تیسرا امر یہ ہے کہ آیا امام زین العابدینؑ نے سرہائے شہداء ہمراہ لاکر دفن فرمائے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں بھی روایات مختلف ہیں ہم ایک علیحدہ باب میں تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے۔

باب ۱۶

حالات جنابِ زینبؑ بزمانہ قیام کربلا

کتاب نور الابصار میں روایت ہے کہ دمشق سے مدینہ جاتے ہوئے بیس صفر کو اہلِ بیتؑ کربلا پہنچے۔ جب قتل گاہ میں آئے تو دیکھا کہ حضرت جابر ابن عبداللہ انصاری مع ایک گروہ بنی ہاشم موجود ہیں۔ سب نے مل کر خوب عزاداری کی اطراف واکناف کے قریوں کی عورتیں بھی شریکِ عزا ہوئیں۔

فاضل خراسانی اپنی تالیف "حرقۃ الفواد" میں تحریر فرماتے ہیں کہ جناب زینبؑ جب قتل گاہ میں پہنچیں تو خود کو قبر منور حضرت سید الشہداء پر گرا دیا اور عرض کی۔ یا اخاہ یا اجاہ و یا ابن اماہ وقرت عیناہ بایِّ لسان اشکو الیک من الکوفۃ والشام وایذاء القوم اللئام ومن ایِّ المصائب اشرح من الضرب والشتم او من شماتۃ اہل الشام۔

ترجمہ: اے میرے بھائی اے میرے بھائی، اے میرے ماں جائے اے ماں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کس زبان سے آپ سے وہ مصائب بیان کروں جو ہم پر کوفہ و شام میں گذرے اور اس قوم لئیم نے کس طرح ہم کو ایذائیں پہنچائیں۔ کن کن مصائب کا ذکر کروں؟ کیا زد و کوب کا حال کہوں؟ کیا سب وشتم اور اس شماتت کا جو اہلِ کوفہ و شام نے کیا بیان کروں؟ اس کے بعد چند اشعار پڑھے۔

کتاب ریاض الشہادت میں روایت ہے کہ جناب زینبؑ نے کربلا سے روانگی کے وقت مرقدِ منور سے لپٹ کر فرمایا "اے بھائی کوفہ سے شام جاتے ہوئے اور

زندانِ شام میں میں نے آپ کے یتیموں کی نگرانی اور پاسبانی کی اور ایسی حفاظت کی کہ جو تازیانے اُن کے لیے بلند ہوتے تھے وہ میں اپنے جسم پر لے لیتی تھی اور کبھی بہن اُم کلثوم بچّوں کو بچانے کے لیے خود کوڑوں کی مار برداشت کر لیتی تھیں۔"

روایات میں ہے کہ زمانۂ قیام کربلا میں جناب زینبؑ بحد مغموم و محزون و گریہ کناں رہیں اور جب آپ کو وہاں سے روانہ ہونے کے لیے کہا گیا تو انکار فرمایا۔ جناب امام زین العابدینؑ سے فرمایا۔ یا علیؑ یا قرّۃ عینی دعنی اقیم عند اخی حتیّٰ جاء یوم وعدی لانی کیف یلقیٰ اھل المدینۃ واری الدور الخالیۃ۔ (اے علیؑ ابن الحسینؑ اے قرۃ العین مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے بھائی کے پاس رہوں یہانتک کہ میری موت آجائے میں کیونکر اہلِ مدینہ سے ملاقات کرسکوں گی اور خالی گھروں کو دیکھ سکوں گی!)

جناب امام زین العابدینؑ نے عرض کی کہ پھوپی اماں آپ کا ارشاد بجا ہے کہ سب عزیز و اقربا کو کھو کر ہم کیونکر مدینہ جائیں اور خالی گھروں میں رہیں لیکن خدا کی رضا اسی میں تھی اور نانا رسول اللہ کا حکم بھی یہی تھا جو بابا حسینؑ بجا لائے۔ بہرحال امامؑ کے سمجھانے، منّت و سماجت کرنے پر جناب زینبؑ کربلا سے جانب مدینہ روانہ ہوئیں۔

لکھا ہے کہ جب اہلِ بیتؑ نے کربلا میں قیام فرمایا اور صبح و شام شدّت سے نالہ، گریہ و بکا کرتے رہے تو بالآخر نعمان ابن بشیر امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، اے سیّد و سردار میرے میں آپ پر فدا ہو جاؤں اگر بیبیوں اور بچّوں کی گریہ و زاری کا یہی حال رہا تو مجھے اندیشہ ہے کہ یہ ہلاک ہو جائیں گے۔ لہٰذا اب روانگیٔ قافلہ کی اجازت ہو۔ امامؑ نے اجازت دی۔ نعمان نے محملیں تیار کرائیں اور کوچ کا اعلان کیا۔

روانگی سے قبل اہلِ بیتؑ میں کہرام برپا ہوا۔ ہر ایک بی بی نے نظم و نثر میں بَین کیا اور خوب رو پیٹ کر روانہ ہوئے۔ جب اہلِ بیتؑ مدینہ سے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے تو سیّد و سردار امام حسینؑ اور اٹھارہ بنی ہاشم ساتھ تھے اب جبکہ امامؑ و آقا اٹھارہ عزیزوں کو کھو کر لوٹ و غارت گری اسیری و بے پردگی، دربدری کے مصائب برداشت کر کے ان بزرگواروں نے مدینہ کا رُخ کیا ہو گا تو ان کے قلوب کا کیا حال ہوا ہو گا اور ان پر کیا گذری ہو گی اس کا اندازہ کرنے کے لیے تصوّر شرط ہے۔ الفاظ میں اس حالت و کیفیت کی تصویر کسی بالکل ناممکن ہے۔

باب ۱۷

حالاتِ سفر از کربلا تا بمدینہ منورہ

بحر المصائب میں روایت ہے کہ کربلا سے روانہ ہونے کے بعد اہلِ بیتؑ جب پہلی منزل پر پہنچے تو ہاتف کی آواز سُنی کہ حضرت سیّد الشہداءؑ کے مرثیہ کے طور پر اشعار پڑھ رہا ہے۔ اہلِ بیتؑ نے یہاں قیام فرمایا۔ اطراف واکناف کے اعراب بادیہ کی کثیر تعداد جمع ہو گئی اور ماتم سرائی و عزاداریٔ حسینؑ برپا ہوئی۔ منزل دوم پر بھی زن و مرد جمع ہوئے اور مجلسِ عزا برپا ہوئی۔ منزل پنجم پر بھی لوگ جمع ہوئے، مجلسِ عزا منعقد ہوئی اور جناب زینبؑ نے مصائب روزِ عاشورا و نوائب جناب خامسِ آل عبا نظم میں بیان فرمائے۔ بحار الانوار میں یہ ابیات ہیں۔

روایت ہے کہ جب منزلِ نہم میں اہلِ بیتؑ کا قیام ہوا تو جناب زینبؑ نے جناب فاطمۃ الزہراؑ کو مخاطب کر کے کہا۔ "یا اُمّاہ رجعنا وقلوبنا مقروحۃٌ وجفوننا من البکا مجروحۃٌ ورجالنا مقتولۃ و اموالنا منھوبۃ (اے اماں ہم مدینہ واپس آ رہے ہیں لیکن ایسی حالت سے کہ ہمارے قلوب مجروح ہیں۔ روتے روتے ہمارے سینہ و شکم متفرر ہو گئے ہیں۔ ہمارے مرد قتل کر دیے گئے، ہمارا مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔)

کتب اخبار میں لکھا ہے کہ منزل بہ منزل طے کرتے ہوئے اہلِ بیتؑ مدینہ پہنچے۔ ہر منزل پر زن و مرد جوق جوق حاضر ہوتے تھے اور مجلسِ عزا برپا ہوتی

تھی اور مراسمِ عزاداری بجالاتے تھے۔

مفتاح البکاء میں روایت ہے کہ جب مدینہ قریب آیا تو نعمان بن بشیر امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی اے سیّد و سردار آپ کے جد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ کا شہر دکھائی دے رہا ہے یہ سُن کر امامؑ نے ایک آہِ سرد بھری اور رونے لگے۔

مجمع المصائب، مہیج الاحزان، محرقۃ القلوب، روضۃ المصائب، تحفۃ الذاکرین، جلاء العیون اور مخزن البکا مقتل میلانی ان سب کتابوں میں روایت ہے کہ جب اہل بیتؑ نے سوادِ مدینہ دیکھا تو امام زین العابدینؑ نے ایک ایسی آہِ سرد بھری کہ معلوم ہوتا تھا گویا آپ کی روح پرواز کرنے والی ہے۔ جناب زینبؑ نے بیبیوں کو پکار کر کہا۔ اے بیبیو! اے بہنو! عماریوں سے اُتر جاؤ، پیدل ہو جاؤ کہ مدینہ آ گیا۔ نانا رسولؐ اللہ کا روضۂ منوّر نظر آ رہا ہے سب بیبیاں اُتر پڑیں، سیاہ جھنڈے بلند کیے گئے اور سب کی نالہ و فریاد سے خروشِ محشر نمایاں ہوا۔

باب ۱۸

ورود اہلِ بیتؑ اطہار در مدینہ و حالاتِ مدینہ

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ بیتؑ سیدھے مدینہ میں داخل نہیں ہوئے بلکہ شہر سے کچھ فاصلہ پر اُتر گئے چندے قیام فرمایا پھر شہر میں داخل ہوئے۔

لہوف میں لکھا ہے کہ جب قافلہ مدینہ کے قریب پہنچا تو جناب امام زین العابدین علیہ السّلام اُتر پڑے، خیمے نصب کرائے اور سب بیبیوں کو اتار کر خیموں میں پہنچایا۔

ابنِ اثیر نے تاریخ کامل میں اور شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے روایت لکھی ہے کہ جب اہلِ بیتِ اطہار مدینہ کے قریب پہنچے تو شہر کے قریب ایک مکان میں اُترے اور اس کے اطراف خیمے نصب کیے گئے۔ جناب فاطمہؑ بنت امیر المومنین علی علیہ السّلام نے جناب زینبؑ سے عرض کی کہ نعمان بن بشیر نے ہم کو نہایت تعظیم وتکریم، آرام و راحت کے ساتھ مدینہ پہنچایا ہے پس چاہیے کہ ہم سے جو کچھ بھی ممکن ہو انہیں بطور صلہ دیں۔ جناب زینبؑ نے فرمایا "خدا کی قسم کہ ہمارے پاس اس وقت کوئی چیز ایسی نہیں جو ہم بطور صلہ نعمان کو دیں مگر ہاں میں اپنا حُلّہ اور چند چیزیں دیتی ہوں۔ یہ فرما کر آپ نے ایک حلّہ، دست بند مرسلہ اور قلادہ نعمان ابن بشیر کے پاس بھیجا اور معذرت کی کہ اس سے زیادہ کچھ نہ دے سکیں گے۔ نعمان ابن بشیر نے یہ سب چیزیں واپس کیں اور کہلا بھیجا کہ میں نے مالِ دنیا کی طمع سے یہ خدمت انجام نہیں دی ہے بلکہ خدا گواہ ہے کہ صرف خوشنودیٔ خدا اور رسولؐ کے لیے۔

بحر المصائب اور بعض کتبِ مقاتل میں لکھا ہے کہ جب اہلِ بیتؑ طاہرین مدینہ سے قریب اترے اور خیمے نصب کیے گئے تو درمیان میں جناب امام حسین علیہ السّلام کا خیمہ نصب کیا گیا جو شہادت کے بعد سے اب تک نصیب نہیں ہوا تھا اور اس میں حضرت سید الشہداء علیہ السّلام کی مسند بچھائی گئی۔ جب جناب زینبؑ نے خیمہ اور مسند دیکھی تو آپ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ بیہوش ہو گئیں اور جب آپ کو ہوش آیا تو فرمایا۔ یا اخی یا حسین ھؤلاء جدك وامك واخوك الحسن وھؤلاء اقرباوك وموالیك ینظرون قدومك ومسئلون عنی فما جوابی. فكیف اتكلم وما لسانی یا نور عینی قد قضیت نحبك واورثتنی حزنا طویلا مطولا یا لیتنی مت وكنت نسیاً منسیاً.

ترجمہ: اے بھائی۔ اے حسینؑ یہ آپ کے نانا۔ آپ کی اماں آپ کے بھائی حسنؑ اور آپ کے اعزاء و اقرباء، دوست و موالی آپ کی تشریف آوری کے منتظر ہیں اور آپ کے متعلق مجھ سے پوچھتے ہیں۔ اے بھائی بتائیے میں انہیں کیا جواب دوں اور کس زبان سے۔ آپ تو قضا کر گئے اور مجھے حزن و غم طویل کا وارث کر گئے۔ اے کاش میں پہلے مرگئی ہوتی اور مجھے بھلا دیا گیا ہوتا۔

پھر مدینہ کی طرف رُخ کر کے فرمایا۔ (یا مدینۃ جدی فاین یومنا الذی قد خرجنا منك بالفرح والمسرۃ والجمع والجماعۃ ولكن رجعنا الیك بالاحزان والآلام من حوادث الزمان والانام فقدنا الرجال والبنات تفرق شملنا الشتات دخل الزمان علینا وفرق بیننا ان الزمان مفرق الاحباب)

ترجمہ: اے نانا کے مدینہ کہاں ہے وہ دن جب ہم خوش خوش

سے نکلے تھے اور ہماری جماعت کثیر تھی۔ آج ہم تیری طرف حوادثِ زمانہ کی وجہ سے
ہموم وغموم لیے واپس آئے ہیں۔ ہم نے اپنے مردوں اور لڑکیوں کو کھو دیا۔
ہماری جماعت پراگندہ ہوگئی۔ زمانہ نے ہم کو پریشان کر دیا اور زمانہ ہمیشہ
احباب کو پراگندہ کر دیتا ہے۔

اس کے بعد جناب زینبؑ نے روضۃ الرسولؐ کی طرف منہ کر کے کہا کہ
یا جداہ انا ناعیۃ الیک من بناتك وبنیك۔ "اے نانا
میں آپ کے بیٹوں اور بیٹیوں کی سُنانی لائی ہوں۔" پھر اہلِ مدینہ کی طرف
متوجہ ہوئیں اور فرمایا۔ یا اھل الیثرب والبطحاء: "اے اہلِ یثرب
وبطحاء" اتنا کہہ کر ایک ایسی آہِ جگرخراش کی کہ قریب تھا کہ آپ کا کلیجہ
پھٹ جائے پھر فرمایا: ابن الاحباء والاصدقاء این الرجالات
والھاشمیات ھلا یجیبون ولم یجیبون وھلا یساعدوننی
اولم یعلموا ما اصابنا وما اصبنا افلا ینظرون الی الرجال
المذبوحہ والدماء المسفوحہ والابدان المسلوبہ و
الاموال المنھوبہ والجیوب المشقوقات والصارخات
والخیام الخالیات المھزقات۔

ترجمہ: کہاں ہیں ہمارے دوست احباب۔ کہاں ہیں ہمارے
ہاشمی مرد اور عورتیں وہ کیوں نہیں آتے اور کیوں مجھے جواب نہیں دیتے اور
کیوں ہماری مدد نہیں کرتے۔ کیا ان کو ہمارے مصائب کا علم نہیں، کیا وہ
نہیں دیکھتے ہمارے ذبح کیے ہوئے مردوں کو، ہمارے بہتے ہوئے خونوں
کو، ہماری چھینی ہوئی چادروں کو، لٹے ہوئے مال واسباب کو، کیا وہ نہیں
دیکھتے کہ ہمارے دامن چاک ہیں۔ ہمارے بچے رو رہے ہیں، ہمارے خیمے

خالی اور پھٹے ہوئے ہیں۔) لکھا ہے کہ جناب زینبؑ کی بیقراری و اضطراب
کا اس وقت یہ عالم تھا کہ آپ کبھی اُٹھتی تھیں کبھی بیٹھ جاتیں اور کبھی زمین پر
گر پڑتی تھیں اور بیبیوں سے فرماتی تھیں کہ مجھے کسی طرف صحرا میں نکل جانے
دو، میرے لیے ممکن نہیں کہ شہر میں داخل ہوں بنی ہاشم اور اہل مدینہ کو
منہ دکھاؤں اور ان کے سوالات کا جواب دوں۔

یہاں ہم ایک نفسیاتی نکتہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔ تقریباً سب مورخین صاحبان
مقاتل واخبار اس پر متفق ہیں کہ جناب امام زین العابدین علیہ السّلام مدینہ کے
قریب پہنچنے کے بعد اہل بیتؑ اطہار کو راست شہر مدینہ اور گھروں کو نہیں
لے گئے، بلکہ چندے شہر کے باہر قیام فرمایا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے ایسا
کیوں کیا؟ یہ ایک نفسیاتی نظریہ ہے کہ اگر کسی انسان کو کوئی بڑی وحشتناک
یا دردناک خبر یا کوئی غیر معمولی خوش خبری یکدم سُنا دی جائے تو بعض اوقات
ہلاک ہو جاتا ہے اور اگر ہلاک نہ بھی ہو تو اُس کا دماغ اس قدر متاثر ہو جاتا ہے
کہ مجنون اور بدحواس ہو جاتا ہے۔ خبر چاہے خوشی کی ہو یا غم کی بتدریج سُنائی
جائے تو سُننے والے پر اتنا صدمہ اور اثر نہیں ہوتا۔ جناب امام زین العابدینؑ
جو حجت اللہ اور امامِ وقت تھے اور جو علمِ لدنی کے حامل تھے اس نفسیاتی راز
سے بخوبی واقف تھے۔ اگر یکدم اہل بیتؑ کو مدینہ لے جاتے اور بیت الشرف
میں داخل ہوتے تو خالی گھر کو دیکھ کر یقیناً اتنا صدمہ ہوتا کہ بیبیوں کے کلیجے پھٹ
جاتے دم نکل جاتے اس لیے امام علیہ السّلام نے ایسا انتظام فرمایا کہ اہل بیتؑ
مدینہ کے باہر کچھ قیام فرمائیں۔ مدینہ کو دور سے دیکھیں، بنی ہاشم اور اہلِ مدینہ
جمع ہوں پرسہ دیں اور اہل بیتؑ رو پیٹ کر کچھ دل کی آگ بجھا لیں پھر قدرے
تسکین وسکون ہو جائے اور شہر مدینہ میں داخل ہوں اور بیت الشرف

تشریف لے جائیں۔

کتبِ مقاتل میں مسطور ہے کہ جب حضرت سید الشہداءؑ کا لٹا ہوا قافلہ مدینہ کے قریب پہنچا اور اہلِ مدینہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو کوئی گھر میں نہ رہا سب مرد و زن سیاہ لباس پہنے سر و پا برہنہ منہ پر طمانچے مارتے بال نوچتے گرد و غبار میں اَٹے ہوئے قیام گاہِ اہلِ بیتؑ پر پہنچ گئے اور وہاں اس قدر آہ و بکا نالہ و فریاد کیا کہ قیامت کا منظر نظر آیا۔

صاحب ریاض المصائب تحریر فرماتے ہیں کہ پانچ وقت مدینہ میں شورشِ بزرگ اور آشوب عظیم واقع ہوا۔ ایک وہ وقت جب اُحد کے روز آنحضرتؐ کی شہادت کی غلط خبر پھیلی۔ دوسرا وہ وقت جب آنحضرتؐ کی وفات واقع ہوئی۔ تیسرے جب جناب امیر علیہ السّلام کی شہادت کی اطلاع آئی چوتھے جب جناب امام حسینؑ آخری دفعہ مدینہ سے جانبِ عراق روانہ ہوئے پانچواں وہ وقت جب اہلِ بیتؑ رہا ہو کر شام سے مدینہ آئے۔

بحر المصائب میں کتاب عمان البکاء اور میلانی سے روایت ہے کہ جب اہلِ بیتؑ مدینہ کے قریب ایک مکان میں اُترے اور لٹا ہوا اسباب رکھ دیا گیا اور سب بیٹھے ہوئے مشغول نالہ و بکا تھے تو یکایک اہلِ مدینہ، زنانِ مہاجر و انصار کا غلغلہ سُنا تو جناب زینبؑ نے فرمایا کہ ان کا استقبال کرنا چاہیے چنانچہ آپ اور سب بیبیوں نے ایسا ہی کیا۔ جب زنانِ مدینہ کی ان سیاہ پوش بیبیوں پر نظر پڑی اور مکان میں سوائے امام زین العابدینؑ کے اور کسی مرد کو نہ پایا تو انہوں نے ایک کہرام برپا کیا۔ اس کے بعد کچھ عورتیں جناب زینبؑ کے اطراف جمع ہوئیں کچھ جناب امِ کلثومؑ اور دوسری بیبیوں کے پاس چلی گئیں۔ یتیم بچوں کو گودوں میں لے کر تسلّی و دلاسہ دینے لگیں۔ جب عورتوں نے جناب

زینبؑ سے پرسشِ احوال کی تو آپ نے جو کچھ مصائب گذرے تھے یعنی حضرت سید الشہداء اور شہدائے کربلا کے شہادت کے حالات ان کے لاشہائے بے سر کا بلا غسل و کفن و دفن چھوڑ دیا جانا، خیام کا لٹنا اور جلنا، اہلِ بیتؑ کی اسیری، دربدری، جناب سکینہؑ کی قید خانۂ شام میں وفات وغیرہ کا حال اس قدر دردناک پیرائے میں بیان فرمایا کہ سامعین میں تہلکہ پڑ گیا۔ گریہ و بکا سے قریب تھا کہ ہلاک ہو جائیں۔

روایت ہے کہ جب زنانِ مدینہ اہلِ بیتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو جناب زینبؑ کو پہچان نہ سکیں اس لیے کہ کثرتِ مصائب و آلام جسمانی و روحانی سے آپ کی صورت و شکل میں تغیرِ عظیم واقع ہو گیا تھا۔

اُمِ لقمان حضرت عقیل ابن ابی طالبؑ کی ہمشیرہ نے اپنے بھائی اور بھتیجوں کی شہادت پر ندبہ فرمایا اور مرثیہ کہا جس کا ایک شعر یہ تھا۔

ایھا القاتلون ظلما حسینا ابشروا بالعذاب والتنکیل

(اے حسینؑ کو ظلم سے قتل کرنے والو! تمہیں خوش خبری ہو عذاب و تنکیل کی۔)

روایت ہے کہ جب امام زین العابدینؑ نے دیکھا کہ اہلِ بیتؑ کے گریہ و بکا میں شدّت ہوتی جا رہی ہے تو آپ نے جناب زینبؑ اور بیبیوں کو صبر و سکون کی تلقین فرمائی اور مدینہ چلنے کے لیے کہا۔ جناب زینبؑ نے فرمایا کہ اے علیؑ ابن الحسینؑ تم امام اور حجّتِ خدا ہو تمہارا حکم واجب التعمیل ہے لیکن تم ہی بتاؤ کہ بھائی حسینؑ کے بغیر میں کیونکر مدینہ میں داخل ہوں اور خالی گھر میں جاؤں تم مجھے اجازت دے دو کہ میں صحرا و بیابان میں نکل جاؤں اور وہیں اپنی عمر گذار دوں۔ القصّہ سب بیبیاں اُٹھیں اور مدینہ جانے کے لیے ایک جگہ جمع ہو گئیں۔ عزاداروں، سوگواروں کی ہیئت سے جانب مدینہ روانہ ہوئیں۔

جب جناب ام کلثومؑ کی شہر مدینہ پر نظر پڑی تو آپ نے شدت سے گریہ فرمایا اور چند اشعار پڑھے۔ جس کے پہلے شعر کا مطلب یہ تھا۔ "اے ہمارے نانا کے شہر ہم کو قبول نہ کر کیونکہ ہم غم و حسرت لیے ہوئے تیری طرف آئے ہیں"۔ بعض کتب میں یہ اشعار جناب زینبؑ کے بتائے گئے ہیں۔ لکھا ہے کہ جب آپ کی مدینہ پر نظر پڑی تو آپ نے روضۂ رسول اللہ کی طرف منہ کیا اور آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے فرمایا یا جدنا نشکوا الیک بنو اُمیہ (اے نانا ہم آپ سے بنی اُمیہ کی شکایت کرتے ہیں۔) اور پھر وہ اشعار پڑھے جس کے پہلے شعر کا مطلب ابھی اوپر لکھا گیا ہے۔

ابو مخنف نے روایت لکھی ہے کہ اہل بیتؑ روزِ جمعہ مدینہ میں داخل ہوئے۔ اس روز اہلِ مدینہ کے رونے پیٹنے کا وہی عالم تھا جو روزِ وفاتِ پیغمبرؐ تھا۔ جناب اِم کلثومؑ بروایتے جناب زینبؑ قبرِ رسول اللہ پر پہنچیں اور کہا یا جداہ انی ناعیۃ الیک ولدک الحسینؑ (اے نانا میں آپ کے پاس آپ کے فرزند حسینؑ مظلوم کی سُنانی لائی ہوں۔) مرقدِ منورؐ سے ایک ایسا نالہ بلند ہوا کہ لوگ روتے روتے بیہوش ہو گئے۔

مولانا رازق الخیری نے جناب زینبؑ کے ان دلی جذبات اور کیفیات کو جو رسول اللہؐ اور جناب فاطمۃؑ الزہرا کے روضوں پر پہنچنے کے وقت ہوں گے خوب ادا فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

"نمازِ ظہر کا وقت تھا جب بی بی زینبؑ کا قافلہ مدینہ میں داخل ہوا۔۔۔۔ سیدھی سرور کائنات کے مزار مبارک پر پہنچیں۔ اس وقت دل کی جو حالت ہوئی ہوگی الفاظ میں ادا کرنا مشکل ہے۔ بین، فریاد،

نالہ و شیون زبان سے کچھ نہ کہا لیکن آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی اور دل جو کچھ عرض کر رہا ہوگا اس کا مفہوم یہ ہو سکتا ہے۔

نانا جان! آپ کی نواسی، آپ کی جگر گوشہ آپ کی پیاری بیٹی فاطمہ زہراؑ کے آنکھوں کا نور اور آپ کے دل کا سرور، آپ کی زینبؑ وہ زینبؑ جو آپ کے مبارک کندھوں پر جب آپ سجدہ میں ہوتے سوار ہوتی تھی، وہ زینبؑ جسے آپ گود میں لیتے اور پیار کرتے تھے، اپنے پیارے بھائیوں، اپنے عزیز بھتیجوں اور اپنے چاند سے بیٹوں کو دین مستقیم اور اسلام کی بقاء کی خاطر قربان کر کے مزارِ اقدس پر حاضر ہوئی ہے۔ ہائے کیسی سنگدلی اور بیدردی کے ساتھ سفاکوں نے ان پر تیر برسائے اور تلواریں چلائی ہیں۔ ان کا قصور بس یہ تھا کہ انہوں نے اسلام کا انہدام منظور، اور اُس شخص کی بیعت قبول نہ کی جس کی دادی نے اُحد کی لڑائی میں امیر حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا جس کا دادا منافق تھا جس کے باپ نے خلافت کے حصول کے لیے مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا۔ میرے باپ کو طرح طرح سے پریشان کیا اور ان پر تہمتیں رکھیں اور الزامات اٹھائے تھے۔

نانا جان! آپ کے آگے جبریل جیسے فرشتے کا سر

جھکتا تھا یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ کی ذرّیت آپ کے اہلِ بیتؑ اصولِ اسلام کے خلاف مطالبہ پر سرِ تسلیم خم کر سکتے تھے۔ حسینؑ بھائی اور ان کے ساتھیوں نے اپنی جانیں دینی منظور کیں مگر یہ منظور نہ کیا کہ ان کی وجہ سے اسلام کو ضعف پہنچے اور آپ کی ناموس پر حرف آئے۔ ہم لوگ گنتی میں بہت تھوڑے تھے اور وہ لوگ بہت زیادہ، مگر اس پر بھی اُنہوں نے جبر و تعدّی ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ جس دریا سے درند اور پرند سیراب ہو رہے تھے اس پر پہرہ لگا دیا گیا اور تین دن تک آپ کے پیاروں کے حلق میں پانی کی ایک بوند نہ گئی ہم نے فساد مٹانے کے لیے راستہ طلب کیا تو اُنہوں نے راستہ بند کر دیا اور چاروں طرف سے گھیر کر ایسے میدان میں محصور کر دیا جہاں نہ کوئی درخت تھا نہ امن و سکون کی جگہ۔ دھوپ کی شدّت اور آفتاب کی تمازت نے اُن کے جسموں کو جھلس دیا اور پانی میسّر نہ آنے کی وجہ سے اُن کی زبانیں باہر نکل آئیں لیکن آپ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے والوں نے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹایا اور آپ کے دین کے لیے آپ ہی کا کلمہ پڑھنے والوں کے ہاتھوں دس محرّم کو سر کٹوا کر جانیں دیدیں۔ جس جسم کو آپ کلیجے سے چمٹاتے تھے سر الگ کرنے کے بعد اس پر گھوڑے دوڑائے گئے اور

جن کانوں پر آپ نے لب ہائے مبارک رکھے تھے اُن کو گوشوارے گھسیٹ کر لہو لہان کیا گیا۔ آپ نے حاتم طائی کی بیٹی کو چادر اُڑھائی تھی مگر آپ کی نواسیاں پھٹے کپڑوں کھلے چہروں رسّیوں سے بندھی ہزاروں آدمیوں کا تماشہ بنیں۔"

متعدّد کتب و مقاتل و تاریخ میں لکھا ہے کہ پندرہ روز تک اہلِ مدینہ مراسمِ عزاداری و سوگواری بجا لائے۔ یوں تو اہلِ بیتؑ اور دوستانِ اہلِ بیتؑ عمر تمام سوگوار رہے لیکن پندرہ روز تک شب و روز مراسمِ عزاداری ادا ہوتے رہے۔

صاحبانِ بصیرت، عاشقانِ حسینؑ اگر ان مصائب کو جو حضرت سید الشہداؑ، شہدائے کربلا اور اہلِ بیتؑ پر کربلا، کوفہ و شام میں گذرے اور پھر اہلِ بیتؑ کے مدینہ آنے، اہلِ مدینہ حضرت محمد حنفیہ حضرت ام البنین جناب فاطمہ صغریٰ اور دوسرے بنی ہاشم سے ملاقات کرنے، مرقدِ رسول اللہؐ فاطمۃ الزہراؑ، حسنِ مجتبیٰؑ پر جانے کے پُر درد حالات و واقعات بغور پڑھیں تو عمر بھر ایسا روئیں گے کہ آنکھوں سے دریا بہہ جائیں اور صحراؤں کو تر کر دیں بلکہ آنسوؤں کے عوض خونِ دل و جگر روئیں گے جو دشت و صحرا کو لالہ گوں کر دیں گے اور اس کے بعد بھی ان مصائب عظمیٰ کی تلافی نہ ہوگی۔

* * * * * *

باب ۱۹

بیان وفات حضرت صدیقہ صغریٰ زینبِ کبریٰ سلام اللہ علیہا

جناب زینب سلام اللہ علیہا کی تاریخ وفات اور مدفن کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ بحر المصائب میں مسطور ہے کہ جناب زینبؑ پر واقعۂ کربلا اور اُن بلاؤں اور زحمتوں کا جو آپ پر کوفہ و شام میں وارد ہوئیں اس قدر اثر ہوا کہ آپ کے موئے مبارک سفید ہو گئے، آپ کی کمر خمیدہ ہو گئی دائم الحزن رہیں یہاں تک کہ رحلت فرمائی۔ اس ہی کتاب میں یہ بھی روایت ہے کہ شام سے واپسی کے چار مہینے بعد جناب ام کلثومؑ کا انتقال ہوا اور اس کے اسّی روز بعد جناب زینبؑ نے ایک رات اس قدر گریہ فرمایا اور منہ پیٹا کہ بیہوش ہو گئیں اور اس ہی عالمِ بیہوشی میں مرغِ روح قفسِ عنصری سے جدا ہو کر شاخسارِ ریاضِ رضواں میں اپنا آشیانہ بنا لیا۔

بعض کتب میں ہے کہ جناب زینبؑ نے ایک شب جناب فاطمۃ الزہراؑ کو خواب میں دیکھا اور بیدار ہو کر شدّت سے گریہ فرمایا اور اسی سے آپ کا انتقال ہو گیا۔

صاحبِ انوار الشہادۃ، بحر المصائب اور متعدد کتب کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ یزید کے فسق و فجور، کفر و شقاق اور امام حسینؑ کو قتل کرانے کی وجہ سے اہلِ مدینہ اس ملعون سے متنفر ہو گئے اور اس کی بیعت توڑ دی۔ عبداللہ بن زبیر نے اپنی خلافت کا اعلان کیا تو یزید نے مسلم بن عقبہ کو لشکرِ

گراں کے ساتھ اہلِ مدینہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ اور حکم دیا کہ اہلِ مدینہ کو قتل کرے ان کے ملک و اموال تاراج کرے۔ اہل بیت رسولؐ کو اسیر کر کے شام روانہ کر دے۔ بنی ہاشم کے محلّہ کو ویران کر دے۔ مسلم بن عقبہ علیہ اللعن مدینہ پہنچا اور مدینہ کو غارت کرنے اور قتلِ عام کرنے کے بعد بنی ہاشم کے محلّہ کو مسمار کر دیا اور اہلِ بیتؑ کو قید کر کے بڑے رنج و آلام کے ساتھ دمشق روانہ کیا۔ عورتوں اور بچّوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا اور یہ بھوکے پیاسے منزلیں طے کرتے تھے۔ جب دمشق سے ایک منزل کا فاصلہ باقی رہا اور سوادِ دمشق نمودار ہوئی تو جناب زینبؑ نے گریہ کناں درگاہِ حضرت ذوالمنن میں دست بدعا ہوئیں کہ اے خداوند مہربان، اے پناہِ بیکساں، اے یاورِ درماندگان ہم غریبوں اور بیکسوں پر رحم کر اور مجھے موت عطا فرما تاکہ میں پھر حالتِ اسیری میں یزید کی مجلس میں پیش نہ کی جاؤں۔ جناب معصومہؑ کی دعا قبول ہوئی۔ آپ یکایک علیل ہو گئیں اور حضرتِ سجّادؑ کو طلب فرمایا اور کہا کہ یہ میری آخری علالت ہے میں اس مرض سے جانبر نہ ہوں گی اور پھر چند وصیتیں فرمائیں کہ بیٹا جب تمہارے پدرِ گرامی جامِ شہادت نوش فرمانے چلے تھے تو بیواؤں اور یتیموں کی نگرانی میرے سپرد کی تھی اب میں تم کو ان کا محافظ اور نگراں قرار دیتی ہوں۔ دوسرے یہ کہ جب تم مجلسِ یزید میں جانا تو احتیاط اور نرم کلامی سے کام لینا اس لیے کہ اگر وہ شقی تمہارے قتل کا حکم دے تو تمہارا کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ جب اپنے پدرِ بزرگوار کا سر پانا تو میری طرف سے اس کے بوسے لینا اور عرض کرنا کہ آپ کی بہن زینبؑ نے آپ کے فراق میں جان دیدی اور اس کا دل کباب ہو گیا۔ چوتھے یہ کہ جب میری روح پرواز کرے تو عورتوں کے ذریعہ میرا غسل و کفن کرانا اور تم نمازِ جنازہ پڑھنا پانچویں

یہ کہ بعد دفن میری قبر پر تلاوت قرآن کرنا اس لیے کہ میں اس بیابان میں غریب ہوں۔ ان وصایا کے بعد سب بیبیوں کو وداع کیا۔ بچوں کو بلا کر گلے لگایا پیار کیا، رونے لگیں اور موت کے آثار نمودار ہوئے آپ نے کلمۂ شہادتیں جاری فرمایا۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اَنَّ جدّی رسول اللہ و اَنَّ ابی وّلی اللہ ۔ آپ کی روحِ مقدّس پرواز کر گئی اور آپ کے آباءِ عظام امہاتِ کرام کی ارواحِ مقدسہ سے ملحق ہو گئی۔ آپ کے انتقال کے بعد جناب امام زین العابدینؑ نے غسل کے لیے اشقیاء سے پانی طلب کیا تو کسی ملعون نے کہا کہ تم لوگ خارجی ہو اس لیے تمہاری اموات کے لیے غسل جائز نہیں۔ پانی نہیں ملا اور امام علیہ السّلام نے غسل کے عوض تیمم دلایا اور وہیں حوالی دمشق میں آپ کو دفن فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ جناب امام زین العابدینؑ نے دعا کی۔ زمین سے پانی جاری ہوا اور آپ نے جناب زینبؑ کو غسل دلایا۔ اس روایت میں جو جناب زینبؑ کی وصیتیں ہیں ان کے متعلق صاحبِ طراز المذہب تحریر فرماتے ہیں:

"ہرگز در نظر ہیچ خردمند پسند نیاید۔ چگونہ با امام زمان وحجتِ یزدان ایں گونہ سخن می کنند و آنگہی مثل حضرت زینبؑ کسیکہ اورا عالمہ وفہیمہ وعارفہ وکاملہ در لسانِ امام می خوانند و دیگر اینکہ سرِ مبارک امام حسینؑ مگر در [illegible] شام بود یا مکان معینے داشت کہ با امام وصیّت فرماید کہ آں سرِ مبارک را در عوض ببوس۔

ترجمہ: کوئی عقلمند اس بات کو نہیں مان سکتا کہ جناب زینبؑ جن کو

خود امامؑ نے عالمہ، فہیمہ، عارفہ اور کاملہ کہا ہو امامِ زمان حجتِ خدا زین العابدینؑ کو اس قسم کی وصیتیں فرمائی ہوں گی۔ پھر یہ کب یقین تھا کہ سرِ مبارک جناب امام حسین علیہ السّلام دمشق ہی میں یا کسی مقامِ معیّن پر ہے کہ آپ فرماتیں کہ سرِ مطہر کے میرے عوض بوسے لو۔

ہمارا خیال ہے کہ جناب زینبؑ نے وصایا تو فرمائی ہوں گی لیکن ممکن ہے کہ روایت کے الفاظ میں ردّ و بدل ہو گیا ہو اور کچھ کا کچھ لکھ دیا گیا ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ راوی اوّل نے کچھ کہا ہو صحیح کہا ہو اور مرورِ ایام کی وجہ سے بعد میں جو روایت کی کتابت ہوتی رہی اس میں الفاظ میں تغیر ہوتا گیا۔

شیخ محمّد لبغدادی اپنی کتاب منتخب السیر میں یہ روایت لکھتے ہیں کہ یزید نے بعد شہادت امام حسینؑ چاہا کہ اپنے افعالِ شنیعہ کو چھپائے اور ان سے خود کو بری ثابت کرے تو ان اعمال کو ابن زیاد سے منسوب کرنے لگا جب حضرت عبد اللہ بن جعفر کے انتقال کی اطلاع اس کو ہوئی تو جناب امام زین العابدینؑ کو خط لکھا اور اس خط میں اظہارِ ارادت و خلوص کرتے ہوئے لکھا کہ میں آپ کی پھوپی جناب زینبؑ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اس لیے کہ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ آلِ فاطمہؑ کے بدن کا مس کرنا باعثِ نجات و رستگاری ہوتا اور بہشت میں داخل کرتا ہے۔ پس آپ جناب زینبؑ کو باحتشام و عزّت شام روانہ فرمادیں۔ امام زین العابدینؑ نے یہ خط جناب زینبؑ کو دکھایا۔ آپ پڑھ کر شدّت سے گریہ فرمانے لگیں۔ امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ آپ گریہ و زاری نہ فرمائیں بلکہ سفر اختیار فرمائیں اس لیے کہ یہ آپ کا سفرِ آخرت ہوگا۔ یزید کو آپ کا دیدار تک نصیب نہ ہوگا آپ حوالی شام میں وفات فرمائیں گی۔ جناب زینبؑ حسب ہدایت امام زین العابدینؑ

سفر کی تیاری فرما کر شام روانہ ہوئیں اور جب اس منزل پر پہنچیں جہاں آپ کا مرقد مطہر ہے تو آپ کو مرگِ یزید کی اطلاع ہوئی۔ آپ نے وہیں خیمہ نصب کرایا اور اتر گئیں۔ آپ کے خیمہ کے عقب میں ایک باغ تھا جس میں ایک نہر بہتی تھی۔ آپ باغ میں چلی گئیں اور نہر کے کنارے بیٹھی ہوئی اپنے مصائب پر گریہ فرمانے لگیں یہاں تک کہ بیہوش ہو کر نہر میں گر گئیں، نہر کا پانی رُک گیا اور باغبان نے یہ سمجھ کر کہ کوئی چیز پانی کو روک رہی ہے بیلچہ مارا جو آپ کی پیشانی پر پڑا پیشانی کو شگافتہ کر دیا۔ آپ کے ملازم و خادم اس طرح مجروح حالت میں آپ کو خیمہ میں لائے۔ مالک باغ کو اس سانحۂ عظیم کی اطلاع ہوئی تو حاضر ہو کر جناب معصومہؑ سے معذرت کی اور آپ نے قبول فرما لیا اور مالکِ باغ نے اقرار کیا کہ اگر اس صدمہ سے آپ فوت ہو جائیں تو آپ کو اسی باغ میں دفن کر دے گا اور باغ آپ کے نام پر وقف کر دے گا۔ چنانچہ آپ کی شہادت ہو گئی اور آپ باغ میں دفن ہوئیں۔

صاحبِ طراز المذہب اہلِ بیتؑ کے دوبارہ اسیر ہو کر شام جانے کے متعلق چند روایات لکھ کر اور محمد بغدادی شافعی کی یہ روایت درج کرنے کے بعد ان پر تنقید کی ہے اور اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے فرماتے ہیں کہ اہلِ بیتؑ کے دوسری دفعہ قید کیے جانے اور یزید کی جناب زینبؑ سے نکاح کی درخواست کے متعلق جو روایات ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ اوّل تو متقدمین کی کتب میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفرؑ یزید کے کئی سال بعد تک زندہ رہے۔ ایسی صورت میں یزید کے نکاح کی درخواست کا امکان ہی نہ تھا۔

تیسرے یہ کہ یزید اہل بیتؑ کو اسیر کرنے کے بعد چاہے وہ پشیمانی سے ہو

یا فتنہ و فساد کے خوف سے قید سے رہا کیا اور اعزاز و اکرام کے ساتھ مدینہ واپس کیا۔ پس بلاوجہ دوبارہ قید کرنے اور شام طلب کرنے کی اس کو ضرورت ہی نہ تھی۔ چوتھے یہ کہ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلم بن عقبہ کو مدینہ کی غارتگری کے لیے یزید نے روانہ کیا تو بطورِ خاص تاکید کی کہ جناب امام زین العابدینؑ اور اہل بیتؑ سے معترض نہ ہونا اور انہیں کوئی گزند نہ پہنچانا۔ ہم کو صاحب طراز المذہب کی رائے سے اتفاق ہے کہ یہ روایات صحیح نہیں ہیں خصوصاً محمد بغدادی شافعی کی روایت۔ یہ ان روایاتِ موضوعہ سے معلوم ہوتی ہے جو ہر دور ہر قرن میں اہلِ بیتؑ کے مخالفین و معاندین ان کی منقصت اور شان گھٹانے کے لیے وضع کر لیتے تھے۔ یزید کا جناب زینبؑ سے نکاح کی درخواست کرنا ایک ایسی لغو و مہمل بات ہے کہ اس کو عقلِ سلیم مان نہیں سکتی۔ اوّل تو تواریخ سے ثابت ہے کہ جناب زینبؑ کے شوہر حضرت عبداللہ یزید کی موت کے بہت بعد تک زندہ رہے، دوسرے جناب زینبؑ کی شخصیت، عظمت و جلال کی کیفیت آپ کے خطبات و ارشادات سے اور ان مکالمات سے جو جناب زینبؑ اور یزید کے درمیان ہوئے اس شقی پر بخوبی واضح و روشن ہو گئی تھی اس کے بعد اس کی ہرگز جرأت نہیں ہو سکتی تھی کہ اس قسم کی درخواست کا تصور کرتا۔ بجز اس کے کہ کثرتِ زنا کاری، شراب خوری اور جفا کاری سے اس کی عقل مختل ہو گئی ہو اور یہ دیوانہ ہو گیا ہو۔ اہلِ بیتؑ کا دوبارہ قید ہو کر شام جانے کا مسئلہ بھی تحقیق طلب ہے۔ جیسا کہ صاحب طراز المذہب نے لکھا ہے متقدمین کی کتب میں اس کا ذکر نہیں ہے اور قیاس بھی یہی کہتا ہے کہ ایسا نہ ہوا ہوگا لیکن دمشق میں اہلِ بیتِ رسولؐ کے کئی بزرگواروں کی قبور بتائی جاتی ہیں۔ مثلاً جناب ام کلثومؑ، جناب رقیہؑ، جناب سکینہؑ۔

بعض شیعہ حضرات کا خیال ہے کہ سوائے جناب سکینہؑ کے مزار کے دوسرے جو مزارات بتائے جاتے ہیں وہ نقلی ہیں۔ یہ بزرگوار نہ پھر شام آئے اور نہ یہاں انتقال فرمایا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اہلِ دمشق نے ترکوں کی حکومت کے زمانہ میں ان مزارات کے نام سے معاشیں پیدا کرنے اور متولی کی خدمات حاصل کرنے کے لیے یہ قبور قائم کرلیے اور انہیں اپنا ذریعۂ معاش بنالیا۔

یہ بھی روایت ہے کہ عبدالملک کے حکم سے جناب امام زین العابدینؑ کو دوبارہ شام لے جانے لگے تو جناب زینبؑ آپ کے ساتھ ہوگئیں اور دمشق کے قریب ایک باغ میں منزل کی۔ امام حسینؑ کو یاد کرکے گریہ وزاری فرمارہی تھیں کہ باغبان نے جو خارجی وناصبی تھا آپ کے سرِ مبارک پر بیلچہ مارا اور اس صدمہ سے آپ انتقال فرماگئیں اور اسی باغ میں دفن ہوئیں۔ آج کل کے ذاکرین مجالس میں بھی یہی روایت بیان کرتے ہیں۔

صاحبِ خصائصِ زینبیہ نے روایت لکھی ہے کہ یزید کے محل میں ایک طاق مخصوص تھا جس میں بروایتے سرِ اقدس امام حسین علیہ السّلام رکھا جاتا تھا اور اس میں سرِ مبارک کا خون جم گیا تھا۔ جب مسیّب خزاعی نے خروج کیا اور اہلِ بیتِ اطہار کو کوہ لبنان سے باہر لایا تو جب حضرت زینبؑ کی نظر اس خون پر پڑی تو اسی وقت جوارِ رحمتِ حق سے آپ واصل ہوئیں اور اسی طاقچہ کے قریب آپ کا مدفن ہوا اور اس پر ایک مسجد بنادی گئی جو مسجد اکبر کہی جاتی تھی۔ یہ روایت عجیب وغریب ہے۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ بیتؑ کو کوہِ لبنان کے کسی مقام پر قید رکھا گیا تھا جہاں سے مسیّب انہیں رہا کرکے دمشق لائے اور یہاں جناب زینبؑ نے طاقچہ میں خون دیکھا اور صدمہ سے انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئیں۔ اگر حقیقتاً اہل بیتؑ لبنان کے کسی مقام پر قید تھے

تو یہ پہلا قید نہیں ہوسکتا اس لیے کہ تواریخ اور مقاتل سے ظاہر و ثابت ہے کہ پہلی دفعہ جب اہلِ بیتؑ قید ہوکر کوفہ سے شام لائے گئے تو یزید نے انہیں دمشق میں مقیّد رکھا اور یہاں سے ہی رہا ہوکر یہ بزرگوار مدینہ گئے۔ ایسی صورت میں یہ دوسری دفعہ کا قید ہونا چاہیے۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ عبدالملک کے حکم سے امام زین العابدینؑ علیہ السّلام دوبارہ گرفتار کیے گئے اور دمشق لائے گئے اور آپ کے ہمراہ جناب زینبؑ بھی آئیں۔ اگر یہ روایات صحیح ہوں تو اس کا امکان ہوسکتا ہے کہ اس دفعہ ان بزرگواروں کو لبنان کے کسی مقام پر نظر بند کیا گیا ہو لیکن ہمارے خیال میں یہ روایت ضعیف اور غیر صحیح معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ اہلِ بیتؑ کی مکرر گرفتاری کی روایات خود ضعیف اور غیر صحیح سمجھی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ مسیّب خزاعی کا لبنان تک پہنچنا صحیح نہیں ہے۔

روایتِ متذکرہ بالا میں جو طاقچہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ طاقچہ ابتک موجود ہے یزید کے محل کا وہ وسیع ہال جس میں وہ دربار منعقد کیا کرتا تھا جس میں اہلِ بیتؑ بھی لائے گئے تھے اس شقی کے بعد مسجد کی شکل میں تبدیل کردیا گیا۔ اور اس کا نام مسجدِ اموی رکھا گیا۔ چنانچہ اب بھی وہ مسجد ہی ہے۔ اس ہال سے متصل یزید کا خانگی توشہ خانہ تھا اور اس توشہ خانہ کے ایک طاقچہ میں طشتِ طلا میں سرِ اقدس حضرت امام حسینؑ رکھا گیا تھا۔ یہ طاقچہ ابتک موجود ہے اور لوگ یہاں زیارت پڑھتے ہیں۔

یہ بھی روایت ہے کہ جناب زینبؑ اپنے شوہر حضرت عبداللہؓ ابن جعفرؓ کے ساتھ دمشق آرہی تھیں۔ دمشق کے قریب پہنچ کر یکایک علیل ہوگئیں اور انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئیں۔

صاحبِ طراز المذہب لکھتے ہیں کہ بعض اہلِ خبر لکھتے ہیں کہ ایک سال

مدینہ میں سخت قحط ہوا اور حضرت عبداللہؓ بن جعفرؓ اپنے عیال کے ساتھ شام روانہ ہوئے تاکہ چند روز وہاں قیام کریں اور قحط رفع ہونے کے بعد مدینہ واپس ہوں حضرت عبداللہ نے شام پہنچنے کے بعد دمشق سے قریب ایک قریہ میں سکونت اختیار کی اور یہاں جناب زینبؑ علیل ہوئیں وفات پائی اور دفن ہوئیں۔

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ جناب معصومہ کا انتقال قاہرہ میں ہوا اور آپ وہیں دفن ہوئیں۔ چنانچہ اب بھی مصر میں آپ کا روضہ بتایا جاتا ہے۔ قاہرہ میں دو تین جگہ آپ کی ضریح بتائی جاتی ہے۔ ایک قناطر السباع میں ہے۔ یہاں جو قبر ہے اس پر کتبہ ہے اور اس پر لکھا ہے۔ ھٰذا قبر زینب بنت احمد بن عبد اللہ بن جعفر بن محمد بن محمد بن علیؑ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم : کتبہ سے خود ظاہر ہے کہ یہ قبر جناب زینبؑ کی نہیں ہے بلکہ حضرت محمد حنفیہ کی اولاد سے کوئی بی بی زینبؑ ہیں۔

اس کے علاوہ قاہرہ میں ایک مسجد ہے جو "جامع سیدتنا زینبؑ" کہی جاتی ہے اور اس میں جناب زینبؑ کا مزار بتایا جاتا ہے لیکن بعض باخبر اہل مصر کا بیان ہے کہ یہ مسجد مصر کے خلفاءِ فاطمیہ کے کسی خلیفہ کی بہن نے تعمیر کرائی تھی جن کا نام زینب تھا اور اس میں جو قبر ہے وہ بھی ان ہی کی ہے۔ الغرض یہ مصر والی روایت صحیح نہیں ہے اس لیے کہ تواریخ سے جناب زینبؑ کا کسی وقت بھی مصر تشریف لے جانا پایا نہیں جاتا۔ رازق الخیری صاحب نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے کہ جناب زینبؑ مصر تشریف نہیں لے گئیں۔ چنانچہ کتاب "سیدہ کی بیٹی" میں لکھتے ہیں:۔

"بعض مورخین کا بیان ہے کہ بی بی زینبؑ نے مصر میں وفات پائی اور وہیں ان کا مزار ہے مگر مورخین یہ نہیں بتاتے کہ مصر کا سفر کیوں کیا اور وجہ کیا تھی؟

قیاس زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ عبداللہ ابن جعفر تاجر تھے اور بسلسلۂ تجارت دور دراز شہروں اور مختلف ملکوں میں جاتے رہتے تھے تعجب نہیں کہ حادثۂ کربلا کے بعد مدینہ واپس آکر جب بی بی زینبؑ اداس اور غمگین رہنے لگیں تو ان کی المناک زندگی کے اس دور کو دیکھ کر ان کی صحت کے خیال سے کچھ عرصہ کے لیے اپنے ساتھ مصر لے گئے ہوں مگر یہ قیاس اس وجہ سے درست نہیں کہ افرادِ خاندان کو اب صرف ان ہی سے تقویت تھی اور وہی سب کی امیدگاہ تھیں ان سب کو بالخصوص علیؑ ابن الحسینؑ کو چھوڑ کر جنہیں وہ ایک لمحہ کے لیے آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتی تھیں مصر محض اپنی صحت کے لیے جانا قیاس صحیح نہیں۔ امام زین العابدینؑ کا سفرِ مصر بھی کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا اس لیے مصر میں جن زینبؑ کا مزار ہے وہ سیدۃ النساء کی بیٹی کا نہیں ہے کوئی اور زینب ہوں گی۔"

صاحب طراز المذہب لکھتے ہیں "آنچہ صحیح می نماید این است کہ حضرت زینبؑ بعد از مراجعت بمدینہ طیبہ وفات کردہ است و در مدینہ مدفون شدہ است"

ہم کو اس خیال سے اتفاق نہیں اس لیے کہ بقول رازق الخیری صاحب "مدینہ کے قبرستانوں کی فہرست میں زینبؑ بنت فاطمۃ الزہرا کا نام نہیں ہے۔" جناب زینبؑ کی ہستی ایسی نہ تھی کہ آپ مدینہ میں مدفون ہوتیں اور آپ کا مرقدِ منور کا نام ونشان اور پتہ باقی نہ رہتا۔

ہمارے خیال میں وہی روایت جس میں بتایا گیا ہے کہ مدینہ میں قحط ہوا اور حضرت عبداللہ مع اپنے عیال کے شام آئے جناب زینبؑ بھی آپ کے ہمراہ تشریف لائیں اور حوالی دمشق میں ایک قریہ میں قیام فرمایا۔ وہاں علیل ہوئیں، انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئیں صحیح ہے۔ اس وقت دمشق کے قریب ایک قریہ ہے جو زینبیہ کے نام سے موسوم ہے اور یہاں جنابِ زینبؑ کی قبر منوّر ہے۔ قبر پر شاندار گنبد تعمیر کی گئی ہے۔ زائرین کے ٹھہرنے کیلئے کمرے بنا دیے گئے ہیں۔ صحن وسیع ہے۔ روضہ باغ میں واقع ہے۔ یقیناً یہ وہی قریہ ہے جہاں جناب زینبؑ نے انتقال فرمایا جو آپ کے نام سے زینبیہ مشہور ہو گیا اور اصلی قبر منوّر وہی ہے جو اسی قریہ میں اب موجود ہے۔

جناب زینبؑ کی وفات کس سن میں ہوئی تواریخ سے پتہ نہیں چلتا۔ تاریخِ وفات میں بھی اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ ۲۱ جمادی الثانی کو آپ نے رحلت فرمائی۔ چنانچہ بقول رازق الخیری صاحب کے لکھنؤ اور آگرہ میں اسی تاریخ میں آپ کی برسی کی جاتی ہے۔ زنانہ مجالس ہوتی ہیں۔ بعض محققین کے بیان کے مطابق حیدرآباد دکن میں ۲۴ صفر تاریخِ وفات قرار دی گئی ہے اور اسی روز مجالسِ عزا برپا کی جاتی ہیں۔

سنہ ۱۹۳۴ء میں راقم شام گیا تھا اور روضۂ جناب زینبؑ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ روضۂ اقدس شہرِ دمشق سے تقریباً پانچ یا چھ میل ایک قریہ میں ہے جو زینبیہ کہلاتا ہے۔ موٹر کے ذریعہ دمشق سے اس مقام تک پہنچنے میں تقریباً پون گھنٹہ صرف ہوا اس لیے کہ راستہ بہت خراب تھا۔ چونکہ سوائے اہلِ قریہ اور زوّاروں کے اور کوئی آتا جاتا نہیں۔ اس لیے حکومت راستہ کی درستی اور نگہداشت کی طرف توجہ نہیں کرتی۔ اہلِ دمشق سے جن کی مرادیں آتی ہیں نذریں چڑھانے آتے ہیں۔

جو شیعہ ہیں وہ مجلس کرتے اور زیارت پڑھتے ہیں اور سنی نذر چڑھانے کے بعد روضہ کے باغ میں پخت و پز کرتے، کھاتے پیتے اور گاتے بجاتے ہیں جو ہمارے خیال میں غیر مستحسن ہے اس سے شیعوں کی دل آزاری ہوتی ہے۔

رازق الخیری صاحب کتاب "سیّدہؑ کی بیٹی" میں لکھتے ہیں کہ سنہ ۱۳۲۹ ہجری میں ایک ہندوستانی سیّاح دمشق گیا تھا وہ اپنے سفرنامۂ زیارت الشامُ القدس میں لکھتا ہے کہ جنوبی جانب شہر کا وہ مشہور مقدس قبرستان ہے جو مقبرۃ الصغیر کے نام سے موسوم و مشہور ہے۔ اس مقبرہ میں قبّہ کے اندر چند مزارات خاندانِ نبوت کے بھی واقع ہیں۔ خواہرِ سیدنا حسین شہید کربلا یعنی سیدتنا زینب بنتِ علیؓ اور فاطمہ بنتِ علیؑ کے مزارات مشہور رہے کہ اس مقبرہ میں ہیں۔ اس سیّاح کے بیان سے ہم کو اختلاف ہے۔ دمشق میں قبرستان باب الصغیر تو ہے لیکن اس میں جناب زینب علیہا السّلام کا مزار نہیں ہے بلکہ جناب ام کلثومؑ اور جناب سکینہؑ کے مزارات یہاں بتائے جاتے ہیں۔

رازق الخیری صاحب نے ۲ (دو) اور سیّاحوں کا ذکر کیا ہے جو زینبیہ جا کر زیارت سے مشرف ہوئے۔ ایک سید قاسم علی شاہ، دوسرے والیٔ اصغر آباد۔ سید قاسم علی شاہ روضہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"روضۂ زینبؑ دمشق سے چار میل کے فاصلہ پر ہے ۲ (دو) میل سڑک پختہ اور ۲ (دو) میل کچی ہے۔ روضہ چھوٹے سے خوبصورت باغ میں ہے۔ روضہ کا صحن فراخ ہے اور سنگِ مرمر کا ہے۔ اندر صحن میں ایک چھوٹا سا مربع حوض ہے۔ صحن کے شمالی کنارے پر زائرین کے رہنے کے حجرے ہیں۔ جنوب کی طرف روضہ کی عمارت ہے

برآمدہ سفید پتھر کا ہے۔ اندر روضہ کا کمرہ چھوٹا سا مگر
عالی شان ہے۔ دروازہ نقرئی ہے۔ کمرہ کا جنوبی
حصّہ سیاہ رنگ کے پردہ سے علیٰحدہ کیا گیا ہے جو
زنانہ مسجد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ قصبہ زینبیہؑ
کی آبادی ایک ہزار ہوگی۔ سب اہلِ سنّت ہیں کوئی
شیعہ نہیں۔ مقبرہ بستی سے علیٰحدہ ایک باغ میں ہے۔
روضہ کا کلید بردار ستّر برس کا معمّر شیعہ سید ہے۔
کافی صحن ہے۔ روضہ کے مقابل جدید کمرے انگریزی
طرز کے تعمیر ہوئے ہیں جو کسی ہندوستانی نے تعمیر کرا دیے
ہیں۔ روضہ کے سنگی ستون کا ایک برآمدہ سر آغا خاں
کی والدہ نے تعمیر کرایا ہے۔ روضہ میں داخل ہوتے ہی
قبلہ رُخ مسجد ہے جس کا دروازہ صحن میں بھی ہے اس کے
برابر گلدستۂ اذان کا منارہ بھی ہے ان کے برابر ایک
چوکور روضہ ہے۔ وسط میں جناب زینبؑ کی قبرِ
مبارک ہے۔ قبرِ مبارک پر صندوق چوبی ہے جس پر
قیمتی پارچے پڑے ہوئے ہیں ..... روضہ کا گنبد
آہنی چادروں کا ہے جس پر سبز روغن ہے۔ کلس
سونے کا ہے۔ یہ روضہ ترکی سلطنت کے عہد میں تعمیر ہوا۔"

سید محمود حسن صاحب والیٔ اصغر آباد اپنے سفرنامہ شمعِ زیارت میں لکھتے ہیں:

"سنتے ہیں کہ پہلے مسلمان یزید کی قبر پر پتھر پھینکتے تھے۔ کسی
شخص نے یہ جگہ حکومت سے لے کر یہاں شیشہ سازی کا

کارخانہ بنایا ہے۔ اب وہاں بھٹی ہے اور خاص اُس جگہ
جہاں قبر ہے۔ روزانہ شیشہ پگھلایا جاتا ہے اور شیشہ کے
برتن بنتے ہیں۔"

جب ہم شام گئے تو ہم سے بھی یہی کہا گیا۔ ہم نے دمشق کے قبرستان باب الصغیر میں معاویہ ابن ابی سفیان کی قبر بھی دیکھی جو ایک تنگ و تاریک خستہ حال کمرہ میں ہے۔ اس کی چھت سفالی ہے۔ اِس وقت کمرہ بالکل مقفّل کر دیا گیا ہے کہا گیا ہے کہ چند سال قبل کمرہ کا دروازہ کھلا رہتا تھا لیکن لوگ اندر جا کر قبر پر پتھر مارتے اور تھوکتے تھے اس لیے اب بالکل بند کر دیا گیا ہے۔ کواڑ میں سے جھانک کر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ قبر بھی اچھی حالت میں نہیں ہے۔ اس قبر کو دیکھ کر عبرت ہوئی کہ وہ شخص جس نے دنیوی حکومت سلطنت اور دولت حاصل کرنے کے لیے دین کو برباد کیا۔ خوب دولت و زر و سیم جمع کیا مثل قیصر و کسریٰ کے زندگی بسر کی آج اس کی قبر کی یہ حالت ہے کہ ایک تنگ و تاریک کمرے میں کچرے کوڑے سے بھری پڑی ہے۔

.....٭٭٭٭٭.....

باب ۲۰

روایات متعلق سرِ اقدس حضرت امام حسین علیہ السّلام

اس کتاب میں امام حسین علیہ السّلام کے سرِ اقدس کے متعلق روایات بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن اوپر ہم نے لکھ دیا تھا کہ سرِ اقدس کے متعلق کہ بعدِ شہادت کہاں دفن ہوا علیٰحدہ باب میں بحث کریں گے۔ اس لیے اس باب ۲۰ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

کتاب روضۃ المناظر میں مسطور ہے کہ سرِ مبارک حضرت سید الشہداء سنان ابن انس نخعی علیہ اللعن نے جُدا کیا۔ بعض مورّخین کہتے ہیں کہ شمر ملعون اس فعل کا مرتکب ہوا اور سرِ اقدس جسمِ مطہر سے جدا کرنے کے بعد عمر بن سعد کے پاس لایا اُس شقی نے عبداللہ ابن زیاد والیٔ کوفہ کے حوالے کیا اور اُس ملعون نے یزید پلید کے پاس بھیج دیا۔ اب یزید کے پاس سے سرِ اقدس کہاں گیا۔ اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔

(۱) بعض صاحبانِ اخبار کہتے ہیں کہ سرِ مطہر مدینہ لایا گیا اور جناب فاطمۃ الزہرا کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ چنانچہ کافی اور تہذیب میں یہی لکھا ہے۔ یافعی کی بھی یہی روایت ہے۔ صاحبِ مناقب ابوالعلائی سے روایت کی نقل کی ہے کہ یزید نے سرِ اقدس مدینہ بھیجا اور عمر ابن سعید والیٔ مدینہ کو حکم دیا کہ بقیع میں پہلوئے جناب فاطمۃ الزہرا میں دفن کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ابن نما اس روایت سے اتفاق کرتے ہیں۔

(۲) بعض کا قول ہے کہ دمشق میں باب الفرادیس کے قریب سرِ اقدس دفن کیا گیا۔ صاحبِ طراز المذہب روایت لکھتے ہیں کہ منصور ابن جمہور ایک روز یزید کے خزانے میں داخل ہوا تو ایک جونہ سرخ جس پر چرمِ طائر مڑھا ہوا تھا پایا اور اپنے غلام سے کہا کہ اس جونہ کی حفاظت کرے۔ اس کو خیال ہوا کہ اس میں کوئی قیمتی جواہر ہیں۔ بعد جب جُونہ کو کھولا گیا تو اس میں سرِ اقدس امام حسینؑ پایا گیا جو ایسی حالت میں تھا کہ آپ کی ریشِ اقدس مخضوب حالت میں سیاہ تھی۔ منصور نے سرِ مبارک ایک کپڑے میں لپیٹ کر باب الفرادیس کے پاس کنار برج ثالث مشرق کی طرف دفن کرا دیا۔

(۳) بعض مورّخین بیان کرتے ہیں کہ فلسطین کے شہر عسقلان میں سرِ مبارک دفن کیا گیا۔ چنانچہ اب بھی جو شیعہ فلسطین جاتے ہیں تو زیارت کے لیے عسقلان جاتے ہیں۔

(۴) بعض صاحبانِ اخبار خصوصاً اہلِ مصر اس امر پر زور دیتے اور اصرار کرتے ہیں کہ سرِ مبارک قاہرہ میں مدفون ہے۔ کہتے ہیں کہ جب مصر میں فاطمین کی حکومت قائم ہوئی تو ان کے ایک خلیفہ کے زمانہ میں عسقلان سے سرِ مبارک مصر لایا گیا اور قاہرہ میں دفن کیا گیا۔ الشیخ سید الشبلنجی مصری اپنی تالیف "نور الابصار فی مناقب آلِ بیت النبی المختار" میں ایک پورا باب سرِ اقدس کے متعلق لکھا ہے اور مختلف روایات درج کی ہیں۔ چونکہ خود مصری ہیں اس لیے اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سرِ اقدس قاہرہ پائے تخت مصر میں مدفون ہے۔ اس کی تائید میں حسب ذیل روایتیں درج کی ہیں:۔

(الف) ایک گروہ کا خیال ہے کہ سرِ اقدس جو شہر بہ شہر گشت کرایا جاتا تھا عسقلان پہنچا اور وہاں دفن کیا گیا۔ الصالح طلائع وزیر نے ایک رقمِ کثیر ادا کر کے سرِ مبارک حاصل کیا اور بڑے اہتمام و انتظام کے ساتھ قاہرہ روانہ کیا جہاں محلہ خان الجلیلی میں دفن کیا گیا اور یہ مقام "المشہد الحسینی" کے نام سے مشہور ہوا۔

(ب) الشیخ علی الاجہوری رسالہ فضائلِ عاشورا میں لکھتے ہیں کہ اہلِ تاریخ کا خیال ہے کہ سرِ اقدس حضرت سید الشہداؑ مصر میں مدفون ہے اور اہل الکشف کا بھی یہی خیال ہے۔

(ج) شیخ عبدالوہاب الشعرانی نے اپنی کتاب طبقات الاولیاء میں لکھا ہے کہ سرِ اقدس بلادِ مشرق میں دفن کیا گیا۔ جب اس کی اطلاع طلائع بن زریک وزیر کو ہوئی تو تیس ہزار دینار دے کر حاصل کیا اور مصر روانہ کیا اور قاہرہ میں دفن کر کے مشہدِ حسینی تعمیر کرایا۔ شعرانی کی کتاب "المنن" میں بھی یہی روایت درج ہے۔

(د) مقریزی کی کتاب "الخطط" میں ہے کہ سرِ اقدس امام حسینؑ عسقلان سے قاہرہ لایا گیا۔ امیر سیف المملکہ اور قاضی الموتن بن مسکین سرِ مبارک لائے اور روزِ یکشنبہ آٹھویں جمادی الآخر ۵۴۸ھ ہجری کو قاہرہ پہنچے اور تیرہویں ۱۳ جمادی الآخر کو سرِ مطہر قصرِ شاہی (جو قصرِ زمرّد کہلاتا تھا) کے سرداب میں رکھا گیا اور پھر بابِ دہلیز میں قبۃ الدیلم کے پاس دفن کیا گیا۔ روایت میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب سرِ اقدس مدفنِ عسقلان سے نکالا گیا تو خونِ تازہ تھا خشک نہ ہوا تھا اور مشک و عنبر کی بو آ رہی تھی۔

(ہ) ابن عبدالظاہر کی روایت ہے کہ طلائع بن زریک وزیر المشہور بہ صالح نے جب دیکھا کہ عسقلان پر اہلِ یورپ کا قبضہ ہو گیا ہے تو ان کو رقمِ کثیر ادا کر کے سرِ اقدس حضرت امام حسینؑ حاصل کر لیا اور قاہرہ روانہ کیا اور بابِ زویلہ کے باہر دفن کرنے اور اس پر گنبد تیار کرنے کا ارادہ کیا لیکن آلِ مقر نے مزاحمت کی اور کہا کہ ہم اس کام کی تکمیل کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دفن کیا اور گنبد تعمیر کرایا یہ واقعہ الفائز باللہ کی خلافت کے زمانہ یعنی ۵۴۹ھ ہجری کا ہے۔

(۶) شیخ صدوق علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کہ سرِ اقدس حضرت سید الشہداؑ ارشام میں یزید کے پاس پہنچنے کے بعد کیا ہوا۔ مورخین اور صاحبانِ مقاتل میں اختلاف ہے۔

(الف) ایک گروہ کہتا ہے کہ یزید پلید کے حکم سے سرِ اقدس شہر بہ شہر گشت کرایا گیا یہاں تک کہ شہر عسقلان پہنچا اور وہاں دفن کیا گیا۔ جب اس شہر پر نصرانیوں کا قبضہ ہوا تو طلائع زریک نے جو فاطمی خلیفہ کا وزیر تھا رقمِ کثیر ادا کر کے سرِ مبارک حاصل کیا اور ریشمی کیسہ میں رکھ کر مشک و عنبر سے معطّر کیا اور پھر آبنوس کی لکڑی کے صندوق میں رکھا اور بڑے انتظام اور اہتمام کے ساتھ مصر روانہ کیا۔ خود اس نے بھی تعظیماً چند منزل تک مشایعت کی۔ سرِ مبارک قاہرہ پہنچا اور محلہ خان خلیل میں دفن کیا گیا اور یہ مقام مشہد الحسین کے نام سے مشہور ہوا۔ قاضی الفاضل نے وزیر کی مدح میں جو قصیدہ لکھا ہے اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(ب) بعض لوگ مثلاً زبیر بن بکار اور علاء الہمدانی کہتے ہیں کہ سرِ مبارک اہلِ بیتؑ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا گیا اور جناب فاطمۃ الزہراؑ اور امام حسنؑ مجتبیٰ کے پہلو میں دفن ہوا۔ قرطبی بھی یہی لکھتا ہے۔

(ج) گروہِ امامیہ کا خیال ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے چالیسویں دن یعنی روزِ اربعین سرِ مبارک کربلا لایا گیا اور جسدِ اقدس سے ملحق کر دیا گیا۔

(۶) ابو اسحاق اسفرائینی کتاب نور العین میں لکھتے ہیں کہ اہلِ بیتؑ سرِ اقدس کربلا لائے اور جسدِ مطہر سے ملحق کیا۔

(۷) بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ مرگِ یزید تک سرِ مطہر اس کے پاس تھا اور اس کے جہنم واصل ہونے کے بعد سلیمان ابن عبدالملک کو اس کا علم ہوا اور اس نے سرِ اقدس برآمد کرایا تو پایا کہ گوشت پوست باقی نہ تھا بلکہ استخوان سفید ہو

گئے تھے۔ اس نے غسل و کفن دے کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرا دیا۔

(۸) یہ بھی روایت ہے کہ جب اہل بیتؑ قید سے رہا ہوئے اور مدینہ روانہ ہونے لگے تو یزید کے حکم سے سوائے سرِ مبارک جناب امام حسین علیہ السّلام کے باقی سب شہداءؑ کے سر دمشق میں دفن کر دیے گئے۔ سرِ اقدس حضرت سید الشہداءؑ دمشق سے باہر ایک مقام پر رکھا گیا جس کی شب و روز پچاس سوار حفاظت و حراست کرتے تھے۔ جب یزید مر گیا تو محافظین نے سرِ مبارک اس مقام سے لا کر خزانۂ شاہی میں رکھوا دیا۔ کنز الانساب میں لکھا ہے کہ یزید کے محل کے ایک حصہ میں ایک طاقچہ مخصوص تھا جس میں سرِ اقدس امام حسین علیہ السّلام رکھا جاتا تھا۔ دمشق میں مسجدِ اموی سے ملحق رواق میں ایک طاقچہ ہے کہا جاتا ہے کہ یہ وہی طاقچہ ہے جس میں یزید نے سرِ اقدس طشتِ طلا میں رکھا تھا۔ اس سے متصل ایک کمرہ ہے اور اس میں ایک قبر بنی ہوئی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اسی میں سرِ مبارک دفن ہے اور یہ مشہدِ راس الحسینؑ کے نام سے اس وقت مشہور ہے دمشق کے قبرستانِ بزرگ میں ایک بہت بڑی قبر بنی ہوئی ہے جس پر گنبد بنا دیا گیا ہے۔ کہتے ہیں اس میں چند شہداء کے سر دفن ہیں۔

(۹) ناسخ التواریخ اور بعض دیگر کتب میں بھی روایت ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جب سرِ اقدس کوفہ سے شام لے جا رہے تھے تو ایک ہاشمی جوان نے اس کو چرا لیا اور حیرہ لا کر جناب امیر علیہ السّلام کے پہلو میں دفن کیا۔ ہمارے خیال میں یہ روایت موضوعہ، غیر صحیح اور ناقابلِ التفات ہے اس لیے کہ اشقیاء نے دورانِ سفر میں سرِ اقدس کی اس قدر حفاظت کی تھی کہ سرقہ ناممکن تھا اور پھر تواریخ اور مقاتل سے سرِ اقدس کا یزید کے پاس پہنچنا۔ دربار میں طشتِ طلا میں لایا جانا اور یزید پلید کا بے ادبی کرنا بالکل ثابت ہے۔

(۱۰) یہ بھی روایت ہے کہ جب عمر ابن عبد العزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے سرِ اقدس کے متعلق تفحص کیا اور پتہ لگا کر کربلائے معلےٰ روانہ کیا اور جسدِ مطہر سے ملحق کرا دیا۔

(۱۱) صاحبِ روضۃ الشہداء کہتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السّلام سب شہداء کے سر کربلا لائے اور دفن فرمایا۔

(۱۲) سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ سرِ اقدس جناب امام حسین علیہ السّلام اہلِ بیتؑ کے ہمراہ مدینہ آیا وہاں سے پھر کربلا بھیج دیا گیا اور جسدِ مطہر سے ملحق کر دیا گیا۔

(۱۳) ایک روایت ہے کہ سرِ اقدس مسجد رقہ میں مدفون ہے اور واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ یزید نے جب سرِ اقدس دیکھا تو کہا کہ یہ سر آلِ معیط کے پاس عثمان بن عفان کے سر کے عوض بھیجوں گا۔ اس وقت آلِ معیط رقہ میں آباد تھے چنانچہ سرِ مبارک ان لوگوں کے پاس بھیجا گیا اور انہوں نے ایک خانگی مکان میں اس کو دفن کیا اور بعد یہ مکان جامع مسجد رقہ کا جز ہو گیا اور مشہد راس الحسینؑ بھی مسجد میں داخل ہو گیا۔

(۱۴) اعثم کوفی اپنی تاریخ میں اور صاحبِ حبیب السیر لکھتے ہیں کہ جب امام زین العابدینؑ اور اہلِ بیتؑ طاہرین شام سے رہا ہو کر مدینہ روانہ ہوئے تو سرِ اقدس امام حسین علیہ السّلام اور سر ہائے شہداء ساتھ لیے ہوئے بیسویں صفر کو کربلا پہنچے اور وہاں ان کو ابدان سے ملحق فرمایا اور پھر مدینہ روانہ ہوئے زکریا بن محمد قزوینی اپنی کتاب "آثار البلاد و اخبار العباد" میں اور ابوریحان محمد ابن احمد البیرونی کتاب "آثار الباقیہ بین الامم الباقیہ" میں بھی یہی لکھتے ہیں کہ بیسویں صفر کو اہلِ بیتؑ کربلا پہنچے اور سرِ اقدس حضرت سید الشہداءؑ جسدِ

مطہر سے ملحق کیا۔

(۱۵) ملا محمد باقر بن ملا محمد تقی رشتی اپنی کتاب تذکرۃ الائمہ میں لکھتے ہیں کہ بروایتے یزید پلید نے سرِ اقدس اپنے خزانہ میں رکھا تھا ایک شب غائب ہو گیا حضرت جبرئیل لے گئے۔

(۱۶) صاحبِ ریاض الشہادۃ کا بیان ہے سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ تک سرِ اقدس شاہی خزانہ میں تھا اُس نے آنحضرتؐ کو خواب میں دیکھا اور خفیہ طور پر سرِ اقدس کربلا بھیج کر جسدِ مطہرؑ سے ملحق کرا دیا۔

(۱۷) ایک یہ روایت بھی ہے کہ سر مبارک مسجد حنانہ (جو کوفہ سے قریب ہے) میں دفن ہے۔ لیکن علماء اس کو صحیح نہیں سمجھتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ کربلا سے کوفہ لاتے وقت اشقیاء نے کچھ دیر کے لیے سرِ اقدس یہاں رکھا تھا۔

صاحبِ "طراز المذہب" مختلف روایات بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

" راقم الحروف جملہ ایں اخبار بہماں خبر کہ جبرئیل آں سرِ مطہر را ببرد بیشتر عنایت دارد والبتہ جبرئیل بردہ است و بدستیاری حضرت سجادؑ با بدنِ مبارک مدفون شدہ و در ایں نبش قبر نیز لازم نیاید چہ ممکن است کہ از فراز قبر مبارک حفرہ کردہ سر مبارک را مدفون وملحق دادند و ازیں بر افزون افعال ائمہ وابدان مطہرہ ایشان را با دیگر قیاس نتوان کرد ہیچ زیان ندارد کہ وہماں وقت کہ بدن مبارک مدفون کردہ اند سر نیز با بدن بودہ و آں سر کہ مشہود بر نیزہ منصوب شدہ برائے

جہت مراعات ظاہر وحفظ پارہ مسائل باشد و اگر کرامت و معجزہ محسوس شدہ است بجہت نسبت آنحضرت است چہ اگر صد ہزار سر را در صد ہزار موضع بر سرِ نیزہ نصب نمایند و با آنحضرت منسوب دارند با ہزار مکان را بمدفنِ مبارکش نسبت دہند نظر بمقامات ولایت و امامت از ہمہ جا بزور معجزہ و کرامت می شود"

متعدد اور مختلف روایات کی موجودگی میں سرِ اقدس کے متعلق قطعی فیصلہ کرنا کہ کہاں مدفون ہوا مشکل ہے۔ مختلف روایتوں پر غور کرنے کے بعد ہم کو تو دو روایتیں صحت کے قریب اور قرینِ قیاس و عقل نظر آتی ہیں۔ ایک یہ کہ جب یزید نے اہلِ بیت علیہم السّلام کو رہا کر دیا تو سرِ اقدس حضرت سیدالشہداء علیہ السّلام جناب امام زین العابدین علیہ السّلام کے حوالہ کیا اور آپ مدینہ جاتے ہوئے کربلا آئے اور سرِ مبارک دفن فرما دیا۔ اور جیسا کہ صاحبِ طراز المذہب کا خیال ہے نبش قبر بھی نہیں کیا گیا بلکہ قبر کے سرہانے علیحدہ دفن کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوسری روایت جو صحت کے قریب معلوم ہوتی ہے وہ عسقلان سے قاہرہ کو سرِ اقدس لائے جانے کی ہے۔ کیونکہ بعض تواریخ میں ہے کہ یزید پلید نے سرِ اقدس اہلِ بیتؑ کو دینے سے انکار کیا بلکہ اس کی شہر بہ شہر تشہیر کرائی اور سرِ مقدس عسقلان پہنچا تو ممکن ہے عسقلان میں دفن کر دیا گیا ہو اور فاطمیہ خلیفہ الفائز کے زمانہ میں قاہرہ لایا گیا اور وہاں دفن کر دیا گیا ہے

ہم کو صاحب طراز المذہب کی اس رائے سے بھی اتفاق ہے کہ ائمہؑ اور انبیاءؑ کے معاملات کو مثل معمولی ہما و شما انسانوں کے معاملات کے تصور نہ کرنا

چاہیے جیسا کہ صاحب موصوف نے بیان کیا۔ یہ ممکن ہے کہ سرِ اقدس بقوتِ اعجاز جسمِ اقدس سے ملحق ہو گیا ہو اور اشقیار کے پاس جو سر رہا اور ہر جگہ گشت وغیرہ کرایا گیا وہ اس کی شبیہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

-٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭-

جناب زینب سلام اللہ علیہا کے حالات وواقعاتِ زندگی ختم کرنے کے بعد ہم آپ کی زیارت ترجمہ کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ یہ زیارت روضۂ منوّر میں خوش خط لکھ کر آویزاں کردی گئی ہے اور زائرین پڑھتے ہیں۔ اس زیارت سے جناب صدیقۂ الصغریٰ کے صفاتِ عالیہ اور کمالاتِ ذاتیہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ زیارت کیا ہے اچھا خاصا مرثیہ ہے۔

زیارت حضرت زینب سلام اللہ علیہا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ
سلام ہو آپ پر اے رسول اللہ کی بیٹی۔ سلام ہو آپ پر
يَا بِنْتَ نَبِيِّ اللّٰهِ ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا بِنْتَ مُحَمَّدِنِ
اے اللہ کے نبی کی بیٹی۔ سلام ہو آپ پر اے محمد
الْمُصْطَفٰى ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا بِنْتَ سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَ
مصطفیٰ کی بیٹی۔ سلام ہو آپ پر اے سردارِ انبیاء اور
الْمُرْسَلِيْنَ ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا بِنْتَ وَلِيِّ اللّٰهِ ۔ اَلسَّلَامُ
مرسلین کی بیٹی۔ سلام ہو آپ پر اے ولی اللہ کی بیٹی۔ سلام ہو
عَلَيْكِ يَا بِنْتَ عَلِيِّ نِ الْمُرْتَضٰى سَيِّدِ الْاَوْصِيَاءِ وَالصِّدِّيْقِيْنَ
آپ پر اے علی مرتضیٰ کی بیٹی جو اوصیاء اور صدیقین کے سردار ہیں۔
اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا بِنْتَ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ سَيِّدَةِ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ ۔
سلام ہو آپ پر اے بیٹی فاطمۃ الزہرا کی جو تمام جہاں کی عورتوں کی سردار ہیں۔
اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا اُخْتَ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ سَيِّدَيْ شَبَابِ اَهْلِ
سلام ہو آپ پر اے حسنؑ و حسینؑ کی بہن جو تمام نوجوانانِ جنت کے سردار
الْجَنَّةِ اَجْمَعِيْنَ ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ اَيَّتُهَا السَّيِّدَةُ الزَّكِيَّةُ
ہیں۔ سلام ہو آپ پر اے پاک سیدہ

اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ اَيَّتُهَا الدَّاعِيَةُ الْحَفِيَّةُ ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ

سلام ہو آپ پر اے خدا کی طرف سے بہترین دعوت کرنے والی ۔ سلام ہو آپ پر

اَيَّتُهَا التَّقِيَّةُ النَّقِيَّةُ ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ اَيَّتُهَا الرَّضِيَّةُ الْمَرْضِيَّةُ

اے پرہیزگار و پاک خاتون ۔ سلام ہو آپ پر اے وہ بی بی جو خدا سے خوش رہیں اور جن سے خدا

اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ اَيَّتُهَا الْعَالِمَةُ الْغَيْرُ الْمُعَلَّمَةُ ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ اَيَّتُهَا

خوش ہے ۔ سلام ہو آپ پر اے عالمہ جن کو سوائے خدا کے کسی اور نے تعلیم نہیں دی ۔ سلام ہو آپ پر اے

الْفَهِيمَةُ الْغَيْرُ الْمُفَهَّمَةُ ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ اَيَّتُهَا الْمَظْلُومَةُ

فہیمہ جن کو سوائے خدا کے اور کسی نے فہم نہیں بخشی ۔ سلام ہو آپ پر اے مظلومہ

اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ اَيَّتُهَا الْمَهْمُومَةُ ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ اَيَّتُهَا

سلام ہو آپ پر اے وہ جو مبتلائے رنج و غم رہیں ۔ سلام ہو آپ پر اے

الْمَغْمُومَةُ ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ اَيَّتُهَا الْمَاسُورَةُ ۔ اَلسَّلَامُ

مغمومہ ۔۔۔ سلام ہو آپ پر اے وہ جو قید کی گئیں ۔ سلام ہو

عَلَيْكِ اَيَّتُهَا الصِّدِّيقَةُ الصُّغْرٰى ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ اَيَّتُهَا

آپ پر اے صدیقۂ صغریٰ ۔۔۔۔۔ سلام ہو آپ پر اے وہ

الصَّاحِبَةُ الْمُصِيبَةُ الْعُظْمٰى ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا زَيْنَبُ

جنہوں نے عظیم مصائب اٹھائیں ۔ سلام ہو آپ پر اے زینب

الْكُبْرٰى ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا عِصْمَةَ الصُّغْرٰى ۔ اَشْهَدُ

کبریٰ ۔۔ سلام ہو آپ پر اے عصمت صغریٰ ۔ میں گواہی دیتا ہوں

اَنَّكِ كُنْتِ صَابِرَةً شَاكِرَةً مُجَلَّلَةً مُعَظَّمَةً مُكَرَّمَةً مُخَدَّرَةً

کہ آپ صابرہ، شاکرہ، مجللہ (صاحب جلالت)، معظمہ، مکرمہ صاحب عصمت و

مُوَقَّرَةً فِي جَمِيعِ حَالَاتِكِ مُنْقَلَبَاتِكِ مُصِيبَاتِكِ وَبَلِيَّاتِكِ

وقار ثابت ہوئیں جمیع حالات ، انقلابات ، مصائب اور بلاؤں

وَامْتِحَانَاتِكِ حَتّٰى فِي اَشَدِّهَا وَاَمَرِّهَا وَهِيَ وَاللّٰهُ وَقُوفُكِ

اور امتحانوں میں خصوصاً اس سخت ترین وقت اور تلخ ترین موقع پر جبکہ آپ کے

فِي هٰذَا الْمَكَانِ وَاَخُوكِ الْعَطْشَانُ مَصْرُوعٌ فِي عُمْقِ

بھائی پیاسے اور تلوار اور نیزوں کے زخموں سے چور چور

الْحَائِرِ مِنْ كَثْرَةِ جِرَاحَاتِ السَّيْفِ وَالسِّنَانِ وَ

حائر کے گڑھے میں پڑے ہوئے تھے ۔۔۔۔۔ اور

الشِّمْرُ جَالِسٌ عَلٰى صَدْرِهٖ وَاحُزْنَاهُ عَلَيْهِ وَعَلَيْكِ يَا

شمر (ملعون) آپ کے سینۂ مبارک پر بیٹھا تھا ۔ افسوس آپ کے بھائی پر

بِنْتَ الزَّهْرَآءِ وَبِنْتَ خَدِيجَةَ الْكُبْرٰى ۔ اَشْهَدُ اَنَّكِ

اور آپ پر اے زہراؑ کی بیٹی (اے) خدیجۃ الکبریٰ کی بیٹی ۔ میں گواہی دیتا ہوں

قَدْ نَصَحْتِ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهٖ وَلِاَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَلِفَاطِمَةَ

کہ آپ نے اللہ ، اس کے رسولؐ ، امیر المومنینؑ ، فاطمہؑ (الزہرا)

وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَنَصَرْتِهِمْ بِقَلْبِكِ وَ

اور حسنؑ و حسینؑ کی خیرخواہی کی اور ان کی مدد فرمائی اپنے دل سے اور

لِسَانِكِ وَجَاهَدْتِ فِي اللّٰهِ بِلِسَانِكِ حَقَّ جِهَادِهٖ

اپنی زبان سے اور خدا کی راہ میں جہاد فرمایا اپنی زبان سے

فَنِعْمَةَ الْاُخْتُ اَنْتِ لِلْحُسَيْنِ وَنِعْمَ الْاَخُ لَكِ اَلْبُو

جیسا کہ جہاد کرنا چاہیے تھا ۔ آپ حسینؑ کی کتنی اچھی بہن ثابت ہوئیں اور ابو عبد اللہ

عَبْدِ اللّٰهِ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْكُمَا وَعَلٰى مَنْ

(الحسین) آپ کے کتنے اچھے بھائی ہیں۔ خدا کی صلوٰت (درود) اور سلام ہو آپ

اَحَبَّكُمَا وَنَصَرَكُمَا وَلَعَنَ اللّٰهُ اُمَّةً سَلَبَتْ قِنَاعَكِ

دونوں پر اور اس شخص پر بھی جس نے آپ دونوں کو دوست رکھا اور مدد کی اور

وَضَرَبَتْ كِعَابَ الرِّمَاحِ عَلٰى اَعْضَائِكِ وَحَرَقَتْ

خدا کی لعنت ہو اس قوم پر جس نے آپ کی چادر چھینی اور بھالوں سے (نیزوں سے) آپ کے اعضا پر

خِيَامَكِ وَاَسَرَتْ عِيَالَكِ اَمْ سَمِعَتْ بِذٰلِكَ فَرَضِيَتْ

مارا اور آپ کے خیمے جلائے اور آپ کے عیال کو قید کیا یا ان سب واقعات کو سن کر اظہار حزن و

بِهٖ وَلَمْ تَحْزَنْ۔ يَا سَيِّدَتِيْ وَمَوْلَاتِيْ اَنَا زَائِرُ اَخِيْكِ

ملال نہیں کیا بلکہ ان پر راضی اور خوش ہوئے۔ اے میری سیدہ، میری مولا میں آپ کے بھائی

الْحُسَيْنِ وَزَائِرُكِ وَمُحِبُّكُمَا وَمُعِيْنُكُمَا فَاشْفَعُوْا لِيْ وَلِاٰبَائِيْ

حسینؑ کا زائر ہوں۔ اور آپ کا بھی زائر اور محب و معین ہوں۔ پس سب میری شفاعت فرمائیں

وَاُمَّهَاتِيْ وَاَجْدَادِيْ وَاَسْئَلُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ بِحَقِّكِ وَ

اور میرے آباء و اجداد کی، میری ماؤں کی۔ اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں آپ کے حق کا

بِحَقِّ جَدِّكِ وَاَبِيْكِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَاُمِّكِ

آپ کے نانا، آپ کے والد امیرالمومنین علیہما السلام ...... اور آپ کی والدہ

فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَاَخِيْكِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ

ماجدہ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام اور آپ بھائیوں حسن و حسین علیہما السلام

عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَ

کے حقوق کا واسطہ دے کر۔ میرا سلام ہو آپ سب پر اے اہل بیت نبوت اور

مُخْتَلَفِ الْمَلٰٓئِكَةِ وَمَهْبَطِ الْوَحْيِ وَالتَّنْزِيْلِ جَمِيْعًا وَ

جن کے پاس ملائکہ آتے جاتے تھے۔ جن کے گھر میں وحی آتی تھی اور قرآن نازل ہوتا

رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

تھا اور خدا کی رحمت اور برکات تم پر نازل ہو۔

* * * * *